ڈاکٹر ناموس

کتاب خانہ
مارکٹ حیدرآباد

آزاد قوم کی تعمیر

اور

پاکستان

از

ذکاء الملک خواجہ

ڈاکٹر محمد شجاع ناموس

ایم اے (علیگ، فارسی)۔ ایم اے (پنجاب، عربی)۔ ایچ پی (پشتو) بی ایس سی آنرس (طبعیات وکیمیا)۔ ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی۔ ایم ایچ ایس ایس (امریکہ)۔ ایم آر ایس ایل (لنڈن)

وائس پرنسپل ایس ای کالج۔ بہاولپور

کتاب نامچہ

اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اور اس میں ان کتابوں کے نام لکھے گئے ہیں۔
جن سے اس کتاب کے لکھنے کے لئے براہِ راست مواد حاصل کیا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۴۶ء

بار اوّل　　تعداد ۱۰۵۰　　قیمت للہ

اندراجات

صفحہ جہاں سے مقالہ شروع ہوتا ہے	مقالہ کا عنوان نمبر صفحہ ظاہر کرتے ہیں جن پر ماتحت عنوان درج ہے	مقالہ نمبر

مقالہ نمبر	مقالہ کا عنوان نمبر صفحہ ظاہر کرتے ہیں جن پر ماتحت عنوان درج ہے	صفحہ جہاں سے مقالہ شروع ہوتا ہے

نقشہ جات

اشکال

جداول

مقالہ

قومی حکومت کے قیام کیلئے ضروری شرائط

کسی ملک میں آزاد قومی حکومت قائم کرنے کیلئے دو ضروری شرائط ہیں۔ یعنی اگر کسی ملک میں قومی حکومت قائم کرنا منظور ہو تو وہاں ان دو شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے۔ غرض یہ کہ اس ملک کے حالات ایسے ہوں جو ان شرائط کے مطابق ہوں صرف اسی حالت میں وہاں پر قومی حکومت قائم ہونا ممکن ہے

پروفیسر میور کا عقیدہ

ان شرائط کو اپنی زبان سے آپ کے سامنے بیان کرنے کی بجائے میں نے یہ بہتر سمجھا ہے کہ ایک ماہر فن کا فتوے آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ رمزے میور : RAMSAY MUIR مانچسٹر یونیورسٹی کے تاریخ دورِ حاضرہ کے پروفیسر ہیں۔ اور چونکہ قومیّت دورِ حاضر کی پیداوار ہے اس لئے قومیت کے مضمون میں ان کو خاص دخل ہے، انہوں نے ایک کتاب خاص اسی موضوع پر لکھی ہے۔ جس کا نام ہے نیشنل سیلف گورنمنٹ۔ قومی آزاد حکومت جس میں وہ اسکے ارتقاء اور اصولوں پر بحث کرتے ہیں۔ اور اس مظہر کو تاریخ دورِ حاضر کا نصف النہار کہتے ہیں، (لنڈن کانسٹیبل اینڈ کمپنی لمیٹڈ۔ ۱۹۱۸۔ صفحہ ۷) یہ پروفیسر تاریخ اور قومیّت کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ پروفیسر میور کے اصل الفاظ انگریزی میں یہ ہیں۔

Professor of Modern History in the University of Manchester

National Self-government

Its Growth and Principles.

The Culmination of Modern History.

London, Constable & Company Ltd. 1918.

Page 7 National Self-government

There are "certain essential conditions without which government by discussion and agreement must be impossible or disastrous in its results. These conditions are two.

In the first place, the mass of active citizens who take a share in the direction of affairs must be in some degree educated, not merely in the formal sense, thought that is important, but still more in the sense of having been trained in the practice of co-operation in common affairs. No community can become self-governing whose members are not capable of appreciating the complexity of political issues, or have not learnt by practical experience the need for compromise, for give-and take, for the loyal acceptance of results arrived at after discussion, and for the willing subordination of self; and these things can only be acquired by training. Where these qualities are lacking, the institutition of the forms of self-government must lead either to anarchy, or to the enthronement (P. 8) of unscrupulous intriguers who play upon the ignorance of the voters and their lack of political intelligence. It was only in the most highly educated society of the ancient world, Athens, that even city-democracy ever become a reality; and even there it was insecure, disturbed, and short lived. The creation of this political aptitude, among a people is not to be easily or rapidly brought about. It takes time the best system of school—instruction is by itself quite insufficient to produce it. Only the formed habit of co-operation and discussion in minor matters can bring it fully into being, and the number of societies whose conditions of life have made it easy for its citizens to acquire the habit has been small.

The second condition of the successful working of

self-government is that there must exist a real unity of sentiment in the community which attempts it. When a community is divided by deep and irreconcilable antipathies, by the unconquerable distrust and dislike of one element in it for another, discussion becomes futile and agreement impossible, and the attempt at self-government leads only to anarchy. Even in the city-state this condition often existed, and Aristotle recognises it as fatal to civic health in his discourses on what he calls OTAQIS—meaning by that phrase neither more nor less than fundamental disunity of sentiment among the citizens. Yet in the city-state unity of sentiment was comparatively easy to create, for the citizens dwelt together within the same ring-wall, discussed public affairs together in the market-place, knew their leaders by sight and voice, saw their common needs and their common dangers at close quarters. In the great modern state unity of sentiment is indeed a hard thing to create. (P. 9). It has, in fact, been created only by one force—by what we call the natural spirit; and this is the supreme significance of the growth of the national spirit in Europe, that it alone has made self-government on the national scale possible. The only communities in Europe or in the world in which self-government has been successfully applied are those in which the national spirit is dominant. Where it is once firmly rooted, the national spirit cannot merely survive, but can even turn to good ends, differences of party, creed and class. For these differences produce a deepened sincerity and a greater pith and force in discussion, so long as those who holdthem are thinking primarily of the welfare of the nation as a whole, and so long as the mass of men can continue to believe that their opponents (however mistaken) are genuinely desirous of national advantage as they conceive it, and not merely of sectional advantage. But where the national spirit does not exist—where the

state consists of acutely hostile national groups, each permanently suspicious, of the others, and some of them aiming merely at the establishment of their racial ascendancy—self-government in any real sense cannot exist; and if its institutions are established, their effect will either be nullified by the clash of conflicting and irreconcilable factions (as in Austria), or they will afford to the better organised master-race the means of imposing its ruthless dominion upon its recalcitrant subjects, as in Hungary. The unifying force of the national spirit is indeed the only factor which has yet been discovered that can make self-government as real a thing in the large state as it was in the little city-state.

پروفیسر میور کے الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"کچھ ضروری شرائط ہیں جن کے بغیر بحث مباحثے اور آپس کی مصالحت کے ساتھ حکومت (کا وجود میں آنا) یقینی طور پر ناممکنات سے ہے۔ یا اپنے نتائج میں تباہ کن ہے۔ یہ شرائط دو ہیں۔ اولاً یہ کہ حکومت کے کاروبار کی تشکیل میں جتنے وطن کے باشندے عملی طور پر حصّہ لیتے ہیں۔ وہ سب کے سب ایک حد تک لازمی طور پر تعلیم یافتہ ہوں صرف ان معنوں میں نہیں کہ انہوں نے کسی سکول میں تعلیم پائی ہے۔ اگرچہ یہ بھی اہم ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ان معنوں میں کہ انہوں نے قوم کے عمومی کاروبار میں باہمی امداد کی مشق میں تربیت حاصل کی ہوئی ہے۔ کوئی جماعت اپنی آزاد حکومت قائم نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد سیاسی پیچیدگیوں کو پوری اہمیّت دینے کی قابلیّت نہ رکھتے ہوں۔ یا انہوں نے عملی تجربے سے آپس کی مصالحت کا سبق نہ سیکھا ہو۔ وہ سبق جس کا ماحصل یہ ہے۔ کیا خوب سودا نقد ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ جو بعد از بحث حاصل شدہ نتائج کو صدق دل سے قبول کر لیں۔ جو اپنی ذات کو عمداً تابع کر دیں۔ اور یہ باتیں صرف قومی تربیّت سے ہی حاصل کی جا سکتی ہیں جہاں یہ خصائص مفقود ہوں وہاں کسی شکل میں قومی حکومت کا قیام یا تو بدامنی پیدا کرے گا یا ایسے ناعاقبت اندیش جعل ساز بیہر کار آجائیں گے جو ووٹروں کی جہالت اور سیاسی فراست کے فقدان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ قومی حکومت زمانہ قدیم کی دنیا کی اعلیٰ ترین

تعلیم یافتہ سماج میں یعنی ایتھنز میں ہی صرف اور وہ بھی قریہ جمہوریت بن کر حقیقت کا جامہ پہن سکی۔ اور وہاں بھی یہ کمزور اور متلاطم تھی۔ جو تھوڑے عرصے تک قائم رہ سکی۔ کسی قوم میں یہ سیاسی صلاحیت جلدی سے یا آسانی سے پیدا نہیں ہوتی۔ اسمیں وقت صرف ہوتا ہے۔ تعلیم کا بہترین سلسلہ تنہا اس چیز کو پیدا کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ البتہ معمولی معاملات میں باہمی امداد اور مباحثے کی پختہ عادت صرف اس کو پورے ظہور میں لا سکتی ہے۔ اور ان سماجوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جنہوں نے اپنے شہریوں کے لئے اس عادت کو حاصل کرنا آسان بنا دیا ہو۔

ثانیاً آزاد قومی حکومت کے لئے کامیاب عملی صورت اختیار کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس جماعت کے جذبات میں جو اسے اختیار کرنا چاہتی ہے لازمی طور پر ایک حقیقی یگانگت موجود ہو۔ جب ایک جماعت عمیق اور ناقابل مصالحت مخالفتوں سے تقسیم شدہ ہو۔ ناقابل تسخیر بے اعتمادی اور قوم کے ایک عنصر کی دوسرے سے منافرت اس تقسیم کا سبب ہو تو اس حالت میں مباحثہ بے سود اور مصالحت ناممکن۔ اور اگر سیلف گورنمنٹ (قومی آزاد حکومت) کے قیام کی کوشش کی جائے تو بد امنی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ "قریہ جمہوریت" میں بھی یہ حالت اکثر پیدا ہو جاتی تھی۔ ارسطو اپنے ان مقالوں میں جن کا نام اس نے στάσις رکھا ہوا ہے اس حالت کو جمہوریت کی مدنی صحت کے لئے مہلک تسلیم کرتا ہے۔ اس لفظی بندش سے ارسطو کا اس کے سوا کچھ مطلب نہیں کہ شہریوں میں جذبات کی اصولی نا اتفاقی موجود ہے تاہم قریہ جمہوریت میں جذبات کی یگانگت کا پیدا کرنا نسبتاً بہت آسان تھا۔ چونکہ تمام شہری ایک ہی فصیل کے اندر بود و باش رکھتے تھے۔ وہ سب مل کر بازار کے چوک میں سلطنت کے معاملات پر بحث کرتے تھے۔ اپنے لیڈروں کو چہرے اور آواز سے پہچانتے تھے۔ وہ اپنی مشترکہ ضروریات اور اپنے مشترکہ خطروں کو قریب سے دیکھتے تھے۔ دور جدید کی کسی وسیع حکومت میں جذبات کی یگانگت پیدا کرنا بے شک ایک مشکل بات ہے۔ حقیقتاً یہ صرف ایک قوت سے وجود میں آئی ہے ——— اُس چیز سے جسکا نام ہم نے قومی جذبہ (عصبیت) رکھا ہوا ہے۔ اور یورپ میں یہ قومی جذبے کے ارتقاء کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے۔ کہ صرف اسی نے وسیع پیمانے پر قومی حکومت کا قیام ممکن کر دیا ہے۔ یورپ یا دُنیا میں صرف انہیں جماعتوں میں سیلف گورنمنٹ کامیابی کے ساتھ رائج کی جا سکی۔ جن میں قومی جذبہ غالب ہے، جہاں قومی جذبہ ایک دفعہ مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑ لے۔ وہاں پر نہ صرف یہ کہ قومی جذبہ

اپنی زندگی کو قائم رکھتا ہے، بلکہ یہ بھی کہ پارٹی بازی۔ ذات۔ پات اور طبقے کے اختلافات کو بھی ڈھال کر مفید مطلب بنا دیتا ہے، چونکہ یہ اختلافات، مباحثے کی دیانت میں گہرائی اور جوش میں افزونی پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ اُس وقت تک صحیح ہے جب تک کہ ان لوگوں کے خیالات میں جو اس بحث میں حصّہ لیتے ہیں، سب سے زیادہ قوم کی من حیثت القوم بہبودی پیش نظر ہو، اور جب تک کہ جمہور خلقت میں یہ یقین قائم رہے کہ ان کے مخالفین (وہ کس درجہ بھی غلط ہوں) قومی مفاد کے دِل سے خواہاں ہیں، مفاد کی وُہی صُورت جو عام خلقت کے اپنے دل میں موجود ہے۔ اور وہ صرف ایک فرقے کے مفاد کے خواہاں نہیں مگر جہاں قومی جذبہ موجود ہی نہ ہو۔ جہاں حکومت ایسے گروہوں سے مرتب ہو جن کی آپس میں شدید دُشمنی ہو۔ ان میں سے ہر ایک دوسروں کو شبہ کی نظروں سے دیکھے اور ان میں سے بعض گروہ صرف اپنی نسلی برتری کو قائم کرنے کا مقصد رکھتے ہوں، وہاں پر کسی حقیقی معنوں میں سیلف گورنمنٹ قائم نہیں ہوسکتی۔ اور اگر سیلف گورنمنٹ کے ادارے قائم کئے جائیں تو یا تو (جیسے کہ آسٹریا میں) ان کا اثر مخالفت آزما اور نا صلح پذیر پارٹیوں کے تصادم سے صفر ہو جائے گا۔ یا یہ ادارے کسی اور زیادہ ترقی یافتہ اعلیٰ قوم کو موقعہ بہم پہنچائیں گے۔ کہ وہ اپنا بے پناہ استبداد ان ضدی باشندوں پر مُسلط کر دے۔ جیسے کہ ہنگری میں ہوا۔ لاریب صرف قومی جذبہ کی اتحاد پیدا کرنے والی قوت، ایک ایسا عنصر اب تک دریافت ہو سکا ہے جو کہ بڑی حکومتوں میں سیلف گورنمنٹ (آزاد قومی حکومت) کو عملی حقیقت بنا دے۔ جیسا کہ یہ طرز حکومت چھوٹی "قریہ جمہوریت" میں عملی حقیقت تھا۔

قریہ جمہوریت سے میور کا مطلب یہ ہے۔ قدیم یونان میں خاص طور پر ایتھنز میں ایک شہر کی جمہوری حکومت تھی۔ یہ لوگ شہر کی فصیل کے اندر رہتے تھے جمہور کی آرا سے اپنے لیڈر انتخاب کرتے تھے۔ اور حکومت کے متعلق تمام فیصلے آراء سے کیا کرتے تھے۔ یہ بوستانِ حقیقت کا رنگ و بو سے معمور پھول تھا۔ آجکل کی لوکل سیلف گورنمنٹ کا ادارہ یعنی شہر کی کمیٹیوں کا انتظام اس کی کاغذی نقل سمجھو جس کی حیثیت کاغذی پھول سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ بعض دفعہ زیب محفل بنانے کیلئے اس پر عطر مل دیا جاتا ہے۔

کیا آزاد قومی حکومت کی شرائط ہندوستان میں موجود ہیں۔ آؤ اب ذرا آزاد قومی حکومت کے وجود

میں آنے کے فلسفہ کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ آیا یہ حالات ہندوستان میں موجود ہیں یا نہیں۔

قومی حکومت کے قائم کرنے کے لئے ضروری شرائط کچھ اس طرح سے ہیں۔

(۱) عوام ایک حد تک تعلیم یافتہ ہوں۔ سکول کی تعلیم

(۲) عوام نے قوم کے عمومی کاروبار میں باہمی امداد اور مصالحت کی تربیت حاصل کی ہو۔

(۳) لوگ قانون ساز کونسل کے فیصلوں کو صدق دل سے قبول کرلیں۔

(۴) عوام کے جذبات میں حقیقی یگانگت موجود ہے۔

اگر قوم کے ایک گروہ کی دوسرے سے دشمنی یا نفرت ہو تو قومی حکومت ممکن نہیں۔

(۵) جذبات کی یگانگت قومی جذبہ سے پیدا کی جاسکتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں تعلیم یافتہ آدمیوں کی نسبت کیا ہے۔ لیجئے ہم اس وقت سرکاری اعداد وشمار پر ہی اعتبار کر لیتے ہیں (The Indian Year Book. 1943-44, P. 35)

۱۹۳۱ کی مردم شماری میں تمام ہندوستان کے خواندہ افراد (مرد۔ عورت) ۲۳ ملیون تھے ساری آبادی کا ۵ء۹ فیصدی

۱۹۴۱ کی مردم شماری میں تمام ہندوستان کے خواندہ افراد (مرد، عورت) ۴۷ ملیون تھے۔ ساری آبادی کا ۱۲ فیصدی

پچاس سال پہلے تعداد ۴ فیصدی تھی۔

اس اضافے میں بھی ایک بھید ہے۔ ۱۹۳۱ء میں سرکاری طور پر خواندگی سے مراد یہ تھی کہ کوئی مرد یا عورت خط لکھ لے اور پڑھ لے۔ مگر ۱۹۴۱ میں اس تعریف کو بدل لیا گیا اور جو فرد خط کو صرف پڑھ لے اس کو خواندہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ تعداد بڑھ جائے گی۔ اس اضافہ کو مردم شماری کے ارباب بست وکشاد کی سیاسی جادوگری کہئے یا حقیقت تاہم کاغذی کاروائی آپ کے سامنے ہے۔ مگر یہ کاٹھ کی ہنڈیا ہر مردم شماری پہ تو اضافہ کی آگ پر رکھنے کی تاب نہیں لا سکے گی۔ اس کے ساتھ مختلف صوبوں کا بھی کچھ حال سن لیجئے گا۔

خواندہ افراد کی تعداد (۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق)

ٹراونکور اور کوچین :۔ تمام آبادی کا ۴۷.۵ فیصدی، مرد ۵۶٪۔ عورتیں ۳۴٪ کسی انگریزی علاقے میں خواندہ عورتوں کی تعداد آبادی کے ۹٪ سے زیادہ نہیں۔

بنگال ۔ تمام آبادی کا ۱۶٪ + مرد ۲۵٪ ۔عورتیں ۷٪

بمبئی ۔ + مرد ۳۰٪ ۔ عورتیں ۹٪

پنجاب ۔ تمام آبادی کا ۱۳٪ ۔

یو،پی ۔ " " " ۸٪ ——— " ۲٪

کیا جس ملک کی خواندگی کا معیار یہ ہو اور وہاں پر خواندہ آدمیوں کی تعداد ۱۲ فیصدی ہو۔ وہ تعلیم یافتہ کہلانے کا مستحق ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ عوام سرکاری اور غیر سرکاری عمومی کاروباری میں ایک دوسرے کی باہمی امداد کریں اور مصالحت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ گویا انہیں ایسے کاموں کی تربیت مل چکی ہو۔ جب تعلیم نہ ہو تو ایسی تربیت عوام کو کس طرح حاصل ہوگی۔ اور پھر جو ملک ہمیشہ سے غلام رہا ہو۔ اور وہاں نہ تو آزاد حکومت قائم ہوئی ہو۔ نہ عوام نے ملکی کاروبار میں حصّہ لیا ہو۔ اس طرح کی سیاسی بیداری کا خیال محال ہے

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ عوام صدق دل سے اپنی پارلیمنٹ یا قانون ساز مجلس کے فیصلوں کو قبول کرلیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ لوگوں کے جذبات میں یگانگت موجود ہو۔ یعنی یہ تیسری شرط بھی دوسری اور چوتھی شرط کے ماتحت آجاتی ہے اس لئے اب ہم چوتھی شرط پر بحث کرتے ہیں۔

(۴) عوام کے جذبات میں حقیقی یگانگت موجود ہو۔ یعنی ان کا مقصد ایک ہو۔ مدعا ایک۔ اور اگر قوم میں ایک گروہ دوسرے کے خلاف ہو ان میں آپس میں دشمنی اور نفرت ہو تو قومی حکومت ممکن نہیں۔

ہندوستان میں آئے دن ہندو مسلم فساد ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان کا نام ہی ہندو مسلم فساد رکھا ہوا ہے۔ یوں بھی دیکھو تو ہر جگہ۔ کئی مختلف گروہ موجود ہیں۔ عیسائی۔ سکھ ۔ ہندو۔ زراعت پیشہ۔ غیر زراعت پیشہ۔ براہمن۔ غیر براہمن۔ غرض سو

تحریکیں ہیں۔ جن سے ہندوستان کے باشندوں کے خیالات میں تفریق۔ منافرت اور دشمنی پیدا کردی گئی ہے۔ اسکا سبب آپس کی حقیقی نفرت ہو یا روٹیوں کی بانٹ یا بقول بعض سی۔ آئی۔ ڈی کے گھٹیا ملازموں کی شرارت۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ہندوستان کی موجودہ حالت یہی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے ہمت ہار کر بیٹھ جائیں اور یہ خیال کریں کہ ہندوستان میں کبھی قومی سلطنت قائم نہیں ہوگی۔ مگر میرے کانوں میں آواز آرہی ہے۔ میں بالکل سُن رہا ہوں۔ جو آپ کہہ رہے ہیں۔ " ہم ہندوستان میں آزاد قومی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔" بجا فرمایا۔ مگر اس کے لئے انتظام کیجئے اور وہ ذرائع اختیار کیجئے۔ جن سے قومی حکومت قائم کی جا سکے۔

لو ان تمام بیماریوں کا علاج جو ہندوستان کی سیاسی صحت کو خراب کر رہی ہیں۔ یہ ہے کہ ہندوستان میں قومی جذبہ پیدا کیا جائے۔ وہ قومی رُوح جس کی بنا پر قوم بڑھتی پھولتی اور زندہ رہتی ہے۔ قومیت جو کسی قوم کی روح رواں ہے۔ چونکہ پانچویں شرط یہ کہتی ہے۔ کہ جذبات کی یگانگت قومی جذبہ سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قومیت کے عناصر کیا ہیں۔

مقالہ ۲

قومیّت کے عناصر

قومیت کی پیدائش۔ تعمیر اور سلامتی میں مندرجہ ذیل عناصر حصہ لیتے ہیں۔ جتنی کیفیتیں قومیّت کے متعلق ہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں ان عناصر کے ماتحت ہیں۔

I مادی عناصر

(۱) نسل۔ (۲) وطن (۳) سلطنت (۴) اقتصادی حالات

II غیرمادی عناصر

(۵) زبان (۶) مذہب (۷) قومی ادب (۸) روایات (۹) تعلیم (۱۰) تمدن اور تہذیب۔ (۱۱) قانون (۱۲) ظلم (۱۳) قوم بننے کی خواہش

قومیّت کے مادی عناصر

اب ہم ہر عنصر کا اثر باری باری بیان کرتے ہیں۔

(۱) نسل۔ تاریخ یہ کہتی ہے کہ جب ایک جماعت کے لوگ ایک خاص نسل سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کے دل میں ایک دوسرے سے قدرتی لگاؤ ہوتا ہے۔ خاص طور پر قومیّت کے ابتدائی دور میں نسلی تعلق ایک اصولی جذبہ بن جاتا ہے۔ جو اس جماعت کے تمام افراد کو متحد کر دیتا ہے یہ قومیّت پیدا کرنے کا سبب بھی ہے اور قومی جذبات کی تعمیر کا سبب بھی۔ ایک نسل کے تمام افراد آپس میں شکل و صورت اور عادات میں ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ان کے دل میں یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر آجکل ہم دنیا میں یہ دیکھتے ہیں کہ ایک قوم میں کئی نسلوں کے لوگ موجود ہیں۔ اور بعض ایسی نسلیں بھی ہیں جو قوم نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل قومیّت کا ضروری عنصر ہے مگر واحد اساس نہیں ہے۔

(۲) وطن ۔ وہ علاقہ جہاں ہم بچپن میں کھیلیں ہوں ہمیں ہمیشہ عزیز ہوتا ہے۔ ماحول سے ہمیں محبت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ ہماری آنکھیں اس سے مانوس ہو جاتی ہیں۔ وطن اور اہل وطن ہمارا ماحول ہے۔ قاعدہ ہے کہ کوئی چیز جو ایک جماعت کے تمام ممبران کے استعمال کے لئے مشترک ہو مگر اس کو تقسیم نہ کیا جا سکے وہ سب کو عزیز ہو جاتی ہے۔ مثلاً انسانوں کے لئے خدا بچوں کے لئے باپ۔ اور باشندوں کے لئے وطن۔

اگر وطن کی جغرافیی حدود ہوں تو وہ بہت بہتر ہے، چونکہ اس ملک کے باشندے کرۂ ارض کے اُس خطے کو اپنا وطن کہکر خوش ہوتے ہیں۔ یہ قطعۂ زمین ان کی نظر میں مُعیّن ہوتا ہے اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ اس مُلک کے باشندے اپنے آپ کو اس وطن سے نسبت دیتے ہیں۔ اور وطن کی اہمیّت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً حبش کا رہنے والا حبشی۔ ایران کا رہنے والا ایرانی۔ لیکن یہ کوئی لازمی بات نہیں کہ ہر وطن جغرافیی حدود سے مُعیّن کیا جائے تاکہ وہ ایک خاص قوم کا وطن قرار پائے۔ وطن کی حدود کوئی خود ساختہ لکیر ہو سکتی ہے۔ جس کا فیصلہ آپس میں کر لیا جائے۔ جس طرح سے کہ آجکل یورپ کی مختلف قوموں کے اوطان کی حدود پر سنگ ہائے میل اور پاسپورٹ کی چوکیاں دو قوموں کی حدِ فاصل ظاہر کرتی ہیں۔

اس لئے وطن ایک نہایت اہم مادی عنصر ہے جو قومیت کی رُوح کو زندہ رکھتا ہے۔

(۳) سلطنت :۔ سیاستدان تو یہی کہتے ہیں کہ قومیں (یعنی مختلف ملتیں) سیاسی واقعات کا نتیجہ ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ جب ایک جماعت اپنی الگ سلطنت قائم کرنا چاہتی ہے تو ایک ملّت وجود میں آجاتی ہے۔ ان کے خیال کے مُطابق جب کسی آزاد حکومت کے افراد میں مدنی جذبہ ترقی پا لیتا ہے تو ان میں قومیّت کی روح بیدار ہو جاتی ہے۔ مگر تاریخ یہ کہتی ہے کہ سلطنت کو ہم قومیّت کی روح تسلیم نہیں کر سکتے۔ چونکہ دُنیا میں بعض قومیں ایسی بھی وجود میں آئی ہیں جن کی ابتداء میں کوئی سلطنت نہ تھی۔ مثلاً پول اور بوہیمیا والے۔

تاہم سیاسی اتحاد اور قومی حکومت، قومی جذبات کو محکم کرتے ہیں۔ سیاست اور حکومت کے ہاتھ میں مخصوص ذرائع ہیں جن کے استعمال سے یہ قومی خیالات نشر کرتی رہتی ہیں۔ دورِ جدید میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہر آزاد حکومت مادی طور پر کسی نہ کسی

قومیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اگرچہ اساسی طور پر یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم کی اپنی آزاد حکومت موجود ہو اور اس کے بعد ہی وُہ جماعت قوم کہلائے۔

(۴) اقتصادی حالات :- دورِ جدید میں اقتصادی عنصر بہت اہم ہو گیا ہے۔ مادی ضروریات اور حاجات کا اشتراک۔ افراد کو قبیلہ اور قبیلوں کو ملا کر قوم بنا دیتا ہے۔ یہ باہمی امداد بعض دفعہ ترقی کے لئے ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ ذاتی حفاظت کے لئے امکان ہے کہ اقتصادی ظُلم افراد میں اتحاد پیدا کرے۔

تاہم اقتصاد قومیت کے لازمی عناصر میں سے نہیں ہے۔ ہاں اگر ایک قوم مُعیّن جغرافیئی وطن میں رہتی ہو۔ اور اس قوم میں وہ تمام عناصر موجود ہوں۔ جو قوم بناتے ہیں۔ تو اقتصادی اشتراک باقی کے تمام قومیت کے عناصر کو امداد پہنچاتا ہے۔ جس سے قومی زندگی مضبوط تر ہو جاتی ہے۔

قومیّت کے غیر مادی عناصر

(۵) زبان۔ قومیّت کے غیر مادی عناصر میں سب سے پہلے زبان کا درجہ ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایک قوم کی حدود بھی وہی ہوتی ہیں۔ جو اسکی زبان کی حدود ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قومیں اپنی زبان کو زندہ رکھنے کیلئے انتہائی کوشش کرتی ہیں۔ فنون اور ادب کی کتابیں جو ایک زبان میں لکھی جاتی ہیں قوم کے مختلف جذبات کا اظہار کرتی ہیں یہ قوم کی مخصوص فراست کی آئینہ دار ہیں۔

تاہم دُنیا میں ایسی دو یا تین قومیں بھی ہیں۔ جو ایک زبان بولتی ہیں مثلاً انگلستان۔ سکاٹ لینڈ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے رہنے والے سب انگریزی بولتے ہیں۔ بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کی مختلف جماعتیں الگ الگ زبانیں بولتی ہیں۔ سوٹزرلینڈ کی قوم کے تین مختلف حصّے اپنی اپنی الگ الگ زبان بولتے ہیں۔

اس لئے اکیلی زبان کسی قوم کی اساس نہیں ہے اگرچہ یہ قوم کو مخصوص شخصیّت دینے اور اسے مضبوط بنانے میں اہم حصّہ لیتی ہے۔

(۶) مذہب :- عہدِ قدیم میں مذہب نے خاص طور پر مشرق میں، اقوام کی تشکیل میں اہم حصّہ لیا ہے۔ مشرق میں اب بھی مذہب کو بہت اہمیّت دی جاتی ہے اگرچہ مغرب میں مذہب کا رعب دلوں سے خارج ہو گیا ہے اب وہاں کے لوگ مذہب

کی بجائے اقتصاد اور کارخانہ داری کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مذہبی رسُومات کی جگہ قومی رسُومات یا سماجی رسُومات لے رہی ہیں۔ دُنیا میں بعض ایسی قومیں بھی ہیں جو ایک مذہب رکھتی ہیں۔ اور ایسی قومیں بھی ہیں جن کے افراد میں ایک سے زیادہ مذہب رکھنے والے افراد موجود ہیں۔

اس لئے مذہب کسی قوم کی اصل رُوح نہیں ہے لیکن جتنے فساد اور منافرت کے امکانات ہوں اُن کو رفع کرنے میں بہُت امداد دیتا ہے، مذہب تمام قوم پر ایک ہی اخلاقی قانون۔ سماجی اور مذہبی قانون عاید کر دیتا ہے۔ اس لئے قوم کے تمام افراد کے اخلاق عادات اور خیالات ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔

(۷) قومی ادب۔ (۸) روایات۔

ان سے جماعت کے افراد کے دِلوں میں ایک دوسرے سے محبّت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے دِل و دماغ ایک ہی سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان کا حسُن و قبح کا معیار ایک ہو جاتا ہے۔ ان کے اخلاقی قوانین ایک ہوتے ہیں جو وہ روایات سے حاصل کرتے ہیں۔ ان کی قومی نامور ہستیاں ایک ہوتی ہیں۔ اس لئے افراد کے دِلوں میں موانست اور یگانگت پیدا ہو جاتی ہے، اول تو قوم کے لوگوں میں جھگڑے بہُت کم پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر ہوں تو چونکہ اُن کا اخلاقی اور سماجی قانون ایک ہی ہوتا ہے، یہ جھگڑے بہُت جلد طے پا جاتے ہیں۔

(۹) تعلیم۔ تربیت اور تعلیم سب سے بڑا آلہ ہے۔ جس کے ذریعہ کسی جماعت کو بہتر کیا جا سکتا ہے۔ تعلیم سے ہم افراد کے خیالات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ ان میں قومی خیالات کا پرچار کر سکتے ہیں۔ اور قومیّت کی اہمیّت اور ضرورت کا نقش ان کے دِل پر بٹھا سکتے ہیں۔

(۱۰) تمدن اور تہذیب۔ ایک قوم کا مخصوص تمدن ہوتا ہے اور مخصوص تہذیب۔ جو اس قوم کی اپنی کہلاتی ہے ان کا طرزِ تخیّل۔ اور خصُوصیات مُعیّن ہوتی ہیں۔ لباس کھانا پینا۔ اُٹھنا بیٹھنا سب مخصوص ہوتے ہیں۔ ان کا فکر اور ذکر مخصوص طریقے کا ہوتا ہے۔ یہی ان کا تمدن اور تہذیب ہے۔ کسی قوم کا تمدن اور تہذیب روایات، ادب۔ اور تعلیم سے بنتا ہے۔ وراثت میں یہ باتیں چلی آتی ہیں اور باپ سے بیٹے کو پہنچتی ہیں۔ جب تمدن اور تہذیب میں قومی رُوح

پھونکی جاتی ہے، تو یہ اس قوم کی فراست کا مظہر بن جاتے ہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمدن اور تہذیب فلاں قوم کی ہے۔

تمدن اور تہذیب قوم کی اساس ہیں، چونکہ وہ قوم کو مخصوص شخصیت دیتے ہیں، جب کسی قوم کا مخصوص تمدن اور تہذیب مٹ جاتی ہے، تو اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتی ہے، لیکن تمدن او تہذیب کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اور کئی عناصر کی ضرورت ہے مثلاً قومی حکومت، مذہب، وطن

(۱۱) قانون۔ حکومت قانون بناتی ہے۔ جب کسی وطن میں قومی حکومت قائم ہو تو وہ ایسے قانون بنا سکتی ہے جس سے قومی اتحاد قائم رہے۔ لوگوں کے دل میں قوم کی محبت پیدا ہو۔ اور قومی جذبہ مضبوط ہو جائے۔

(۱۲) ظلم۔ ظلم کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔ بدنی۔ ذہنی۔ اقتصادی۔ جب کسی جماعت پر ظلم ہو تو جماعت کے تمام افراد کے دل ظالم کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ یہ مخالفت سب کے دل میں مشترک ہوتی ہے اس لئے افراد کے دل میں ایک دوسرے سے موانست پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عنصر صرف اسی حالت میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ باقی عناصر میدان میں عمل کر رہے ہوں اور کچھ عرصہ تک عمل کر چکے ہوں۔

(۱۳) قوم بننے کی دلی خواہش۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ قوم کے تمام افراد کی ضمیر میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ ہم ایک قوم بنانا چاہتے ہیں۔ بعض فاضل اس عنصر کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تمام عناصر موجود ہوں اور یہ عنصر موجود نہ ہو تو کوئی جماعت قوم نہیں بن سکتی۔ پہلے تو یہ ضروری ہے کہ جماعت اپنے مخصوص خصائل سے آگاہ ہو جائے۔ اور پھر ان میں قوم بننے کی خواہش پیدا ہونی چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں ہے قوم کے تمام ارکین میں یہ خواہش پیدا ہو بلکہ یہ کہ قوم کے ممبران کی زیادہ تعداد میں یہ خواہش پیدا ہو جائے۔ نسل۔ زبان۔ مذہب جیسے کئی اسباب اس خواہش کے پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ یہ خواہش کچھ عرصہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ جب ایک حد تک پختہ ہو جاتی ہے۔ تو کوئی بڑا لیڈر میدان میں آتا ہے۔ اور اس جماعت کو قوم بنا دیتا ہے۔ ان عناصر کی نسبت جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ عنصر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔

قومیت کی تعریف ہم نے دیکھا کہ ۴ مادی اور ۹ غیر مادی عناصر قومیت پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ان میں

سے کوئی ایک تنہا قومیت پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا حقیقتاً یہ سب متفقہ طور پر کام کرتے ہیں۔ یا ان میں سے اکثر بیک وقت میدان میں کام کرتے ہیں، یہ عناصر اپنے اثر سے فرد کے دل میں ایک ذہنی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ ذہنی کیفیت، قومیت کی اساس ہے۔ اس ذہنی کیفیت کے زیر اثر فرد میں قومی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قومی جذبہ کے زیر اثر انسان ان تمام چیزوں سے جو قومیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور قوم بناتی ہیں۔ مثلاً نسل، زبان وطن، محبت کرنے لگتا ہے۔ ایک قوم کے افراد ان تمام چیزوں کو جو ان کی اپنی قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس طرح کی دوسری چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں جو دوسری قوموں سے تعلق رکھتی ہیں۔ قومیت ایک روحانی اصول ہے۔ جس سے افراد کے دل میں من حیث القوم دنیا میں ہر طرح سے کامیاب ہونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ فرد کی حدود سے نکل کر تصور جماعت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور فرد جماعت کی کامیابی کی تجویزیں سوچتا رہتا ہے۔ اگرچہ اس کی ذات کو نقصان ہی پہنچے یعنی وہ اپنی ذات جماعت کے مفاد پر قربان کر دیتا ہے۔ یا اپنا مفاد، جماعت کے مفاد کے ماتحت کر دیتا ہے۔ قومیت کوئی مادی چیز نہیں جس کی شکل وصورت الفاظ میں بیان کی جا سکے۔ یہ ایک جذبہ ہے جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

قوم پرست کا دین

دور جدید میں قوم پرست اپنی قوم کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار ہیں۔ کہ وہ اسبات کا کبھی اعتراف کر لیتے ہیں، کہ انفرادی طور پر کسی شخص نے غلطی کی ہو مگر اسبات کا کبھی اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہوتے کہ قوم نے من حیث القوم کوئی غلطی کی ہے۔ ان کے لئے قومیت ایک مذہب ہے۔ ایک شریعت۔ اُن کا ہر دوسرا جذبہ، قومی جذبہ کے زیر اثر رہتا ہے۔ وہ کسی الہامی مذہب یا کتابی مذہب سے تعلق رکھتے ہو، مگر ان کا مذہبی جذبہ قومی جذبہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ ان کا پہلا نصب العین، پہلا مقصود، اولین خواہش یہی ہوتی ہے۔ کہ ہماری قوم ترقی کرتی رہے، یہی ان کا دین ہے۔

مقالہ ۳

قوم کا جنم اور زندگی

قوم کا نصب العین ہونا چاہیئے :- کہا جاتا ہے کہ ہر قوم کے سامنے ایک نصب العین ہونا چاہیئے ۔ نہیں تو قومی جذبہ تدریجاً کمزور ہوتا جاتا ہے اور قوم یا پوری صحت میں نہیں رہتی یا نا پید ہو جاتی ہے ۔ نصب العین کئی طرح کا ہو سکتا ہے مثلاً دُنیا کی تہذیب کی ترقی ۔ یہ ایسا مقصد ہے جس کی کوئی زمانی یا مکانی حد نہیں اس لیے قوم اس نصب العین کو سامنے رکھکر ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے ۔

مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کوئی قوم وجود میں آتی ہے تو اس کے ذہن میں قبل از وقت کوئی مخصوص نصب العین نہیں ہوتا ۔ قوم اپنی ذات کا اظہار کرنے کے لیے اپنی شخصیت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آتی ہے ۔ لیکن اسی وقت پوری قوت اور جوش سے نشو و نما پاتی اور بڑھتی پھولتی ہے ، جب کہ اس کے سامنے کوئی نصب العین موجود ہو ۔ مثلاً فتوحات ۔ علم نوازی ۔ تہذیب کی ترقی ۔ گویا وجود میں آنے کے تھوڑے عرصے کے بعد قوم منظم دُنیا کی سماجی ضروریات میں سے کسی نہ کسی کو اپنا نصب العین بنا لیتی ہے ۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ موجودہ اقوام میں سے تقریباً ہر ایک نے کسی نہ کسی مقصد کو اپنا قومی نصب العین بنا لیا ہے ۔ بعض نے اپنی زبان ، بعض نے قومی ادب بعض نے نسل اور بعض نے وطن ۔ کوئی چیز بھی جس کو اسقدر اشاعت دیجائے اور اس کی اہمیت کو اس درجہ بُلند کر دیا جائے کہ اس کے بغیر قوم زندہ نہیں رہ سکتی ۔ یہ چیز قوم کا نصب العین بن سکتی ہے ۔ یہ نصب العین قوم کو مخصوص شخصیت بخشتا ہے ۔ اور دوسری قوموں سے امتیاز پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے ۔

عہد قدیم میں قوم پہلے وجود میں آتی تھی اور نصب العین اسکے بعد پیدا ہوتا تھا ۔ مگر دورِ جدید میں نصب العین پہلے وجود میں آتا ہے ۔ اور قوم اس کے بعد اپنی شخصیت کو مُعیّن کرتی ہے ۔ اس کا یہ مطلب ہُوا کہ قوم بننے کی خواہش جماعت کے دل میں

موجود ہوتی ہے۔ جو نصب العین کی شکل اختیار کرنے کے بعد میدان میں آجاتی ہے۔

ظُلم کے زیرِ اثر قومی جذبہ اُبھرتا ہے۔

تاریخ سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے۔ بہت سی قومیں ظُلم کے سبب وجود میں آئیں۔ جماعت کے افراد ظالم کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کر لیتے ہیں۔ جب اس فضا میں قومی نصب العین کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ تو جماعت قوم بن جاتی ہے۔ ہندوستان میں قومیت کے اظہار کا یہی سبب ہوا۔ ہندوستان جیسے مُلک میں جہاں کئی نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ کئی زبانیں اور مذاہب ہیں۔ جس چیز نے لوگوں کے دلوں میں قومیت کا احساس پیدا کیا وُہ ظُلم تھا۔ یہ ظُلم حقیقی ہو یا خیالی مگر ہندوستان کے تمام فرقوں کے دل میں بات آگئی کہ انگریزی حکومت غیر ملکی حکومت ہے اور یہ ہندوستان پر ظُلم کر رہی ہے۔ ہندوستانیوں کے دل میں قومی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوگیا۔

اگر ایک جماعت قوم بننے کا تہیّہ کرلے تو اس کے لئے ایسے اسباب کا تلاش کر لینا کچھ مشکل نہیں جن کے استعمال سے یہ جماعت قوم بن جائے۔ ہاں ان اسباب اور ذرائع کو مناسب شکل دینا۔ ان کو مُرتب کرنا اور ان سے پُورا فائدہ اُٹھانا بہ مُشکل ہوتا ہے۔

قومی لیڈر اور عوام

کسی قوم کی قوّت اس کے افراد میں مضمر ہے۔ اشخاص قوم بناتے ہیں۔ جتنے مضبوط۔ زوردار اور قوم پرست عوام ہونگے قوم اتنی ہی طاقتور ہوگی۔ قومی لیڈر غیر مُعیّن زمانے اور غیر معلوم مقاموں پر جنم لیتے ہیں ان کو اپنے مقصدِ زندگی اور کامیابی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ ان میں قوم کی بے پایاں مُحبت موجُود ہوتی ہے اور وہ ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہ صرف لیڈر کی قربانی اور فراست نہیں جو قوم کو پختگی بخشتی ہے۔ بلکہ قوم کے لاکھوں غیر معلوم عوام کی نیازمندی، جاں نثاری، خلوص اور پُرجوش عقیدت ہے۔

قوم کا لیڈر لمپ کے شُعلے کی طرح ہے۔ شعلہ جلتا ہے۔ سب کو نظر آتا ہے۔ اور اس سے نُور کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ لیکن شعلہ اس تیل پر زندہ ہے جو اس کے نیچے لمپ کے اندر پنہاں ہے۔ قوم کے عوام اس تیل کی طرح ہیں۔ جو لیڈر کو ہر طرح کی امداد دینے کو تیار رہتے ہیں۔ عوام کی قربانیاں اور انکی بہادری کے کارنامے کسی تاریخ میں درج نہ کئے گئے ہوں۔ مگر

حقیقت میں قوم کی ترقی انہیں میں مضمر ہے۔ ان کے بغیر لیڈر کی حیثیت صدا بہ صحرا سے زیادہ نہیں۔ اگر قوم ترقی کرنا چاہتی ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ عوام میں سے ہر فرد وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنے لیڈر کا حکم تہ دل سے ماننے کو ہر وقت تیار رہے۔ ان میں قربانی کا مادہ ہونا چاہیئے۔ وہ اسی جوش کے ساتھ لیڈر کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں جس جوش کے ساتھ وہ قوم کی خاطر قربانی کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

قوم کب جنم لیتی ہے

قوم اس وقت جنم لیتی ہے، جب عوام قومی محبت اور قومی عقیدت سے معمور ہو جائیں اور جب وہ اپنی تمام مادی یا ذہنی ملکیت کو قوم کے لئے نثار کرنے کو تیار ہوں انکا اپنا مفاد ہمیشہ قومی مفاد کے ماتحت رہتا ہے۔ وہ اپنی جائداد۔ اپنے مذہب اور اپنی زندگی کو قومی مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کے لئے قوم ایک مذہب ہے ایک دین اور ان کی تمام قوتیں اس دین کو ترقی دینے میں خرچ ہوتی رہتی ہیں۔ اس وقت وہ کیفیت جسے دور جدید میں قومیت کہتے ہیں۔ فضا میں اپنا گھر بنا لیتی ہے، اور اس کے بعد یہ بڑھتی پھولتی اور عملی حقیقت بنتی ہے:۔

مقالہ ۴

قومیّت اور سلطنت میں فرق

شخصی قومیّت

ہم نے مقالہ نمبر ۳ میں دیکھا کہ قوم اور قومیّت سے کیا مطلب ہے. اگر کسی شخص کی شخصی قومیّت کو لیا جائے. یعنی وہ قومیّت جو اس کے مادی بدن سے تعلق رکھتی ہے. تو لوگ اس شخصی قومیّت کی پہچان. نسل. زبان، اور مذہب سے کرتے ہیں۔ اپنی نفسی خصوصیات کے لحاظ سے قومیّت یا شخصی قومیّت میں کوئی سیاسی تمناؤں کی دُنیا نہاں نہیں ہوتی. یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم میں سیاسی فتوحات کی خواہش موجود ہو. بعض دفعہ ایک مہاجر جماعت کسی غیر وطن میں جا کر آباد ہو جاتی ہے. وہ لوگ وہاں کے باشندے ہوتے ہُوئے وہاں کی قومیّت اختیار نہیں کرتے. یہ لوگ اپنی جماعت کے افراد سے مُحبت رکھتے ہیں. ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں. اور مبیٹھ کر اپنے اصل وطن کے گیت گاتے ہیں. اپنی قوم کی کہانیاں سُناتے ہیں، اور غیر وطن میں اپنی اصل قوم کی روائیات کو قائم رکھتے ہیں. بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے. کہ مہاجر جماعت اپنے اصل وطن کے لوگوں کی مالی یا معنوی امداد کرتی ہے. یہودی قوم میں یہ خصوصیّت موجُود ہے۔

ہر ایک فرد کی کوئی خاص شخصی قومیّت ہوتی ہے. بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کسی نہ کسی شخصی قومیت سے ضرور تعلق رکھتا ہے. مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد اپنے سینے میں زندہ قومی جذبہ رکھتا ہو. یا اُسے اپنے ہم قوم افراد کے ساتھ مُحبت یا اُنس ہو۔ ممکن ہے کہ وہ اس معاملے میں بے رخی سے کام لے. یا اپنی قوم سے نفرت کرے اور کسی دوسری قوم کا فرد بننے کی خواہش کرے.

عام طور پر حقیر سے حقیر قوم کے افراد بھی اپنی قوم سے مُحبّت رکھتے ہیں۔ اور اس قوم کا فرد ہونے کو اپنی عزت سمجھتے ہیں. اگر کسی طرح سے ایک فرد کی قوم کی تحقیر کی جائے یا اُسے اپنی قومیّت کو چھوڑ دینے کے لئے کہا جائے تو وہ برا فروختہ ہو جاتا ہے. اسی طرح سے اصولاً ایک قوم کے افراد دوسری قوموں کے افراد کے مقابلے میں آپس میں زیادہ اُنس رکھتے ہیں۔

سلطنت

قوم کی نسبت سلطنت کی بالکل مختلف اساس اور مختلف نصب العین ہے۔ سلطنت وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ لوگوں کی ایک جماعت کا سیاسی انتظام سرانجام پاتا ہے۔ سلطنت کو لوگوں کی زندگی میں کتنا دخل ہے۔ یہ بات ہر سلطنت اور ہر ملک میں مختلف ہے۔ بعض سلطنتیں صرف اتنا کرتی ہیں کہ بیرونی غنیم سے اپنے وطن کی حفاظت کریں۔ اور بعض سلطنتوں میں افراد کی پرائیویٹ زندگی پر بھی سلطنت کا قانون حکومت کرتا ہے۔ مثلاً شادی، موت لباس وغیرہ۔

عام طور پر سلطنت کے فرائض بہت سے ہیں۔ وطن کی حفاظت۔ امن عامہ قائم رکھنا جرائم کا انسداد اور سزا۔ سڑکوں ریلوں وغیرہ کا بنانا صحتِ عامہ کا قائم رکھنا۔ لوگوں سے ٹیکس وصول کرنا وغیرہ۔ ایک شخص کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو اور وہ کوئی زبان بولتا ہو جب وہ ایک سلطنت کے ماتحت رہتا ہے تو اس کو سلطنت کے قوانین ماننے پڑتے ہیں۔ اور ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔

سلطنتی قومیت

اسی طرح سے ایک سلطنت کے باشندے ایک ہی ماحول میں ایک ہی قوانین کی فضا میں پرورش پاتے ہیں۔ ان کے دل میں جماعتی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جماعت سلطنت پیدا کرتی ہے۔ جب تک کہ جماعت کے افراد میں اس سلطنت کو قائم رکھنے کا سمجھوتہ نہ ہو وہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ سمجھوتا اس بات کی دلیل ہے کہ افراد میں ایک طرح کی مفاہمت موجود ہے انسان میں کتنا ہی بنیاپن موجود ہو۔ وہ ہر بات کا حساب کرتا ہو مگر اس کے سینے میں جذبات موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے آخر کار ایک سلطنت کے باشندوں میں جذباتی تعلق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک روحانی کشش۔ اس میں کئی چیزیں امداد دیتی ہیں۔ اس سلطنت کے گذشتہ تاریخی واقعات۔ مشترکہ افتخار اور تحقیر جو اس سلطنت کے حصے میں آئی ہو۔ اگر تاریخ میں فتوحات کی نسبت ہزیمت کے واقعات زیادہ ہوں تو یہ جذباتی تعلق زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔ اور دوسری سلطنتوں سے نفرت یا محبت ان جذبات میں نمایاں اضافہ کرتی ہے۔ سلطنت میں مشترکہ دلچسپی اور سلطنت کے قوانین سے خلوص افراد کے دل میں ایک جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جس کو سلطنتی قومیت (Political Nationality) کہتے ہیں۔ انگریز اور فرانسیسی اپنی قانونی قومیت کو اس تبدیل

کی قومیت قرار دیتا ہے۔

مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سلطنتی قومیت میں بھی کچھ عرصے کے بعد خود بخود اُنس و یگانگت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے، جس کا تعلق صرف قانون سے نہیں بلکہ انسان کی ذات سے ہوتا ہے۔ مختلف نسلوں، قبیلوں، اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ایک فرقہ دوسرے کے جذبات کا احترام کرتا ہے۔ ہوتے ہوتے مختلف جماعتوں کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کی آپس میں محبّت بڑھ جاتی ہے۔

شخصی قومیّت اور سلطنتی قومیّت کا انطباق

ظاہر ہے کہ یہ سلطنتی قومیت، شخصی قومیت سے جداگانہ ہے۔ جسطرح سے کہ ایک قومیّت کے کئی آدمی مختلف سلطنتوں میں رہ کر بھی اپنی اصلی قومیت کو گم نہیں کرتے، اسی طرح سے کئی مختلف قومیتوں کے افراد ایک سلطنت میں آ کر آباد ہو سکتے ہیں، امکان ہے کہ ان کی ذاتی قومیّت بھی قائم رہے اور وہ اس سلطنت کے وفادار اور قانون شعار شہری ہوں۔ امکان ہے کہ یہ دونوں جذبات الگ الگ قائم رہیں۔ چونکہ یہ دونوں متضاد نہیں مختلف ہیں۔ لیکن اکثر واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ ان دونوں کا تقابل ہو جاتا ہے۔ اس لئے جدید عہد میں جتنی سلطنتیں دنیا میں موجود ہیں وہ یہ کوشش کرتی ہیں کہ باشندے نہ صرف سلطنتی قومیّت کا رکن نہیں بلکہ یہ کہ ان کی شخصی قومیّت بھی وُہی ہو جو اس سلطنت کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قوم یہ کوشش کرتی ہے کہ اپنی ایک جُدا سلطنت قائم کرلے جسمیں ذاتی قومیّت اور سلطنتی قومیّت ایک ہو۔ ایک حد تک یہ رجحان اس قدر فطری ہے کہ انسان خود بخود اسطرف مائل ہو جاتا ہے۔

قومی خُود مختاری حاصل کرنا ہر قوم کا فطری حق ہے

دورِ جدید میں جمہوری خیالات کو بہت فروغ ہُوا ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی قوموں کے دل میں قوی ہو گیا ہے کہ ہر قوم کی اپنی اپنی آزاد سلطنت ہونی چاہیئے۔ دورِ حاضر کے فلسفۂ قومیّت کے محققین مثلاً مِل Mill تو یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ کوئی قوم اپنی سلطنت کے بغیر قوم ہی نہیں بن سکتی۔ دنیا کے سیاسی حلقوں میں جن اصولوں پر آجکل فکر کیا جاتا ہے اُن میں سے "قومی خُود مختاری" بڑا اہم مسئلہ ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ جس قوم کے دل میں قومی خُود مختاری کا جوش

پیدا ہو گیا ہے۔ اُنہوں نے ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ اس جوش سے جاہل کمزور اور حقیر جماعتیں اس قدر قوی ہو گئیں کہ انہوں نے عظیم الشان سلطنتوں کی بُنیادیں ہلا دیں۔ وُہ لوگ جن کی ہستی کو ان کی حاکم قوم کسی شمار میں نہیں لاتی تھی بڑی بڑی سلطنتوں کے عالیشان محلّات کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس مال مصالحے سے اُنہوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لی۔

دُنیا کے عام سیاسی حلقوں میں اس بات کو بھی مان لیا گیا ہے کہ قومی خود مختاری حاصل کرنا ہر قوم کا فطری "حق" ہے لیکن یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ سیاست میں "حق" اور "ناحق" کی کوئی تعریف نہیں کی گئی۔ شاید اُس تعریف سے بہتر اب تک کوئی تعریف نہیں بنائی جا سکی۔ جو کئی صدیاں پہلے ایتھنز والوں نے جزیرہ میلوس کے رہنے والوں کو بھیجی تھی۔

(Macartney.—National States and National Minorities P. 15 ' taken from thucydides, V. 89).

" You know as well as we do, that right, as the world goes, is an issue only between equals in power, and that the strong do what they can and the weak submit."

"تمہیں اور ہمیں یہ خوب معلوم ہے۔ کہ جس طرح سے دُنیا کا اُصول ہے۔ حق کا اجراء صرف ان کے درمیان ہوتا ہے۔ جو طاقت میں برابر ہوں۔ مگر قوی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور کمزور سر جھکا دیتے ہیں"۔

اس لئے کسی قوم کا خود مختار ہونے کا حق دوسری قومیں اسی وقت تسلیم کرتی ہیں۔ جب اس قوم میں اتنی طاقت موجود ہو کہ وہ دوسری قوموں کا مقابلہ کر سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر ہر چھوٹی بڑی جماعت کو جو مطالبہ کرے پوری قومی خود مختاری دے دی جائے تو دنیا میں ہر وقت فساد اور جنگ ہوتا رہے گا۔ لیکن آجکل ساری مہذب دنیا میں اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ ہر قوم کی اپنی خود مختار سلطنت ہونی چاہیئے۔ اور جو بڑی سلطنت اپنی حدود کے اندر کسی چھوٹی قوم کو اپنی مخصوص سلطنت بنانے سے مانع ہو۔ اس کو ظالم قرار دیا جاتا ہے حقیقتاً یہی کیفیت صحیح معنوں میں جمہوریت کی تعریف ہے۔ اسی سے مظلوم قوموں نے ظالم اور جابر زبردستوں سے گلو

خلاصی کرائی۔

قومی میجارٹی

مگر جیساکہ ہم عملی دُنیا میں دیکھتے ہیں ہر چھوٹی سے چھوٹی جماعت کو خود مختاری دینا ممکن نہیں اس لئے ایک قومی سلطنت میں ایک جماعت تو ایسی ہوتی ہے جس کے افراد کی تعداد اس وطن میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کو قومی اکثریت National Majority. کہتے ہیں۔ مگر ہم اسے میجارٹی کے لفظ سے ہی یاد کریں گے۔ اس وطن اور سلطنت میں ایک یا کئی اور جماعتیں ہوتی ہیں جن کے افراد کی تعداد بڑی جماعت کے افراد کی تعداد سے کم ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر جماعت کو قومی اقلیت National Minority کہتے ہیں۔ مگر ہم اسے آئندہ منارٹی لکھیں گے۔

دنیا نے جمہوریت۔ قومیت۔ آزاد قومی حکومت اور دیگر سیاسی کیفیتوں کے متعلق کئی تجربات کئے ہیں۔ اور یہ واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس تاریخ سے فائدہ اٹھاکر محققین نے چند اصول بنائے ہیں۔ ہم اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ مجارٹی کا سلوک منارٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اور اس وطن میں منارٹی کی حالت کچھ عرصے کے بعد کیا بن جاتی ہے۔ مقالہ نمبر ۱۴۔ اکھنڈ بھارت میں مسلمان منارٹی کی حالت۔ صفحہ

مقالہ ۵

کیا ہندوستان میں قومیت کے عناصر موجود ہیں

ہم نے دیکھا کہ ۱۳ عناصر قومیت بناتے ہیں (مقالہ ۲) ان میں سے ۴ مادی ہیں۔ (۱) نسل (۲) وطن۔ (۳) سلطنت (۴) اقتصادی حالات اور ۹ غیر مادی۔ (۱) زبان۔ (۲) مذہب۔ (۳) قومی ادب (۴) روایات (۵) تعلیم (۶) تمدن اور تہذیب۔ (۷) قانون (۸) ظلم (۹) قوم بننے کی خواہش۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں، کہ آیا ہندوستان میں یہ عناصر موجود ہیں یا نہیں۔ آیا ہندوستان کے باشندوں پر اپنا اثر ڈالکر ان کو ایک قوم بنا رہے ہیں یا نہیں۔

قومیت کے عناصر اور ہندوستان کی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان محض ایک جغرافی اصطلاح ہے۔ مختلف نسلوں۔ قوموں زبانوں اور دیگر عناصر قومیت میں اس درجہ اختلاف ہے کہ ہندوستان میں راجپوت پنجاب۔ بنگالی۔ مرہٹے۔ سکھ۔ پارسی، مسلمان۔ عیسائی تو آباد ہیں مگر ہندوستانی کوئی آباد نہیں۔ اور اس لحاظ سے کوئی سرزمین ایسی نہیں جسے ہندوستان کہا جائے۔ تاہم دور جدید میں ہندوستان کے رہنے والوں میں اس بات کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ انہیں آزادی حاصل کرنی چاہیئے۔ اور اس لئے علیحدہ علیحدہ بڑی بڑی جماعتوں کے افراد میں اشتراک عمل پیدا ہو گیا ہے۔ جو قوم بنانے میں ممد ہے

اب ہم قومیت کے عناصر میں سے ہر عنصر پر باری باری بحث کریں گے۔

مادی عناصر

(۱) نسل۔ ہندوستان میں ۹ نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔

(۱) ترکو ایرانی نسل اس میں ترکی اور ایرانی خون کی ملاوٹ ہے۔ جنمیں ایرانی خون زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

بلوچ بلوچستان میں اور شمال مغربی سرحد کے پٹھان

(۲) ہند آریائی نسل۔ خالص آریا نسل کے لوگ
پنجاب۔ سندھ۔ کشمیر شمالی مغربی سرحد کا حصہ
(۳) ستھین نسل۔ تورانی نسل کے لوگ
راجپوتانہ کے راجپوت
(۴) ستھو دراوڑی نسل۔ اس میں ستھین اور دراوڑی خون کی آمیزش ہے
مرہٹہ لوگ
(۵) آریا دراوڑی نسل۔ آریا نسل اور دراوڑی نسل کی آمیزش
اودھ۔ آگرہ۔ بہار اور راجپوتانے کا کچھ علاقہ
(۶) منگول نما نسل ہمالیہ اور اس کے پار رہنے والے لوگ
نیپال۔ آسام۔ برما
(۷) منگو دراوڑی نسل۔ منگول خون اور دراوڑی خون کی آمیزش
بنگال اور اڑیسہ کے رہنے والے

(۸) دراوڑی نسل۔ آریا لوگوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے دراوڑی نسل کے لوگ ہندوستان میں آباد تھے۔ تاریخ یہ کہتی ہے کہ دراوڑ بھی ہندوستان کے اصلی باشندے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ لوگ آریوں سے بہت پہلے شمالی دّروں کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اس وقت دکن سے ملایا تک ایک وسیع خطّہ تھا۔ دکن سے یہ لوگ ملایا تک پھیل گئے۔

تمام جنوبی ہندوستان۔ مدراس۔ حیدرآباد دکن۔ سی پی۔ متوسط ہند۔ اور چھوٹا ناگپور کے حصّوں میں دراوڑی نسل کے لوگ آباد ہیں۔

(۹) کولر نسل۔ ہندوستان کے قدیم وحشی باشندے ہیں۔ جو دراوڑ اور آریہ لوگوں کے آنے سے پہلے ہندوستان میں موجود تھے۔ یہ لوگ دیگر نسل کے لوگوں میں مل جُل کر رہتے ہیں۔ کول سنتال۔ بھیل مینو وغیرہ

نقشہ نمبر ۱ — ہندوستان کی نسلی تقسیم
اِس صفحے کے مقابل الگ کاغذ پر درج ہے۔

صفحہ ۴۲
کتاب آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان
نقشہ نمبر ۱
ہندوستان کی نسلی تقسیم
ستھین
منگول نما
دراوڑی
کولر
منگولی
دراوڑی (تامل)
سنگھالی
(۱) ترکو ایرانی نسل
(۲) ہند آریائی نسل
(۳) ستھین نسل
(۴) ستھو دراوڑی نسل
(۵) آریائی دراوڑی نسل
(۶) منگول نما نسل
(۷) منگو دراوڑی نسل
(۸) دراوڑی نسل
(۹) کولر نسل
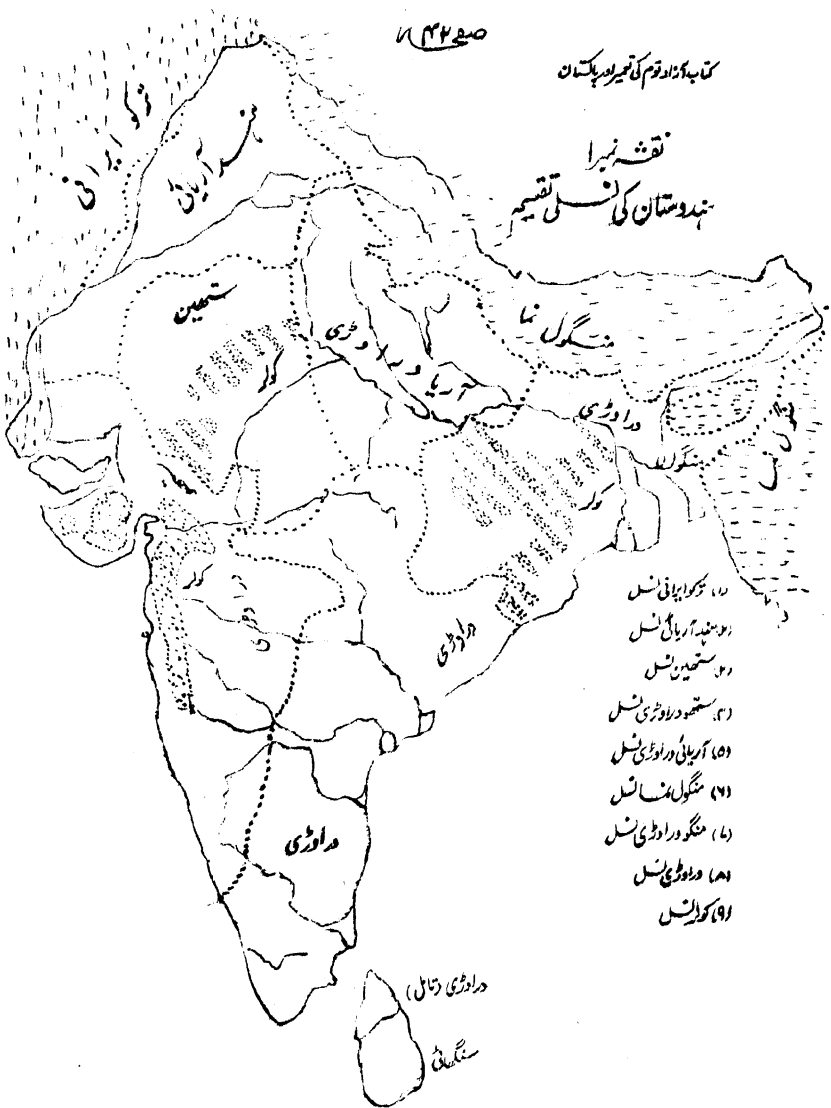
بنگال۔ چھوٹا ناگپور۔ راجپوتانہ۔ کاٹھیاواڑ اور بمبئی کے علاقے میں یہ لوگ آباد ہیں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق اُنکی تعداد ۳۲ لاکھ تھی۔ تعداد تو اُن کی کم نہیں مگر اُن کے ہاتھ میں نہ سیاسی قوت ہے نہ اقتصادی۔ اس لئے ہندوستان کے باشندوں کو شمار کرتے وقت ان کو معرضِ بحث میں لایا ہی نہیں جاتا۔

یہ نو نسلیں اپنے اپنے علاقے میں آباد ہیں۔ چہرہ، قد، رنگ، شکل دیکھ کر ایک کی دوسرے سے فوراً تمیز ہو جاتی ہے ان سب نسلوں کے اعلیٰ خاندانوں میں آریا خون کی آمیزش موجود ہے۔ ابھی تک یہ ممکن نہیں ہوا کہ یہ تمام نسلیں آپس میں مخلوط ہو کر ایک نسل بن جائیں جو ہندوستانی نسل کہلائے۔ جرمنی برطانیہ وغیرہ میں چند نسلوں کے لوگ یکے بعد دیگرے آئے مگر اب وہ ایک دوسرے سے شادیاں کرنے کے سبب ایک دوسرے میں اس درجہ مخلوط ہو گئے ہیں۔ کہ کسی ابتدائی نسل کو تمیز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اب اُن ممالک میں ایک عمومی نسل بن چکی ہے۔ مگر ہندوستان میں یہ حال نہیں۔ اور نہ غالباً ہوگا۔ چونکہ یہاں ذات گوت کی تمیز ہے۔ اور ایک ذات دوسرے میں شادی نہیں کر سکتی۔ پھر صوبہ صوبہ کا فاصلہ اتنا دور ہے۔ کہ نسلوں کو آپس میں مخلوط ہونے کے لئے ایک عرصہ چاہیئے۔

(۲) **وطن**:۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ سارا ہندوستان جغرافیہ کے لحاظ سے ایک معین وطن ہے جس کے جنوب میں سمندر لہریں مار رہا ہے اور شمال میں ہمالیہ پہاڑ کھڑا ہوا پہرہ دے رہا ہے۔

اس وطن میں کئی قومیں آباد ہیں جو نسل اور زبان کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بنگالی۔ پنجابی۔ سندھی مرہٹہ راجپوت وغیرہ۔ ان میں سے ہر قوم کا فرد اپنے علاقے کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ نہ کہ سارے ہندوستان کو۔ مثلاً بنگال کو بنگال سے محبت ہے اور ہندوستان خیر ایک نام اس کے ذہن میں ہے۔ کہ میں ہندوستانی ہوں ورنہ وطن کی صحیح محبت اب تک عام ہندوستانی کے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ سیاسی طور پر انگریزوں کے عہد میں سارا ہندوستان ایک مرکز کے ماتحت ہوا ہے نہیں تو بہت کم ہندوستان میں کوئی ایسی حکومت قائم ہوئی ہے جس کا سارے ہندوستان پر راج ہو۔ انگریز کے راج میں بھی ہندوستان کا ۱/۳ دیسی ریاستیں ہیں اور صوبے الگ الگ بٹے ہوئے ہیں۔

(۳) **سلطنت** :- البتہ ۳/۴ ہندوستان میں جو برٹش علاقہ ہے وہاں ایک قانون مروج ہے۔ ۱/۴ ریاستوں کا علاقہ ہے اس میں بھی کچھ نہ کچھ انگریزی قانون برتا جاتا ہے۔ اس ایک قانون اور سلطنت کی برکت ہے کہ ہندوستان میں قومی روح بیدار ہوگئی۔ مگر سلطنت غیر قوم کی ہے۔ اس لئے ہندوستان اپنی منشا کے قانون ابھی تک نہیں بنا سکتا۔

(۴) **اقتصادی حالات** :- لوگوں میں اتحاد نہیں۔ ابھی تک ہندوستان میں نہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں نہ کارخانہ دار۔ البتہ اس لڑائی (۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء) کے بعد سے جب کہ جاپان میدان سے نکل گیا ہے۔ ہندوستان نے کارخانے کھولنے شروع کئے ہیں۔

لوگوں میں ابھی تک وہ اقتصادی بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ جو قوم کو متحد کرتی ہے۔ یعنی ساری قوم کا نفع یا نقصان عوام کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اور یہ چیز تعلیم کے عام ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ ابھی تک ہندوستان میں تعلیم عام نہیں ہوئی۔

غیر مادی عناصر

(۱) **زبان**۔ ۱۹۳۱ کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں ۲۴۰ زبانیں بولی جاتی تھیں ان میں سے ۴۲ زبانیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک ملیون سے زیادہ آدمی بولتے ہیں۔

ان ۴۲ زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد کا میزان تمام ہندوستان کی آبادی کا ۹۲ فیصدی بنتا ہے۔

ہندوستان کی ۴۲ اہم زبانیں جن میں سے ہر ایک کو ایک ملیون (دس لاکھ) سے زیادہ آدمی بولتے ہیں ۱۹۳۱ء

	زبان	بولنے والوں کی تعداد ملیون
(۱)	اردو (ہندوستانی)	۱۷،۵۴۷،۰۷۱
(۲)	بنگالی	۵۳،۴۶۸،۴۶۹
(۳)	تلگو (اندھرا)	۲۶،۳۷۳،۷۲۷
(۴)	بہاری	۲۷،۹۲۶،۵۵۹
(۵)	مرہٹی	۲۰،۸۸۹،۶۵۸
(۶)	تامل	۲۰،۴۱۱،۶۵۲

۴۵
نقشہ نمبر ۲
ہندوستان کی لسانی تقسیم
کافر
شنا
کشمیری
گجراتی
تامل
ہندوستان اور نواح کی لسانی تقسیم
A آریائی خاندان کی زبانیں
(۱) ترکو ایرانی زبانیں. پشتو. بلوچی. غلچہ. (گلچہ)
۲. میانی زبانیں - ترکو ایرانی. اور ہند آریائی زبانوں
کے درمیان زبانیں. ان کو پساچہ زبانیں کہتے ہیں.
(۱) پشائی. لغمان (افغانستان) کی زبان (۲) کافر. کافرستان کی زبان (۳) کھوار. چترال کی زبان
(۴) شنا. گلگت کی زبان
۳. ہند آریائی زبانوں کا گروپ
(۱) مرکزی زبان - اردو
(۲) زبانوں کا اندرونی حلقہ :- پہاڑی پنجابی. راجستھانی. گجراتی.
(۳) زبانوں کا بیرونی حلقہ :- کشمیری. کوہستانی. لہندا. سندھی. مرہٹی. بہاری. اڑیا. بنگالی. آسامی
B. دراوڑی زبانیں. (۱) دراوڑ گروپ. تامل. ملیالم. کناری. ٹولو. کُروخ. (۲) اندھرا گروپ. تلگو. کانڈھ. کولامی
(۳) براہوی. بلوچستان کے ایک حلقے میں بولی جاتی ہے.
C. منگول زبانیں. ہندوستان سے باہر بولی جاتی ہیں. D کولر زبانیں. کھیرواری. کُرکو. کھڑیا. سنتال. گدابا

		ملیون
(۷)	پنجابی	۱۵،۸۳۹،۲۵۴
(۸)	راجستھانی	۱۳،۷۹۸،۸۹۶
(۹)	کناری	۱۱،۲۰۶،۳۸۵
(۱۰)	اڑیا	۱۱،۱۸۴،۲۶۵
(۱۱)	گجراتی	۱۰،۸۴۹،۹۸۴
(۱۲)	ملیالم	۹،۱۳۷،۶۱۵
(۱۳)	برمی	۸،۸۵۳،۵۳۸
(۱۴)	مغربی پنجابی (لہندا)	۸،۵۶۶،۰۵۱
(۱۵)	مشرقی ہندی (پوربی)	۷،۸۶۷،۱۵۳
(۱۶)	کھیرواری	۴،۰۳۱،۹۷۰
(۱۷)	سندھی	۴،۰۰۶،۱۴۷
(۱۸)	مغربی پہاڑی	۲،۳۲۵،۹۱۶
(۱۹)	بھیلی	۲،۱۸۹،۵۳۱
(۲۰)	آسامی	۱،۹۹۹،۰۵۷
(۲۱)	گونڈی	۱،۸۶۴،۸۷۸
(۲۲)	پشتو	۱،۶۳۶،۴۹۰
(۲۳)	کشمیری	۱،۴۳۸،۰۲۱
(۲۴)	گورکھ (اوزاؤں)	۱،۰۳۷،۱۴۲

کسی قوم کو مخصوص شخصیت دینے کے لئے نسل. زبان اور مذہب خاص اہمیت رکھتے ہیں. ہندوستان کی

سرزمین میں ۴۲ زبانیں ایسی بولی جاتی ہیں جن کو ایک ملیون (یعنی دس لاکھ) سے زیادہ آدمی بولتے ہیں، فرمائیے اب ہندوستان کی قومی زبان کونسی ہوئی، لطف یہ ہے کہ ان میں سے اہم زبانوں کا اپنا اپنا ابجد موجود ہے۔ اور یہ زبانیں اپنے ابجد میں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً سندھی، پنجابی، راجستھانی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی اور تلگو، کناری کے اپنے اپنے الگ الگ ابجد ہیں۔ یہ زبانیں اپنے اپنے علاقے میں مروج ہیں اور وہاں کے لوگ صرف اپنی زبان کو اس علاقے کی زبان سمجھتے ہیں۔

انگریز کے راج میں انگریزی راج دربار کی زبان بنی تو ہندوستان کی قومی ترقی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ چونکہ یہ سارے ہندوستان کے سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ جب کبھی کوئی کل ہند جلسہ ہوتا مثلاً کانگرس کا۔ تو تمام کاروائی انگریزی میں ہوتی چونکہ انگریزی کو ہندوستان کے ہر کونے کا آدمی سمجھ سکتا تھا۔ اب بھی ہندوستان کی اعلیٰ اخباریں اور رسالے سب انگریزی میں ہیں اور بین صوبجاتی کام انگریزی میں ہوتا ہے۔

جب ہندوستان میں قومی جذبات شروع ہوئے تو ہندوستان کے لئے کسی زبان کو قومی زبان بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ ہندوستانی (جسے اردو یا ہندی بھی کہتے ہیں) کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دیا گیا جس کو ہندوستان میں سب سے زیادہ افراد کی تعداد بولتی ہے یعنی سات کروڑ سے زائد اور دوسرے صوبوں میں کچھ نہ کچھ یہ زبان سمجھی جاتی ہے۔ یہی اردو زبان ہے۔ اور اردو ہندوستان کی خاص پیداوار ہے۔ جو مغل ہند میں ہندو مسلم تہذیبوں کے اتحاد سے وجود میں آئی۔ مغلوں کے عہد میں سارا دفتری کاروبار فارسی میں ہوتا تھا۔ جب اردو نے رواج پایا تو یہ بھی فارسی ابجد میں لکھی جانے لگی۔ اس کا نام انگریزوں نے اس لئے ہندوستانی رکھا کہ ان کے خیال کے مطابق ملک کی زبان کا نام اس ملک یا قوم کے نام سے منسوب ہونا چاہیئے۔ فرانس کی فرانسیسی۔ ایران کی ایرانی۔ یورپ کی اقوام یا انگریزوں نے دیکھا کہ اردو یہاں کی سب سے عام زبان ہے۔ جس کو بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے انہوں نے اردو کو ہندوستان کی قومی یا ملکی زبان قرار دے کر اس کا نام ہندوستانی رکھ دیا۔

ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی تو قومی زبان کی فکر ہوئی۔ ہندوستان کے سیاستدانوں نے ہندوستانی کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دیا۔ سیاسی بیداری اور بڑھی۔ تو ہندو نے اپنی قوم کی ایک خاص زبان مقرر کرنا چاہی۔ ہندوستانی بہترین تھی، مگر اسکا رسم الخط فارسی تھا۔ اور فارسی رسم الخط کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ چونکہ مسلمانوں کا قرآن عربی میں لکھا جاتا ہے۔ اور فارسی رسم الخط

عربی رسم الخط کی ترمیم کردہ شکل ہے (یہ مہاتما گاندھی کی تشریح ہے) اس لئے ہندو نے ہندوستانی کو تو لے لیا ۔ مگر اس کا رسم الخط دیوناگری کر دیا ۔ یعنی وہ ابجد جس میں سنسکرت لکھی جاتی ہے ۔ اور وید لکھے ہوئے ہیں ۔ یہ تحریک کوئی ۱۸۹۰ کے قریب شروع ہوئی اور اپنے زور میں بڑھتی گئی ۔ ہندوستانی میں بہت سے سنسکرت کے الفاظ ملا دیئے گئے ۔ اس کو دیوناگری ابجد میں لکھا گیا ۔ اور اس کا نام اردو کی بجائے 'ہندی' رکھا ۔ کانگرس اور دیگر ہندو ادارے اپنی کاروائی آخری دور میں انگریزی کی بجائے ہندی میں کرتے رہے ۔ مگر یہ ہندی ایک مصنوعی اور کاغذی زبان ہے ۔ چونکہ یہ کسی علاقے میں بولی نہیں جاتی ۔ اردو تو وہی کاغذ پر لکھا جاتا ہے ۔ جو دہلی لکھنؤ دیگر شہروں کے لوگوں بولتے ہیں مگر ہندی وہ لکھی جاتی تھی جو صرف کتابوں میں درج ہے اور کہیں بولی نہیں جاتی ۔ البتہ ہندو نے اس کو اپنی قومی زبان بنالیا اور اس لئے اس زبان کو فروغ دینا ضروری ہوگیا ۔ اسمیں کئی کتابیں لکھی گئیں ۔ اس کی مثال اور جواز ہندو کے پاس پہلے سے موجود تھا ۔ سنسکرت بھی کبھی کسی ملک کی بولی نہیں بنی ۔ کتابوں میں لکھی جاتی تھی یا فاضل اس میں بحث کرتے تھے ۔ یہ دکھانے کے لئے ہم میں سے سنسکرت کا بڑا فاضل کون ہے ۔ مگر لسانیات (یعنی علم زبان) کا تجربہ یہ بتاتا ہے ۔ کہ جب تک کوئی زندہ زبان زندہ صورت اختیار نہ کرے ۔ وہ کسی وطن کی عملی بولی نہ ہو ۔ نہ وہ نوک پلک درست کرتی ہے ۔ نہ صیقل ہوتی ہے ۔ اور نہ وسیع ہو کر ترقی کرتی ہے ۔ کتابوں میں موجود ہے ۔ تو اُن بیجوں کی طرح ہے ۔ جو ڈبے میں بند کر کے الماری میں رکھ دیئے جاتے ہیں ، لیکن وہ زبان جو حقیقتاً ایک وسیع جماعت بولتی ہے ۔ وہ علم ، ادب اور سوسائٹی کی زبان ہے ۔ وہ ان بیجوں کی طرح ہے جو کھیت میں بوئے جاتے ہیں ۔ اور ان کی فصل ہر نسل کے ساتھ بڑھتی اور پھولتی رہتی ہے ۔ اچھے بیج پودے اور پھل تو انسان کی توجہ اور اپنی ہمت سے دوام پاتے ہیں ، اور کمزور فرسودہ نابود ہو جاتے ہیں ۔ یہی حال زبان میں الفاظ بندشوں اور استعاروں کا ہے ۔ اگر ہندوستان کو ایک وطن مانا جائے اور اس میں جو لوگ آباد ہیں ۔ ان کو ایک قوم مان لیا جائے ۔ تو زبان کی رو سے اس قوم کے دو حصے ہو جاتے ہیں ، چونکہ زبان قومیت کا ایک بڑا اہم عنصر ہے ۔ ہندوستانی قوم کا ایک وہ حصہ ہے ۔ جو ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دیتا ہے ۔ اور دوسرا وہ حصہ ہے جو اردو کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دیتا ہے ۔

(۲) **مذہب** ۱۹۴۱ کی مردم شماری میں ہندوستان کی مندرجہ ذیل مذہبی جماعتیں قرار دی گئیں ۔ ہندو ، مسلم ، عیسائی ، سکھ جین ، پارسی ، بدھ ، یہود ، قبائل ۔

کسی مذہب کے ماننے والوں کا شمار ان باعتوں کے لحاظ سے کیا گیا۔

ہندوؤں کے بے شمار مذہبی فرقے ہیں۔ شوا۔ وشنو۔ کرے پجاری۔ کبیر پنتھی۔ رادھا سوامی۔ درگا کے پجاری۔ ست نامی برہمو سماج۔ آریا سماج۔ فطرت کے پجاری۔ ہندوؤں میں بے شمار ذاتیں اور گوتیں بھی ہیں۔ ان میں ایک ذات دوسری سے شادی نہیں کرتی۔ بلکہ بعض تو دوسری ذات کے ہاتھ کا چھوا ہوا بھی نہیں کھاتے۔ مگر آجکل کے ہندو میں مذہبی جوش تو مر چکا ہے وہ اپنے سب دیوتاؤں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یا یوں کہو کہ ان کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں سوسائٹی کے لحاظ سے جو فرقے مثلاً آریہ سماج وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں ان کا اس کو زیادہ خیال ہے۔ اس کا مذہب سیاسی اور سماجی رہ گیا ہے۔ روحانی نہیں۔

البتہ ایک بات توجہ کے قابل ہے۔ ہندو اب بھی چھوت چھات کا بہت خیال رکھتا ہے۔ ایک ذات کا براہمن دوسری ذات کے براہمن کے ہاتھ کا نہیں کھاتا۔ اس لحاظ سے ہندوؤں کے دو بڑے گروہ بن جاتے ہیں۔ اونچی جاتی کے ہندو۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اچھوت ہندو۔ ان کا نام سرکاری کاغذوں میں Scheduled Castes رکھا ہوا ہے۔ ہندو کو ان کے ساتھ لگنا اور ان کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں۔ ان کے ہاتھ کا کھانا تو درکنار۔ جنوبی ہندوستان میں یہ تمیز بہت شدید ہے۔ اگر اچھوت کا سایہ جاتی ہندو پر پڑ جائے تو اُس کو نہانا پڑتا ہے۔ اس لئے اچھوت ہندو۔ جاتی ہندو سے بہت برافروختہ ہیں۔ اور سرکار انگریزی نے ان کو خاص حقوق عطا فرمائے ہیں۔

مسلمانوں کے دو بڑے فرقے۔ سُنی اور شیعہ ہیں۔

ہندوستان کی آبادی ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق حسب ذیل ہے۔

جدول نمبرا۔ ہندوستان کی مردم شماری مذاہب کے لحاظ سے ۱۹۴۱
Census of India, 1941 – Vol. I – India, Table XIII

مذہب	انگریزی علاقہ	ریاستیں	ٹوٹل	فی صدی نسبت تقریباً
جاتی کے ہندو	۱۵،۸۹۰،۱۴۶	۵،۵۲،۲۷،۱۸۰	۲۰،۶۱،۱۷،۳۲۶	۵۲٫۶۰
اچھوت ہندو	۳،۹۹۲۰،۸۰۷	۸۸۹۲،۳۷۳	۴۸،۸۱۳،۱۸۰	۱۲٫۹۰
سب ہندو	۱۹۰،۸۱۰،۳۵۳	۶۱،۴۱۹،۵۸۳	۲۵۴،۹۳۰،۵۰۶	۶۵٫۵۰
مسلم	۷،۹۳۹۸،۵۰۳	۱،۴۹۹۰،۹۲۵	۹،۴۳۸۹،۴۲۸	۲۴٫۵۰
عیسائی				
ہندوستانی عیسائی	۳۲۴۵،۷۰۶	۲۷۹۴،۹۵۹	۶۰۴۰،۶۶۵	۱٫۵۰
اینگلو انڈین	۱۱۳،۹۳۶	۲۶،۴۸۶	۱۴۵،۴۲۲	۰٫۰۵
یورپین اور امریکن عیسائی	۱۲۲،۷۸۸	۱۲،۶۷۴	۱۳۵،۴۶۲	۰٫۰۵
سکھ	۴۱۶۵،۰۹۷	۱۵۲۶،۳۵۰	۵۶۹۱،۴۴۷	۱٫۳۰
جین	۵۶۸،۳۷۲	۸۷۰،۹۱۴	۱۴۴۹،۲۸۶	۰٫۲۵
پارسی	۱۰۱،۹۶۸	۱۲،۹۲۲	۱۱۴،۹۸۰	۰٫۰۵
بدھ	۱۹۷،۴۱۳	۶۴،۵۹۰	۲۳۲،۰۰۳	۰٫۱۰
یہود	۱۹،۳۲۷	۳،۱۵۳	۲۲،۴۸۰	۰٫۰۵
قبائل	۱،۶۷۴۳،۲۸۶	۸۷۲۸،۲۳۳	۲،۵۴۴۱،۴۸۹	۶٫۵۰
باقی مذاہب کے باشندے	۳۷۱،۴۵۳	۳۸،۴۷۴	۴۰۹،۸۷۷	۰٫۱۵
کلمیزان	۲۹،۵۸۰۸،۷۲۲	۹،۳۱۸۹،۲۳۳	۳۸،۸۹۹۷،۹۵۵	۱۰۰٫۰۰

مسلمانوں کے دو بڑے فرقے شیعہ اور سُنی ہیں۔

جدول نمبر ۲۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سُنّی اور شیعہ کی فیصدی نسبت

صوبہ	سُنّی	شیعہ	صوبہ	سُنّی	شیعہ	صوبہ	سُنی	شیعہ
آسام	۱۰۰	×	سی پی اور برار	۸۹	۲	کشمیر	۹۵	۵
بلوچستان	۹۶	۱	مدراس	۹۴	۲	راجپوتانہ اجمیر	۹۸	۲
بنگال	۹۹	۱	شمالی مغربی صوبہ	۹۵	۴	یوپی ۔ سنٹرل انڈیا اور حیدرآباد کے اعداد معلوم نہیں		
بہار اوڑیسہ	۹۹	۱	پنجاب اور دہلی	۹۷	۲			
بمبئی	۸۸	۳	بڑودہ ریاست	۸۸	۱۰			

The New Year Book 1944, page 20

کسی صوبے میں ایسا بھی ہے کہ سُنی اور شیعہ دونوں کی تعداد کا ٹوٹل سو نہیں بنتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صوبے میں اور فرقوں کے مسلمان موجود ہیں، مثلاً احمدی۔ اہلحدیث وغیرہ۔ اس جدول سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کے سب صوبوں میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے سُنی مسلمانوں کی تعداد ۹۵ فیصدی سے زیادہ ہے۔ ۵ فیصدی کی تعداد کسی شمار میں نہیں۔

مندرجہ بالا جدول پر نظر ڈالیں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذہب کے لحاظ سے اگر ہندوستان کی جماعتیں بنائی جائیں تو

جاتی ہندو ۔	۵۲٫۶	فیصدی
اچھوت ہندو :۔	۱۲٫۹	"
مسلمان	۲۴٫۵	"
	۹۰٫۰	

باقی دس فیصدی میں سے ۶٫۵ قبائل کی آبادی ہے۔ یہ خانہ بدوش۔ یا پہاڑی قبیلوں کے لوگ ہیں۔ ان کا سارا ٹوٹل تو

۶۶۵ ہو گیا ہے۔ مگر یہ ہندوستان کے مختلف کونوں میں رہتے ہیں اور اُن کی کوئی آواز نہیں، باقی آپ کے پاس سو میں سے ۶۵ رہ جاتا ہے۔ جس میں عیسائی، سکھ، جین، پارسی، بدھ، یہود اور باقی مذاہب سب شامل ہیں۔

تو اگر سارے ہندوستان کو پیش نظر رکھنا ہے، اور تعداد افراد کو اپنی بحث کا معیار مقرر کرنا ہے تو حقیقت یہی ہے کہ ۶۵ فیصدی بذات خود کوئی ہستی نہیں رکھتی، اور جب یہ چھ حصّوں میں بٹی ہوئی ہو تو بہت ہی کمزور حیثیت رکھتی ہے۔ اس معیار کے صحیح یا غلط، جائز یا بے معنی ہونے پہ یہاں بحث نہیں۔ سوال صرف اتنا ہے کہ ؎

کمال حُسن اگر موقوفِ انداز تغافل ہو ۔۔۔ تکلّف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے ۔۔۔ (غالب)

یعنی حُسن کے کمال کا معیار پہلے غالب نے وقفِ تغافل ہونا مقرر کیا۔ اور پھر نتیجہ اخذ کیا۔

تعداد کے لحاظ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ کہ میدان میں تین جماعتیں رہ جاتی ہیں، جاتی ہندو، اچھوت ہندو، اور مسلمان۔ ان میں یہ فیصلہ ہونا چاہیئے کہ حکومت کس طرح سے قائم کیجائے۔

(۳) **قومی ادب۔** (۴) **روایات۔** ہم نے دیکھا کہ مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کی دو بڑی جماعتیں ہیں ہندو اور مسلمان۔ ان دونوں میں صرف مذہب ہی کی تفریق نہیں۔ اقتصادی حالات۔ قومی ادب، روایات، تمدن، تہذیب اس تفریق کو اور نمایاں کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا قومی ادب اور روایات اور ہیں۔ ہندوؤں کی اور۔ ایک کی بنیاد قرآن، حدیث رستم سہراب۔ اور تاریخ اسلام۔ ہندو ادب اور روایات کی اساس۔ وید۔ گیتا۔ رامائن۔ مہابھارت وغیرہ۔ دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک اور دقّت واقع ہوتی ہے۔ مسلمان فاتح جب ہندوستان میں آئے تو ہندوؤں سے جنگ کرنے کے بعد انہوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کی۔ فاتح مسلمان تھے۔ مفتوح ہندو۔ یہ تاریخی لڑائیاں روایات بن کر اب تک فضا میں گونج رہی ہیں۔ واقعات افسانے بن کر دلوں کو زینت دیتے ہیں۔ ادھر اکبر ہے تو اُدھر رانا پرتاب۔ ادھر اورنگ زیب ہے۔ تو ادھر سیواجی۔ یہ گویا قومی مشاہیر ہیں، مگر ایک دوسرے کا دشمن۔ اس لئے ہندو قوم کی روایات، مسلمان جماعت سے مختلف ہیں۔ اور ان کو آپس میں ملا کر یکجا کر دینا مشکل بات ہے۔ البتہ ان کو ذہن سے نکال کر فراموش کر دینا ممکن ہے۔ ان

ان دونوں کی آپس میں مطابقت کرنا محال ہے۔

(۵) **تعلیم**:۔ تعلیمی پالیسی سرکار انگریزی نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ ہندوستان کے نوجوانوں کو انسان بننے کی تعلیم نہیں سکھائی جاتی بلکہ کلرک بننے کی۔ وہ فکر اور ذکر کی زندہ تصویر نہیں ہوتے بلکہ ایک مشین کا پرزہ۔ جو بحیثیت خود کوئی ہستی نہیں رکھتا اس تعلیم میں تخلیقی قوتوں کی نشوونما نہیں ہوتی۔ نہ ہی آزادانہ تفکر اور ایجادات میں ذہن لگانے کا موقع ہے۔

البتہ اب ہندوستان میں بہت سے فرقہ وارانہ تعلیمی ادارے سکول۔ کالج۔ وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ اسلامیہ کالج۔ دیانند کالج۔ سکھ کالج۔ مسلم یونیورسٹی۔ ہندو یونیورسٹی وغیرہ۔ یہ سب اپنی اپنی مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔ گویا دوسرے فرقوں سے نفرت کرنا سکھاتے ہیں۔ اپنی جماعت کی حمایت اور امداد کے نظریہ کو اس ترکیب سے پیش کرتے ہیں۔ کہ نوجوان کا دل باقی ہندوستان کے فرقوں سے متعصب ہو جاتا ہے۔ اس لئے تعلیم قومی سپرٹ پیدا کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ تعصب پیدا کرتی ہے۔

(۶) **تمدن اور تہذیب**:۔ پھر وہی ہندو مسلم جماعتوں کا مسئلہ آ گیا۔ ہندوستان کے مذاہب کو آپ نے دیکھ لیا۔ سکھ۔ جین اور بدھ مذہب، ہندو مذہب سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا تمدن آپس میں ملتا جلتا ہے۔ ان میں آپس میں بیاہ شادیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا زندگی کا نظریہ ایک ہے۔ سکھ نظری لحاظ سے تو مسلمان کے بہت قریب ہے۔ مگر عملی طور پر وہ ہندو سماج کا ایک رکن ہے جو علیحدہ بیٹھ کر اپنی شخصیت کو نمایاں کرتا رہتا ہے۔

لیکن مسلمان کا فلسفۂ زندگی، ان سے بہت مختلف ہے۔ اس کا تمدن اور تہذیب، ہندو مذہب سے جداگانہ ہے۔ چونکہ اسلام کی بنا قرآن اور حدیث ہے۔ اور اس کی پرورش عرب۔ ایران۔ افغانستان میں ہوئی ہے۔ اب بھی ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمان علاقوں کو پریت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور ان کی روش پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا ہندوستان میں دو تہذیبیں موجود ہیں۔ ایک ہندو۔ ایک مسلم۔ ان کی طرز معاشرت۔ خوراک۔ لباس۔ زبان۔ روایات حتےٰ کہ کھانے پینے کے برتنوں میں اختلاف ہے۔

باقی رہ گئے۔ عیسائی۔ پارسی۔ یہود۔ تو ان کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے۔

(۷) **قانون**:۔ قانون سرکار انگریزی بناتی ہے۔ اگرچہ کہنے کو مرکزی اسمبلی موجود ہے۔ مگر سارا حکم وائسرائے بہادر

کے پاس ہے۔ ان حالات میں کوئی ایسا قانون بنانا ممکن نہیں۔ جو ہندوستان میں قومیت کی تعمیر میں امداد دے۔ جس سے ہندوستان ایک قوم بن جائے۔

(۸) **ظلم** :- اسوقت ہندوستان پر انگریزوں کا راج ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ماتحت ہیں۔ حاکم قوم وہی کیا کرتی ہے۔ جو اس کے لئے مفید مطلب ہو۔ ہندوستان کی زراعتی معدنی پیداوار، انسانی قوت غرض تمام طرح کی دولت کو حاکم نے اپنی منشا کے مطابق تقسیم کرنے کے قوانین بنائے ہیں، یہ حاکم کا حق ہے۔ تم کیوں محکوم ہو؟۔ اس کو ہندوستان کے باشندوں نے ظلم سمجھا حقیقی ہو یا فرضی مگر اس ظلم کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے تمام باشندوں کی ضمیر انگریزوں کے خلاف ہو گئی کہ اس غیر طاقت کے پنجے سے وطن کو چھڑایا جائے۔ اس طرح سے مختلف فرقوں کا خیال یکجا ہو گیا۔ ان میں ایک طرح کی دیانت پیدا ہو گئی۔ اور اس دور میں ہندوستان میں یہی موانست اور جوش قومیت کی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوا۔

(۹) **قوم بننے کی خواہش** :- ہندوستان کے باشندوں کو آزادی حاصل کرنے کی تمنا ہوئی۔ یہ خواہش کہ ہم ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ قائم کریں اور غیر قوم سے اپنی جان چھڑالیں۔ ان کے پاس کوئی فوجی طاقت تو تھی نہیں کہ جس کے بل بوتے پر لڑائی کرتے اور ہندوستان کو آزاد کرا لیتے۔ بعض حلقوں میں اسکی کوشش بھی کی گئی۔ مگر یہ کوشش ناکام رہی۔ ہندوستان کو آزاد کرانا آئینی طریقے سے ممکن تھا۔ ہندوستان کے باشندوں میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے۔ ان کے دماغ کی تربیت جمہوری اصولوں پر کی جائے اور ان کے دل میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ محکوم ہیں۔ اور انہیں اپنی آزاد حکومت قائم کرنی چاہیئے۔

ہندوستان کی دو قومیں

کانگرس مسلم لیگ نے دیگر اداروں نے یہی کام کیا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے اپنی تمنا کا اظہار کیا اور ہمدردی حاصل کی۔ ابتدا میں جبکہ سیاسی جذبہ ناپختہ اور غیر معین حالت میں تھا۔ سیاسی حقوق کی طلب دبی زبان میں ہوتی رہی اور غیر معین شکل میں تھی۔ آہستہ آہستہ جمہوری آزادی کی تحریک نے ایک خاص صورت اختیار کر لی۔ ایک حاکم قوم سے آزادی۔ نیم آزادی۔ یا کچھ آزادی مانگنے کا وقت آیا۔ تو ہندوستان کے باشندوں نے دیکھا کہ جمہوریت کے اصولوں پر ہم ایک نہیں دو قومیں ہیں۔ وہ ہم مادی اور غیر مادی عناصر

جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے. ہندوستان میں ایک حد تک موجود تو ہیں مگر اس طرح سے موجود ہیں. کہ ہندوستان کی آبادی ایک جماعت نہیں. بلکہ دو بڑی جماعتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے. اور ان میں سے ہر ایک قوم کہلانے کی مستحق ہے. اس لئے ہندوؤں نے اپنے مطالبات الگ پیش کئے. ان کا ادارہ انڈین نیشنل کانگرس ہے. اور مسلمانوں نے اپنے مطالبات بعد میں پیش کئے ان کا ادارہ مسلم لیگ ہے.

شروع شروع میں جب ہندوستان میں آئینی آزادی کی تحریک شروع ہوئی. تو ہندوستان میں ایک ادارہ اس کام کیلئے قائم کیا گیا جس کا نام انڈین نیشنل کانگرس رکھا گیا. سارے بھارت دیش کے ہندو اور مسلمانوں کا ایک طبقہ اس میں شامل ہو گیا. چونکہ مدعا واحد تھا. اور تحریک ابتدائی حالت میں. ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھے. اور دولت بھی زیادہ. اس لئے کانگریس میں ہندوؤں کی تعداد اور قوت زیادہ تھی. مسلم لیگ بعد میں وجود میں آئی. جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہم ایک الگ قوم ہیں. ہمارا گزارہ ہندوؤں کی ماتحتی میں نہیں ہو سکتا. اور انکی سیاسی نگاہ وسیع اور پختہ ہو گئی. تو انہوں نے اپنے حقوق بحیثیت ایک قوم کے طلب کئے. آہستہ آہستہ مسلمان لیگ میں شامل ہونا شروع ہو گئے. اور اب تمام ہندوستان کے پختہ خیال مسلمان اس میں شامل ہیں. قاعدہ ہے کہ انسان اپنے پرانے جذبات کا احترام کرتا ہے. اور اپنی روش کو جلد بدلنا نہیں چاہتا. اسلئے کچھ مسلمان جو کانگریس میں پہلے شامل ہوئے تھے. وہ اپنی پرانی وضع پر قائم ہیں. کئی دیگر اسباب ہیں جن کے سبب سے چند مسلمان اب بھی کانگریس میں شامل ہونے کا میلان رکھتے ہیں. (مقالہ)

ہندو اور مسلمان تہذیبوں میں تضاد ہے (مقالہ ۶) اور ہندو مسلمان دو الگ قومیں ہیں. اس کے لئے مقالہ ۸ دیکھئے گا.

ہندوستان میں واحد قومیت نہیں ہے. اسباب آپکے سامنے پیش کئے گئے اور نتائج آپ نے دیکھ لئے. تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ہندوستان میں وحدت ملی موجود نہیں. ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی تاریخ کے مصنف. آر. ستھیانا تھیئر لکھتے ہیں صفحہ ۱۱ پر کتاب جنوبی ہندوستان

(A political and cultural history of India by R. Santhianathier, M.A., L.T., Lecturer, The Annamalai University, Madras. Roc House & Sons Ltd. 1945, P. 11).

میں کا بجوں کا کورس ہے۔

"ہندوستان کی شاہنشاہیاں اس طرز کی رہی ہیں جن میں ایک فرماں رو احاکم اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور بحیثیتِ مجموعی ہندوستان کی وحدت دورِ جدید سے قبل نہ تو سیاسی تھی اور نہ انتظامی۔ ذات گوت کا نظام سماجی وحدت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ نسلی اور لسانی اختلافات، اگرچہ اُن کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کیا جاتا ہے، مگر ہیں وہ حقیقت۔ مذاہب کا وہ جنگل جس کا ایک نام 'ہندومت' رکھا ہوا ہے۔ کسی بڑی حد تک، ایک مرکز پر کھینچ کر لانے والی قوت کا کام نہیں دیتی۔"

ہندوستان کے باشندے غیر ملکی آنکھوں کو کچھ دیر کے لئے یکساں تمدن میں رنگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ طلسم جلد ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانیوں کا نظریۂ حیات ایک ہے۔ اور ان کی قومی وراثت مشترکہ ہے۔ مگر ہم نے گذشتہ صفحوں میں دیکھا کہ یہ بھی غلط ہے۔ اور دورِ جدید میں درسی کتابوں اور مذہبی سیاسی لٹریچر نے ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں اور بھی تفریق پیدا کر دی ہے۔

مقالہ ۶

ہندو تہذیب اور مسلم تہذیب میں اختلاف

تہذیب کے معنی کیا ہیں

تہذیب کا تعلق انسانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جتنے انسان اس جماعت میں ہوتے ہیں۔ ان کی تہذیب ایک ہوتی ہے۔ تہذیب ضمیر کی ایک کیفیت ہے۔ جس کے زیرِ حکم انسان ماحول کے اثرات کا اپنے معیار کے مطابق مناسب ردِّ عمل کرتا ہے۔ یہ ردِّ عمل عملی، زبانی یا خیالی ہو سکتا ہے۔ جب ماحول کی ایک یا زیادہ قوتیں انسان پر عمل کرتی ہیں۔ تو وہ اپنے طریقِ فکر اور فلسفۂ حیات کے مطابق ان کا ردِّ عمل کرتا ہے۔ یعنی ان کا جواب دیتا ہے۔ فرض کیجئے ایک دوست یا دشمن کسی شخص پر حملہ کرتا ہے یا مہربانی کرتا ہے۔ (عمل) تو وہ اُس کے جواب میں کیا سلوک کرے گا (ردِّ عمل) یہ اس انسان کی تہذیب پر منحصر ہے۔ تہذیب ہمارے ذہنی تصورات کے حُسن و قبح، عیوب و محاسن کا معیار مقرر کرتی ہے۔ ہم کسی فعل، حکم یا خیال کو اچھا کہتے ہیں، کسی کو بُرا۔ یہ طریقِ فکر اور فلسفۂ حیات فرد سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ساری جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جماعت کی تہذیب کہلاتا ہے۔ فرد اور سماج کا مزاج ان کی تہذیب کا اظہار ہوتا ہے۔

تہذیب تو ذہنی کیفیت ہے۔ مگر اس کا اظہار مادی واسطہ چاہتا ہے۔ چونکہ اس مادی دُنیا میں اپنے دل کا خیال کسی کو بتانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم مادے کا کسی نہ کسی صورت سے استعمال کریں۔ کسی کو لکھ کر بھیجنا ہو۔ تو کاغذ قلم دوات۔ مادی چیز۔ بات کہنی ہو تو زبان مادی چیز۔ اپنی شوکت کا اظہار کرنا ہو تو لباس اور موٹر کار مادی۔ کسی کی اظہارِ محبت کے لئے دعوت کی جائے تو کھانا مادی۔

اسلامی تہذیب

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے درست اور غلط کا معیار مقرر کیا ہے۔ کیا کھانا چاہیئے حلال چیزیں۔ کیا نہیں کھانا چاہیئے۔ حرام چیزیں۔ دوست دشمن سے سلوک کس طرح سے کرنا چاہیئے وغیرہ۔ یہ سب باتیں قرآن اور اس کے بعد حدیث میں درج ہیں۔ اسلامی شریعت کی بنیاد پر مسلمان ایک طرزِ خیال۔ ایک

اصول حیات ایک مخصوص ذہنیت بنا لیتا ہے۔ یہی اسلامی تہذیب ہے۔

مسلمان چین سے لیکر افریقہ کے مغربی ساحل بحر تک آباد ہیں۔ ان ممالک کی آب و ہوا مختلف۔ یہاں کے باشندوں کا لباس مختلف۔ ان کے کھانے مختلف۔ مگر ان سب کی تہذیب اسلامی ہے۔ چونکہ یہ سب لباس اور کھانے اس صورت میں اسلام نے جائز قرار دیئے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص ایسا کھانا کھائے (سور۔ مردار کا گوشت یا کوئی اور حرام چیز) تو ہم کہیں گے کہ وہ شخص اسلامی تہذیب سے خارج ہے جب کوئی شخص ایسا لباس استعمال کرے یا ایسے کپڑے کا لباس استعمال کرے جس کی اجازت شریعت اسلامی نے نہ دی ہو تو وہ شخص اسلامی تہذیب کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ عرب، ایران، ترکستان، عراق، ہندوستان کی بیرونی زندگی میں فرق نظر آتا ہے۔ مگر سب کی روح رواں اسلامی تہذیب ہے۔ لیکن جب کوئی دوسری تہذیب ان میں سے کسی ملک پر اپنا قبضہ جما لے تو ہم کہیں گے کہ وہاں اسلامی تہذیب پامال ہو رہی ہے۔

مجھے اس وقت علامہ اقبال کی محفل یاد آ گئی۔ خدا ان کی روح کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ میں نے اُن کی علمی صحبت میں کئی سال گذارے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جو مسلمان پلاؤ کھانے سے انکار کر دیتا ہے اسکا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب یہ کسطرح سے فرمایا کہ پلاؤ اور کباب خاص اسلامی کھانے ہیں۔ جس اسلامی ملک میں جاؤ یہ موجود ہیں۔ یہ مسلمانوں کے قومی کھانے ہیں۔ اگرچہ پلاؤ اور کباب کی شکل میں کھانا پکانا شریعت اسلامی نے مقرر نہیں کیا۔ مگر گوشت کھانا حلال ہے اور گوشت کو ان کھانوں کی شکل میں منتقل کر لینا تمام اسلامی ممالک میں اس درجہ عام ہو گیا ہے، کہ یہ اسلامی کھانے بن گئے ہیں۔

اسلامی تہذیب کا دوام

زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ نئی ایجادیں اور نئے خیال۔ انسانی ضروریات اور ان کو پورا کرنے کے طریقے بھی عہد بہ عہد بدلتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا کی مادی صورتیں ہیں جو تمدن سے تعلق رکھتی ہیں، کہ انسان اپنی مادی حاجتوں کو کن مادی ذرائع سے پورا کرتا ہے۔ لیکن مادی حاجتوں کے حصول اور استعمال میں اس کی ذہنی کیفیت کس رنگ میں رہتی ہے۔ یہ اس کی تہذیب پر منحصر ہے۔ اسلام نے تہذیب کی حدود مقرر کر دی ہیں۔ اور یہ قرآن اور حدیث میں درج ہیں۔ لیکن تمدن کے متعلق یہ اجازت ہے، کہ قرآن اور حدیث کے احکام کی حدود کے اندر رہ کر تمدن کو بدل لیا جائے۔ مثلاً اپنا لباس اس زمانے کے مطابق کر لے مگر یہ لباس اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اسلام کی رو سے صرف نماز اور روزہ ہی

عبادت میں شامل نہیں۔ بلکہ ہر وہ عمل جو اسلام کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق ہو۔ عبادت میں شامل ہے۔ یہ عمل انسان کی زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو۔ معاشرتی امور۔ تمدنی یا سماجی امور۔

ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب میں اختلاف نمایاں ہے

ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب میں اختلاف نمایاں نظر آتا ہے۔ ان دو قوموں کی روایات طرز معاشرت اور ذہنیت میں بڑا تفاوت ہے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب جُدا گانہ اور مخصوص حیثیتیں رکھتی ہیں۔ ہندو مذہب کا اساس اس کی ذاتیں اور گوتیں ہیں۔ اس پہ مغرب کی تعلیم اور مغربی خیالات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف اسلام اخوت اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کی نگاہوں میں سب مسلمان برابر ہیں۔

ہندو مت اور مذہب اسلام اس عیسائیت سے جو آجکل یورپ میں مروج ہے۔ مختلف ہیں۔ یورپ کی موجودہ عیسائیت اس مذہب کے ماننے والے کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ عیسائی کی نگاہ میں مذہب خدا اور انسان کے درمیان ایک واسطہ ہے اور روزمرہ کی زندگی میں اس کو کوئی دخل نہیں۔ مگر اسلام اور ہندوئیت دونوں میں یقینی طور پہ سماجی قوانین کا پورا ضابطہ دیا گیا ہے یہ مذاہب صرف یہ نہیں بتاتے کہ انسان کا تعلق خدا سے کیا ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں۔ کہ انسان کا تعلق اپنے ہمسایوں سے کیسا ہونا چاہیئے وہ صرف اس کے تمدن اور قانون پر ہی حاوی نہیں بلکہ انسان کی ساری سماجی زندگی پہ حاوی ہیں۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ ہندو اپنے سماجی کاموں کو اپنے مذہب کی رو سے کرتا ہے۔ اور مسلمان اپنے مذہب کی شریعت کے مطابق۔ اور ان دونوں میں اصولی اختلاف ہے۔ اس لئے تصادم کا ہونا ظاہر ہے۔ ہندوستان سے مذہب کا خارج کر دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ ہندو اور مسلمان دونوں میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے تیار نہیں۔

ہندو دھرم نے اپنی سماج کی بنیاد ذات گوت پر رکھی ہے۔ یہ اصول ہی جمہوریت اور قومیت کے خلاف ہے۔ چونکہ وہاں تو ہر فرد کی حیثیت یکساں اور آزاد ہونی چاہیئے۔ ہندو مت جاندار چیزوں کے ساتھ لطف و احسان سے پیش آتا ہے۔ اس کی بنیاد خالصاً روحانیت پر ہے۔ پن دان سے پاپ کم ہو جاتے ہیں۔ اور سُکھ لابھ کی اُمید بڑھ جاتی ہے۔ ہندو دھرم کی الہامی کتابیں اور شریعت کے اصول ہر کس و ناکس کے عقل سے باہر ہیں۔ اس طرح ہندو کے دل میں دھرم کی طرف سے ایک گہرا خوف جاگزیں ہوتا ہے۔ کہ معلوم نہیں

میں اختشار کیا ہو۔ اس کے برخلاف اسلامی تہذیب کی بُنیاد ایسے وسیع اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جو انصاف۔ اخوت مساوات سکھاتے ہیں۔ ان میں اخلاقی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان اپنے دل میں اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہے۔ کہ خُدا ایک ہے۔ وُہ ہر جگہ موجُود ہے اور ساری دُنیا کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسلئے وہ غیر اللہ کا ڈر دل سے نکال دیتا ہے۔ اور صرف خُدا سے ڈرتا ہے۔ خوفِ خدا کے زیر اثر وہ ہمیشہ انصاف کرنے کا میلان رکھتا ہے۔

انسان کا مزاج اس کی ذہنیت پر منحصر ہے۔ انسان کی تہذیب پر۔ اور چونکہ ہندو کی تہذیب مسلمان سے مختلف ہے اسلئے اس کا مزاج مختلف خیالات اور اعمال کا اظہار کرتا ہے۔ وہ جذبات، اور خیالات جو ایک ہندو کے دل میں گئو ماتا یا پیپل کے درخت کو دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ مسلمان کے جذبات سے مختلف ہیں۔ اگر کوئی دیوی دیوتا کا بُت شیو لنگ یا بھبھوت ملے ننگا سادھو نظر آئے تو جذبات کا اختلاف بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایک پتھر، ملوڑا یا درخت اسکے لئے متبرک ہیں۔ یا دیوتا بن سکتے ہیں۔ مسلمان کی شریعت میں ان چیزوں کی کوئی جگہ نہیں۔ اس کی نگاہ میں ان کی قدر و قیمت اُن کی مادی حیثیت سے زیادہ نہیں۔ مگر ہندو کے دل میں ان کو دیکھ کر کبھی احترام پیدا ہوتا ہے۔ کبھی خوف کبھی محبت۔

ہندو مُسلم تہذیبوں میں اختلاف اساسی ہے

دونوں مذہب بہت ترقی یافتہ ہیں۔ مگر دونوں کے راستے جُداگانہ ہیں۔ سچ یہی ہے کہ ہندومت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی غیر مذہب کا شخص اپنا مذہب بدل کر کے ہندو بن سکے۔ غیر مذاہب کے لوگ ان کے نزدیک ملیچھ اور قابلِ نفرت ہیں جن سے چھونا۔ کھانا پینا کسی طرح روا نہیں۔ ہندو ان ملیچھوں کی بعض عادات اور رسومات کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسلام ہر غیر مذہب کے آدمیوں کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ مگر غیر مذہب کے آدمیوں کو وہ وقعت نہیں دیتا جو مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اسلام دیگر مذاہب کو زندہ رہنے اور بڑھنے پھُولنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اُنہیں وہ حقوق حاصل نہیں جو مسلمان کو ہیں۔ اگر کوئی شخص بُت پرست ہے تو یہ ایسا فعل ہے جو بہت قابلِ نفرت ہے۔

اسلام کا مرکزی اصُول ہندومت سے جُداگانہ ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر رہتا ہے وہ ایک نور ہے۔ اس کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ عزیز اقربا۔ اس کو مادی شکل میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ پروردگارِ عالم اس زمین پر انسانوں کی ہدایت کے لئے

پیغمبر بھیجتا ہے۔ اور اپنا پیغام ان کی معرفت اس دنیا کے رہنے والوں کو دیتا ہے۔ مگر ہندو مت کے مطابق خدا کئی شکلوں میں دنیا پر آتا ہے۔ انسانوں کا روپ دھارکر ان کو اوتار کہتے ہیں۔ پھر ان اوتاروں کی مورتیوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ دیوتا اور دیویاں پتھر میں تراشے ہوئے ہر مندر میں موجود ہیں۔ زمانے کی گردشوں نے ان کے مذاہب کے عمل میں کچھ فرق پیدا کر دیا ہے۔ ایران میں تصوف کی تحریک پیدا ہوئی جس میں سماع جائز ہے۔ اگرچہ اسلام کی رو سے گانا بجانا مکروہ ہے۔ اسلام کا اثر ہندوستان کے مذہبی خیالات پر ہوا تو یہاں بھگتی کی تحریک شروع ہوئی جس میں اسلامی اور ہندو مذہبی اصولوں کو یکجا کر دیا گیا۔ سکھ مذہب اس دور کی پیداوار ہے۔

ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں نے ہندوؤں کی بہت سی شادی بیاہ کی رسمیں اختیار کر لیں۔ ذات گوت کی تمیز پیدا کر لی۔ اور مذہبی خیالات پر بھی ایک طرح کا ہندوستانی رنگ چڑھ گیا۔ مغلوں کے دور میں ہندو اور مسلمان محبت اور پیار سے رہتے تھے مگر دونوں مذہب اصولی طور پر مختلف ہیں۔

"ہندوستان میں ۸ کروڑ کے قریب مسلمانوں کی بھی ایک متفقہ ملت موجود ہے۔ جو ایک ایسے عقیدے کی پیرو ہے۔ جسے دراصل مغربی نظریۂ زندگی سمجھنا چاہیئے۔ مسلم لوگ پختہ طور پر ایک قادر مطلق کے تخیل پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ بنی نوع آدم کی مساوات اور انسانیت کے وقار کو مانتے ہیں۔ پس مسلموں کے عقائد ہندوؤں کے مقابلے میں بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔" (شبروک ولیمز۔ ہندوستان۔ صفحہ ۹)

ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی امتزاج پیدا نہیں ہوا۔

مسلمان ہندوستان میں فاتح بن کر آئے۔ اس وقت سے آج تک ہندو مسلمانوں کی اندرونی زندگی میں امتزاج پیدا نہیں ہوا۔ دونوں الگ الگ رہتے ہیں۔ وہ سرکاری اداروں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ کاروبار کے لئے دوکانوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ بازاروں میں اکٹھے گھومتے ہیں۔ اور بعض اوقات لباس سے بھی غیر ملکی کو ایک جماعت کے فرد معلوم ہوتے ہیں مگر یہ حقیقت نہیں۔ ہندو مسلمان کبھی مل کر ایک جماعت نہیں بن سکتے۔ مذہب نے ہمیشہ ان کو الگ الگ رکھا۔ ذات برادری میں۔ ملنے جلنے میں۔ بیاہ شادیوں میں۔ میلوں اور تیوہاروں میں۔ اپنی مذہبی اور سماجی رسومات میں۔ ہندو اور مسلمان جدا جدا رہتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کا طریق فکر اور طرز زندگی جداگانہ ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ دونوں جماعتیں دو مختلف اد-

متضاد عناصر تھے۔ ان کو زمانے نے ہر گاہ ایک دوسرے سے اس قدر پیوست کر کے دبایا۔ مگر یہ یک جان نہ ہُوئے۔ یہ دونوں ہمیشہ سے جُدا رہے ہیں۔ اور آج بھی جُدا ہیں۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ دورِ جدید میں اختلافات زیادہ نمایاں اور شدید ہوتے جاتے ہیں اس لئے ان میں امتزاج کی اُمید نظر نہیں آتی۔

ہندوستان پر کبھی مسلمان حکمران تھے۔ حکمران کے ڈر سے ہندو نے یہ ضروری سمجھا کہ اسلام کا احترام کیا جائے۔ سیاسی اور اقتصادی مفاد حاصل کرنے کے لئے اسلامی شکل اختیار کر لی جائے۔ اسلامی رسومات کو کسی حد تک اپنا لیا جائے۔ تاکہ مسلمان حکمران کے دل میں ہندو محکوم کی عزت پیدا ہو جائے۔ اور غیریت کا خیال نکل جائے۔ یہ ہمیشہ سے ہندو ذہنیت کا قاعدہ رہا ہے۔ ہندو تہذیب کے پیروکار زور آور سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ بات اُن کے مذہب میں موجود ہے۔ جہاں کوئی ایسا زبردست سامنے آیا جس کا مقابلہ بظاہر محال معلوم ہو۔ تو اُس کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے۔ اس کو دیوتا بنا لیا۔ خواہ وہ سانپ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی پُوجا شروع کر دی۔ خواہ وہ پہاڑ، بجلی اور زلزلہ ہی کیوں نہ ہو۔ اکبر مہابلی کو اوتار بنا لیا۔ اور ہندو ماں کو دیوتا۔ مگر ہندو مسلمانوں میں کبھی امتزاج پیدا نہیں ہُوا۔

ہندو ذہنیت کا ایک پہلو

ہندو تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھو تو اس میں ایک عجیب طرح کی ہندو ذہنیت کا سراغ ملتا ہے۔ میں نے اس مسئلے پر خوب غور کیا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ ہندو مذہب میں زندہ رہنے کی بڑی صلاحیت ہے۔ جب کبھی کسی زبردست قوم نے ہندوستان پر حملہ کیا (محمود۔ شہاب الدین۔ بابر۔ احمد شاہ ابدالی) تو ہندو نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر نیم ارادے کے ساتھ۔ اپنے توہمات اور شگونوں میں اُلجھا رہا۔ اور میدان ہمیشہ ہار گیا۔ ہارنے کے بعد فاتح کے سامنے ہندو اپنا سر جھکا دیتا ہے۔ اس کے چرن دھوتا ہے۔ اور اسکو دیوتا سمجھتا ہے۔ مگر مفتوح ہونے کا غصہ اور آزادی کی خواہش اس کے دل سے مفقود نہیں ہو جاتے۔ وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے ہر قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ بیٹیاں دے دیتا ہے۔ دھن نثار کرتا ہے۔ ملک دے دیتا ہے۔ غرض ہر طرح فاتح کی تسلی کر دیتا ہے۔ اب وہ فاتح کے ساتھ اُس کے کاروبار میں شامل ہو جاتا ہے۔ اپنا رسوخ دن بدن بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اور سلطنت کے امور میں اسکا اعتبار زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ

سلطنت۔ یہ کارخانۂ حکومت تو میرے دم سے چل رہا ہے۔ فاتح اس میں کیا کرتا ہے۔ اب وہ بغاوت کرتا ہے۔ بعض دفعہ پوشیدہ، بعض دفعہ اعلانیہ، بعض دفعہ ذہنی، بعض دفعہ عملی۔ ہیمو بقال کی جنگ اکبر کے خلاف پانی پت کی تیسری لڑائی مسلمان حکومت کے خلاف۔ اور ۱۹۴۲ کی بغاوت سرکار انگریزی کے خلاف۔ سب ایک ہی ذہنیت کے مظاہرے ہیں (دیکھو وزیر ہند ایمری کی تقریر صفحہ) مگر ہندو ان بغاوتوں میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اسکا سبب یہ کہ اسکا مذہب خالصتًا روحانی ہے۔ اس میں عملی عنصر بہت کم ہے۔ اور عملی کاموں میں اس کی قوتِ امتیاز اور قوتِ تخلیق ناقص رہتی ہے۔ وہ واضح طور پر قبل از وقت نتائج کو استخراج کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کی تہذیب کی بنا پر تھا۔ اگر کوئی جدید عہد کا ہندو اپنی مذہبی تہذیب سے بے بہرہ رہے اور مغربی تعلیم سے مستفید ہو کر اس سے مختلف ذہنیت اور ضمیر بنا لے تو اگرچہ اس کا نام ہندو ہے۔ مگر اس لحاظ سے وہ ہندو کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ چونکہ اس کی ضمیر ہندوانہ نہیں پورہیانہ ہے۔ اس طرح سے ہندو تاریخ حکمران قوت کے خلاف سیاسی انقلاب کے بعد بغاوتوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے۔ وہ تکمیل تک پہنچی ہوں اور کامیاب ہوئی ہوں یا نہیں یہ مختلف بات ہے۔

مضمون یہ بہت دلچسپ ہے اور بہت گہری فکر کے بعد میں نے اسے تاریخی حقائق سے استخراج کیا یعنی ہندوستان کی ساری تاریخ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ نتائج نکالے۔ اس کا تذکرہ اپنے تاریخ دان دوستوں سے کیا۔ انہوں نے بھی اس پر صاد کیا۔ اب جدید تحقیق اور تحریر کی ضرورت تھی۔ مگر مضمون خشک۔ اس کے گاہک ناپید اور چھان پھٹک بے اندازہ مجبورًا خیال ترک کر دیا۔

دردِ سر کے واسطے چندن لگانا ہے ضرور ؛ پر اسے گھسنا لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے۔

یہ دردِ سر کا علاج گھسنے کے داموں میں مہنگا نظر آیا۔ لہذا

اب مرا ان کا فقط اتنا تعلق رہ گیا ؛ یاد آجائیں تو ساحر یاد کر لیتا ہوں میں

لیکن میرا ایمان ہمیشہ یہی رہا ہے۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں ؛ ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است (اقبالؒ)

کوئی مجھ سے زیادہ قاموس نوش دل اور مجھ سے زیادہ شعلہ آشام دماغ اس مسئلے کو تکمیل تک پہنچائے گا۔ اس کے متعلق میں نے کچھ تاریخی حقائق مقالہ ۱۱ "ہندو کا پروگرام" صفحہ میں جمع کیے ہیں شاید وہ

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں ؎ مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے (غالب)

نوجوان کو وکن کے لئے خضر نہیں تو ہمسفر کا کام دیں۔

دَورِ جدید میں اختلافات زیادہ ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں نے ہندوستان پر صدیوں تک راج کیا۔ اس دور میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو ہر طرح سے آرام و آسائش سے رکھا اور حکمران مسلمان اس دیش میں اپنا وطن سمجھکر حکومت کرتے رہے۔ یہیں کی مٹی یہیں لگی جہاں سے کمایا وہیں لگایا۔ ہندوستان کی دولت نہ تو روم ایران بھیجی نہ انگلستان۔ ہرطرح سے ہندوستان کی ترقی میں کوشاں رہے۔ ہندوؤں نے بھی اس وقت مسلمانوں کی بہت خدمت کی۔ سخنے درمے قدمے وفاداری کرنا اپنا دھرم سمجھا۔ اور جب تک مسلمانوں کا ستارہ عروج پر رہا۔ ان کو اپنی بیٹیاں دینا بھی باعث فخر جانا۔ اس عہد میں ہندو مسلمانوں کے مذہبی امتیازات ایک حد تک مٹ گئے تھے۔ دونوں قومیں قریب تر آگئی تھیں اور وہ ہندوستان میں بھائی بھائی بن کر رہتے تھے۔

انگریز نے مسلمان کے ہاتھ سے عنانِ حکومت لے لی۔ اور ہندوستان پھر کار انگریزی نے اپنی طرز کی حکومت قائم کردی۔ اب ہندو مسلمان کی محکومی سے نکل گیا اور انگریز کا غلام ہوگیا۔ اس لئے ہندو نے اپنی تجدید شروع کردی۔ شدھی، سنگھٹن، کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ادھر دیو سماج۔ آریا سماج۔ اور کئی سماجیں ہندوؤں کی امداد اور بہبودی کے لئے قائم ہوگئیں۔ ظاہر ہے کہ جب کسی جماعت کے افراد کو اپنے تحفظ اور بہبودی پر آمادہ کیا جائے۔ تو اس کی آسان ترین ترکیب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب اور دوسری جماعتوں کے خلاف ان کو بھڑکایا جائے۔

عہد انگریزی میں جو ہندو مذہب اور ہندو سماج نے اپنی تجدید کی تو نیم ہندو دماغ پورے ہندو ہوگئے۔ گویا ان کی دلچسپیاں مسلمان سماج سے بالکل منقطع ہوگئیں۔ شدھی والوں نے ہندو قبیلوں کو جو مسلمان رسوم اختیار کرچکے تھے۔ واپس ہندو دھرم میں لے لیا۔ دونو مذاہب نے وہ رسومات ترک کردیں جو ان دونوں قوموں کے مابین مشترک جاگیر کا کام دیتی تھیں اور جہاں دونوں آکر مل بیٹھتے تھے۔ میلے ٹھیلے اور اس طرح کے تیوہار ترک کردیئے۔ ایک مکمل ہندو بن گیا۔ دوسرا مکمل مسلمان بننے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر ابھی حکومت کا نشہ اس کے دماغ میں موجود تھا۔ اس لئے اسلامی تحفظ کے لحاظ سے وہ نصف سے آگے نہ بڑھا۔ اب عمداً دونوں قوموں نے ہرطرح

کے تیوہاروں میں حصّہ لینا شروع کیا بلکہ ایجاد کر لئے جس سے دونوں قوموں کی تفریق نمایاں ہو جائے۔ لباس، خوراک، طرزِ رہائش
سلام، اخلاق، سب کو جداگانہ طریقوں پہ ترقی دی گئی، اور اس طرح سے تہذیبیں جدا راستوں پر ترقی کرنے لگیں۔ الگ الگ سکول، کالج
اور یونیورسٹیاں بنائی گئیں۔ اسی طرح سے الگ الگ ہوسٹل، محلے اور شہر آباد کیے گئے۔ الگ الگ کتابیں اور رسالے نکلنے شروع ہوئے
ہندوؤں نے عربی فارسی الفاظ کو اُردو سے نکال کر ان کی بجائے سنسکرت کے الفاظ شامل کر دیئے۔ اور دیوناگری کو ابجد بنا کر اپنی
زبان ہندی بنالی۔ اس طرح سے ہر چیز کو فرقہ دارانہ رنگ مل گیا۔ مذہبی، سماجی، تعلیمی غرض ہر شعبے میں ہندو مسلمان جدا جدا ہو گئے
یہ عمل دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور اب ان دونوں جماعتوں کا ایک دوسرے سے ملنا محال معلوم ہوتا ہے۔

مقالہ ۷

تہذیبی اختلاف کے علاوہ دیگر اختلافات

دورِ جدید نے تہذیبی اختلاف کے علاوہ ہندو قوم اور مسلمان قوم میں بہت سے اور اختلافات پیدا کر دیئے ہیں۔ (۱) سماجی اختلاف (۲) لسانی اختلاف (۳) سیاسی اختلاف (۴) اقتصادی اختلاف۔ ان کا ذکر ہم باری باری کریں گے۔

سماجی اختلاف

ہندو سماجی نظام

ہندو سماجی نظام اور اسلامی سماجی نظام کے اصول ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ ہر قدم پر ہندو کو ذات گوت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خاص رسوم اور خیالات ہندو کی روزمرہ کی زندگی کا جزو بن چکے ہیں۔ ایک ذات یا گوت صرف مخصوص ذاتوں یا گوتوں سے شادی کر سکتی ہے۔ ایک گوت کے لوگ دوسرے کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتے۔ ان کے کھانے بھی مخصوص ہیں۔

اچھوت جماعت سے تو ان کا سلوک بہت نا واجب ہے۔ جنوبی ہندوستان میں اگر ایک اچھوت کا سایہ جاتی ہندو پر پڑ جاتے تو وہ گھر جا کر نہاتا ہے۔ دورِ جدید میں اگرچہ اچھوتوں کو ہندوؤں میں ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر یہ کوشش صرف اس لئے ہے کہ ان سے ووٹ حاصل کئے جائیں۔ اس لئے نہیں کہ ان کو حقوق دیئے جائیں۔ یا ان کو اپنے جیسا انسان سمجھا جائے۔ جاتی ہندو، اچھوت کو الگ نامزدگی کا حق نہیں دینا چاہتا۔ چونکہ اس سے اچھوت جماعت کے لیڈر میدان میں آجائیں گے بلکہ ہندو اچھوتوں کی قوت کو اپنے حق میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ہندو سماجی نظام کی تشکیل اس طرح سے کی گئی ہے۔ کہ اقتصادی قوت، علمی جاتی کے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے۔ اور وہ بھی چند بلند خاندانوں کے پاس۔ اچھوت کی حیثیت ملازم، مزدور، یا غلام سے زیادہ نہیں۔

ذات پات مٹانے کی کوشش

آل انڈیا ہندو یوتھ کانفرنس کا سیشن مدورا میں ہوا۔ اس موقعہ پر سیشن کے صدر ڈاکٹر شیاما پرشاد نے ۲۹ دسمبر ۱۹۴۰ کو اپنی صدارتی تقریر میں یہ بھی کہا۔

۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے ملک کی نجات کے لئے لازمی ہے کہ ہندو دھرم کو جدید ضروریات اور حالات کے مطابق بنتے

سرے سے تشکیل کیا جائے۔ اس نئی تشکیل کو عمل جامہ پہنانے کے لئے جہاں اور کئی طریقے بیان کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا......
ہماری سماج چار نام نہاد دائروں پر مشتمل ہے۔ مگر آج اس میں تین ہزار سے زائد ذاتیں ہیں۔ ان میں سے بعض اگرچہ وہ ہمارے بھائی ہیں
ہمارا ان کا گوشت اور خون ایک ہے، مگر ہم نے انہیں ٹھوکر کے اچھوت بنا دیا ہے۔ میں ہندو نوجوان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ
اس عظیم الشان مسئلے کو سچے دل سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ وہ ایک ایسی متحدہ سماجی برادری قائم کریں جس میں ذات گوت کی کوئی تمیز نہ ہو
اور اس طرح سے ایک دائمی اور مسلسل قوت ہندو سماج میں پیدا کر دیں"........ مگر

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند ... چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

یہی بزرگوار اور قوم کے لیڈر جو سٹیج پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل بیانیاں کرتے ہیں۔ نماز میں اتنے طویل سجدے کرتے ہیں کہ

سجدۂ تو برآورد از دل کافراں خروش ... تو کہ دراز ترکنی پیش کساں نماز را — اقبالؔ

جب یہ اپنی پرائیویٹ زندگی میں ہوتے ہیں۔ تو اچھوت کا سایہ پڑنا بھی برداشت نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ کھانا تو درکنار اس کے
ساتھ بیٹھنا انہیں پسند نہیں۔

اسلامی سماجی نظام

اسلام اس لحاظ سے ہندو مذہب سے بہت مختلف ہے اسلام اخوت اور مساوات سکھاتا ہے
رنگ یا قوم کی کوئی تفریق نہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے برابر حقوق رکھتا ہے۔ وہ چین
کا ہو یا افریقہ کا۔ ان کی آپس میں شادیاں ہو سکتی ہیں۔ یعنی قطعاً کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک مسلمان کی شادی دوسرے مسلمان سے ہونے
کے خلاف ہو۔ وہ کسی طبقے جماعت یا ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ آزادی سے کھاتے پیتے ہیں۔ اور ایک
دوسرے سے ملنے میں انہیں کوئی چیز مانع نہیں۔ سب مسلمانوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ مسلمان چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب۔ نادار
ہو یا سلطان سب کے لئے شریعت کا حکم ایک ہے۔

ہندو سماجی نظام اور اسلامی سماجی نظام میں اختلاف

ان دونوں جماعتوں کے سماجی نظام کا اختلاف
اس قدر نمایاں ہے۔ کہ جب بھی مشترکہ مجلسیں
یا کھانے ہوتے ہیں۔ تو یہ اختلاف عیاں نظر آتا ہے۔ ان دعوتوں میں ہندو مسلمان دونوں موجود ہوتے ہیں۔ اور ان محفلوں کو اس لئے منعقد

کیا جاتا ہے۔ کہ ہندو مسلمانوں میں آپس کا ارتباط بڑھے۔ ان کے مراسم محبت میں ترقی ہو۔ اور وہ ایک دوسرے کے قریب تر ہو جائیں مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ عملی طور پر حقیقت اس کے خلاف نکلتی ہے۔ ہندو دعوت میں مسلمان کی نگاہ ان کھانوں کی تلاش میں سرگرداں رہے گی جو اس کو بہت مرغوب ہیں۔ مثلاً پلاؤ۔ زردہ۔ مرغی۔ مچھلی۔ قورمہ۔ بریانی۔ متنجن۔ کباب وغیرہ، بلکہ وہاں ہندو مزاج اور عادت کے مطابق کھانے موجود ہوں گے۔ دال، پاپڑ۔ گھیاں۔ تلا ہوا پنیر، بڑیاں۔ پکوڑیاں۔ دہی بھلے۔ سبزی۔ وغیرہ۔ اسی طرح سے جب ایک ہندو کسی مسلمان دعوت میں شریک ہوتا ہے تو وہاں اسے کوئی کھانا ایسا نہیں ملتا جس میں کسی صورت میں گوشت نہ استعمال کیا گیا ہو۔ اس کھانے کو نہ اسکا معدہ قبول کرتا ہے۔ نہ اس کی زبان کا مزہ۔ وہ کھا تو لیتا ہے۔ مگر وفور محبت اور شوق رنگ و بو غائب ہوتا ہے۔ ریلوے سٹیشنوں پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے الگ الگ دوکاندار کھانا تیار کرتے ہیں۔ وہاں بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کی خوراک میں کتنا فرق ہے۔ ایک کا مذاق دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی سبب سے ہندو زیادہ محتاط ہے۔ اور ہمیشہ ایسے محلے یا گلی میں رہنا چاہتا ہے جہاں ہندوؤں کی آبادی ہو۔ مسلمان اپنے الگ محلے آباد کرتے ہیں۔ اور ہندو الگ۔ ہندو کو گلی میں پڑی ہوئی گوشت کی ہڈی دیکھنے سے نفرت ہے۔ اور مسلمان کو بوسیدہ دال اور غلاظت کے تعفن سے جو ہر ہندو گلی میں موجود رہتا ہے۔ اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہندو ہندو کی نظر میں عزیز ہے اور مسلمان مسلمان کی نگاہ میں ہندو مسلمان کے ساتھ نہ بیٹھنا پسند کرتا ہے نہ چھونا چھوت کا معاملہ اب بھی زوروں پر ہے۔ آج سے ایک نسل پہلے کے بعض ہندو مہاراجوں کا (کشمیر میں یہ تھا) یہ دستور تھا کہ اگر کوئی مسلمان اس قالین پر پاؤں رکھ دیتا جس پر مہاراج بیٹھے حقہ پی رہے ہیں تو حقہ تڑوا دیا جاتا۔ قالین دھلوا دیا جاتا۔ ہندو مسلمان کو ملیچھ اور شودر کہتا ہے۔ اور اس سے اسی طرح کا سلوک کرتا ہے۔ کوئی کھانے کی چیز مٹھائی وغیرہ اس کے ہاتھ بیچتا ہے۔ تو مسلمان کے ہاتھ کو نزدیک نہیں آنے دیتا یعنی مسلمان اچھوت ہے۔ یہ صورت حالات مسلمان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ کہ وہ اس طرح سے اچھوت اور ملیچھ بن کر ہندوستان میں رہے۔ محکوم بھی کہلائے۔ شودر بھی ہو۔ محنت کرے اپنی کمائی ہندو کے حوالے کر دے۔

جمہوریت قائم کرنے سے پہلے ہندو کیلئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان کو اچھوت نہ سمجھے

اگر ہندو خلوص نیت سے یہ چاہتا ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک جمہوری سیاسی نظام قائم ہو تو ضروری ہے کہ وہ جمہوری فضا پیدا کرے جس میں جمہوری صفات موجود ہوں۔ انسان کو انسان سمجھے اور ہر

انسان سے برابری کا سلوک کرے۔ چھوت چھات کو مٹائے اور مسلمان کو سماج میں برابری کا حق دے۔

مگر دورِ جدید کی عملی زندگی یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ اس چیز کو مٹایا نہیں جا رہا بڑھایا جا رہا ہے۔ ہریجنوں کو تو ہندو سماج کے دائرے میں اس لئے شامل کرنا ضروری ہے کہ ان کی دوٹوں سے ہندو نفوس کی تعداد بڑھ جائے گی اور وہ مسلمانوں کے خلاف صوبوں اور مرکز میں زیادہ نشستیں حاصل کر سکیں گے۔ مگر مسلمانوں کی تعداد کو گھٹانا۔ ان سے نفرت کرنا۔ ان کو سیاسی اور اقتصادی میدان میں شکست دینا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان ہندو کے ماتحت رہے اور وہ ہندو کی میناریٹی کمیونیٹی بنا رہے۔ اس کے لئے ہندو مہاسبھا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ہندو مہاسبھا کی کانفرنس فروری ۱۹۳۹ میں کھلنا (KHULNA) کے شہر میں ہوئی تھی۔ اس کا نام "بنگال مہاسبھا کانفرنس" رکھا ہوا ہے۔ اس کے صدر مسٹر ساورکر تھے۔ (۳) کانفرنس میں دو اہم ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ ایک سنگٹھن کے متعلق تھا اور دوسرا شدھی کے متعلق۔ (۱۹۳۹ وہ زمانہ ہے جب اکھنڈ بھارت کی تحریک زوروں پر تھی)

ہندو سنگٹھن

"بنگال صوبائی ہندو کانفرنس کی رائے میں ہندو سنگٹھن کا کام حیات و ممات کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ ہندو ایک قوم کی حیثیت میں زندہ رہیں اور یہ کام خاص طور پر بنگال میں بڑی اہمیت کا ہے۔ اس علاقے میں مقامی ہندو سبھا کی شاخ کی تمام ہمت اور قوت اس نازک موقع پر اس کام پر مرتکز کر دی جائے۔ ہندو سنگٹھن کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کے جتنے فرقے اور ماتحت فرقے ہیں۔ ان سب میں عصبیت کی روح کو بیدار کیا جائے۔"

سنگٹھن کے کام کو بطریق احسن سرانجام دینے کے لئے ۱۸ طریق بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے چودھواں یہ ہے۔

"کہ جہاں کہیں ہندوؤں کے مفاد یا حقوق زیر اثر ہو جائیں یا ان پر حملہ کیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی طور پر مناسب طریق کام اختیار کئے جائیں۔ ہر ہندو دوسرے ہندو کی امداد کرنا اپنا اوّلیں اور مقدس فرض سمجھے۔ خاص طور پر عورتوں اور بچوں کی امداد۔ جب کہ وہ غیروں کے جرم یا حملہ کے سبب سوئے اتفاق سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔ اور ان کی تکلیف رفع کرانے اور شکایت کی تلافی کرانے میں امداد کریں۔

شدھی

"اس کانفرنس کی رائے میں جن لوگوں نے ہندو مت کو چھوڑ دیا ہے۔ اُن کو پھر ہندو مت میں لانا اور غیر ہندوؤں کو ہندو بنانا اشد ضروری ہے۔ تاکہ ہندو سماج ایک زندہ اور اثر آفریں نظام بن جائے۔ بنگال صوبائی ہندو سبھا کی تمام شاخوں کی توجہ سختی کے ساتھ اسطرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ کہ اس کے متعلق پُرجوش پروپگینڈا شروع کیا جائے۔ اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ جو لوگ ہندو جاتی میں نئے شامل ہوں ان کا سواگت کیا جائے۔"

لیجئے ایک طرف تو ہندو مُسلم اتحاد۔ اور اکھنڈ بھارت کا راگ گایا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف ہندوؤں کو متحد کرنے اور دوسری قوموں کے خلاف بھڑکانے کا پروپگینڈا کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے لئے عملی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ اگر حقیقی معنوں میں ہندوستان میں ایک قوم بنانا منظور ہوتا۔ تو یہ تلقین صرف ہندو جاتی کے لئے نہ ہوتی۔ بلکہ تمام ہندوستان کے باشندوں کے لئے ہوتی۔

تصویر کا دُوسرا رُخ

تصویر کا دُوسرا رُخ بھی ہندو مہا سبھا کی زبانی سُن لیں۔ تو آپ حقیقت حالات کا بہتر اندازہ کر سکیں گے۔ ۱۹۴۲ میں سر سٹیفورڈ کرپس برٹش وار کیبنیٹ کی طرف سے ہندوستان میں ایک خاص شکل کی جمہوری حکومت قائم کرنے کے لئے تجاویز لائے۔ ان تجاویز پر تمام ہندوستان میں بہت بحث ہوئی۔ لیکن یہ تجاویز عملی جامہ نہ پہن سکیں۔ پہلی اپریل ۱۹۴۲ء کو ہندو مہاسبھا کی ورکنگ کمیٹی نے ایک میمورنڈم دہلی سے جاری کیا۔ (اس انگریزی میں لکھے ہوئے میمورنڈم کے ایک حصے کا ترجمہ یہ ہے) "اس اعلان میں بہت سے نکات ایسے ہیں جو کم و بیش تسلی بخش ہیں۔ لیکن جو بیان سر سٹیفورڈ کرپس نے دیا ہے۔ اس کے مُطابق ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی سکیم کو یا تو کاملاً اختیار کر لیا جائے یا کاملاً رد کر دیا جائے چُونکہ اس سکیم کے چند اساسی اصُولوں کو ہم بطور کامل یا جزوی اختیار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ہندو مہاسبھا کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اس سکیم کو مسترد کر دے۔

ہندوستان کو تقسیم نہیں کرنا چاہیئے (ہندو دلیل)

سر سٹیفورڈ کرپس نے جو سکیم وار کیبنٹ کی طرف سے پیش کی ہے۔ اس کا ایک بُنیادی اصُول یہ ہے کہ برطانوی ہندوستان کے صُوبوں کو یہ حق دیا گیا ہے۔ کہ وہ انڈین یونین یا انڈین فیڈریشن (جو نام بھی ہندوستان کی ہونے والی جمہوری مرکزی حکومت کا رکھا جائے) میں اگر چاہیں تو شامل نہ ہوں۔ ہندو سبھا کا اساسی اصول یہ ہے کہ ہندوستان ایک ہے۔ اور غیر منقسم۔ تمام زمانوں میں

ہندوؤں نے مذہبی اور تہذیبی معاملات میں ہندوستان کی وحدت کو تسلیم کیا ہے۔ اور اس دیش کی تاریخ کے کئی ادوار میں سیاسی ماحول کی وحدت ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ برطانوی راج کی دو صدیوں میں بھی ہندوستان کی وحدت کو مانا گیا ہے۔ اور اسے ترقی دی گئی۔ برطانیہ نے خود بھی ہمیشہ یہی دعویٰ کیا ہے کہ ہماری سب سے بڑی کامرانی ہے۔ علاوہ ازیں کانسٹی ٹیوشن ایکٹ ۱۹۳۵ کے مطابق ہندوستان کو واحد سیاسی اور آئینی اکائی مانا گیا ہے۔ انڈین فیڈریشن سے الگ رہنے کا حق کمیونل اور فرقہ وارانہ دشمنی کی تحریک کرے گا۔ فیڈریشن میں شامل نہ ہونے والے صوبوں کو جو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مقابلے کی پاکستان فیڈریشن بنالیں تو ایسی اسلامی تحریکات مثلاً پاکستان اور پٹھانستان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن میں افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک کے شامل ہونے کی دھمکی بھی شامل ہے۔ یہ اختیار ہندوستان کی حفاظت کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ اس سے ملک میں خانہ جنگی ہونے کا امکان ہے۔ ہندو مہاسبھا نہ تو اپنی ذات کے ساتھ دیانت سے کام لے گی اور نہ ہندوستان (انڈیا) کے بہترین مفاد کے ساتھ اگر وہ کسی ایسی تجویز میں شریک کار ہو جائے جو کہ ہندوستان کی کسی شکل یا صورت میں سیاسی تقسیم کے متعلق ہو۔ اس لئے ہندو مہاسبھا اس تجویز سے اصولی اعتراضات رکھتی ہے۔

لسانی اختلاف

اُردو اور ہندی قومی زبان کا ہندوستان میں بڑا جھگڑا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہندی، دیوناگری رسم الخط میں ہندوستان کی قومی زبان ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اردو، فارسی خط میں ہندوستان کی قومی زبان ہے۔ اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اردو اور ہندی کے ارتقاء کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔

اُردو کے ارتقاء کی تاریخ عربوں نے نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم کے زیر کمان ۷۱۲ عیسوی میں سندھ فتح کیا۔ اور پہلی مرتبہ مسلمان حکمران ہندوستان میں وارد ہوئے۔ مگر یہ سلطنت تیس سالوں میں ہی کمزور ہو گئی اور اس کا اثر ہندوستان کی زبان پر وسیع نہ ہوا۔ محمود غزنوی (حکومت ۹۹۴ - ۱۰۳۰ عیسوی) نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کئے موجودہ پنجاب کا ایک حصہ غزنوی حکومت کا ایک صوبہ تھا۔ اور اس کا دارالخلافہ لاہور تھا۔ شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو تراوڑی کے میدان میں ۱۱۹۲ میں شکست دی اور اس نے ہندوستان میں پہلی مسلمان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس نے اپنا دارالخلافہ دہلی بنایا۔ اس طرح

سے ۱۰۰۰ء سے ۱۱۹۳ء تک مسلمانوں اور ہندوؤں کا پنجاب میں میل جول ہوتا رہا۔ اس لئے موجودہ اردو کی بنیاد پنجاب کی سرزمین میں رکھی گئی یہاں ان دونوں قوموں کے ملنے سے ایک بھاشا وجود میں آگئی جس میں دونوں آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ (اس مضمون میں تمام تاریخیں عیسوی ہیں)

شہاب الدین غوری کی وفات (۱۲۰۶ء) پر اس کے ایک جرنیل قطب الدین ایبک نے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جس کا نام خاندان غلاماں ہے چونکہ ایبک خود ایک ترکی غلام تھا۔ اس خاندان نے ۱۲۰۶ سے ۱۲۹۰ تک حکومت کی۔ دارالسلطنت دہلی رہا۔ اس کے بعد خاندان خلجی (۱۲۹۰ - ۱۳۲۰)، خاندان تغلق (۱۳۲۰ - ۱۴۱۲)، خاندان سادات (۱۴۱۲ - ۱۴۵۰) خاندان لودھی (۱۴۵۱ - ۱۵۲۶) نے ہندوستان پر حکومت کی۔ اس سارے عہد کو انگریزی تاریخوں میں پٹھان پریڈ یعنی پٹھانوں کا عہد لکھتے ہیں اور اردو تاریخوں میں عہد سلطانی کہتے ہیں۔

اس وقت (۱۰۰۰ عیسوی) شمالی ہندوستان میں ثانوی پراکرت بولی جاتی تھی۔ پشاور سے لے کر الہ آباد تک اور انبالے سے ملتان تک جتنا علاقہ ہے اس سارے کی ایک بولی تھی۔ کوئی ۱۰۰۰ عیسوی میں اس زبان نے اپنی ہیئت بدلی اور پنجاب میں پنجابی کی شکل اختیار کرنی شروع کی۔ حتےٰ کہ پندرھویں صدی کے قریب یہ موجودہ پنجابی کی شکل کے قریب آگئی۔

سکھوں کی مذہبی کتاب گرو گرنتھ میں کئی بزرگوں کا کلام درج ہے۔ اس میں سکھوں کے پہلے گرو بابا نانک کا کلام بھی ہے۔ گربانی۔ باباجی ۱۴۶۰ میں پیدا ہوئے۔ اور اس وقت تک یہ ثانوی پراکرت پنجاب کے علاقے میں کم و بیش مروج تھی پھر انہوں نے اپنے کلام کو ادبی رنگ دینے کے لئے گہرے استعاروں اور معمول تشبیہوں کا استعمال کیا۔ جو اس ثانوی پراکرت سے اخذ کی گئیں۔ اس لئے بڑی حد تک پہلے گروجی کی گربانی اس بھاشا یعنی ثانوی پراکرت کا نمونہ ہے۔ جو ۱۰۰۰ اور ۱۵۰۰ کے درمیان مگدھ دیش اور پنجاب میں مروج تھی۔ گربانی کی زبان آج (یعنی بیسویں صدی) کی مروجہ پنجابی سے بڑی حد تک مختلف ہے اور آج کی پنجابی بولنے والا انسان گربانی کی زبان کو بغیر سمجھائے پورے طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ یہی ثانوی پراکرت موجودہ پنجابی اور موجودہ اردو دونوں کی ماں ہے۔ اس لئے موجودہ اردو اور پنجابی زبانوں میں بہت سے محاورے۔ استعارے اور مفہوم ادا کرنے کے طریقے مشترک ہیں۔ یہ محاورے اور بندشیں اردو زبان نے پنجابی سے دورِ جدید میں حاصل نہیں کئے ہیں۔ بلکہ قدیم سے

اس میں چلے آرہے ہیں۔ اور چونکہ دونوں کا ماخذ ایک قدیم زبان ہے۔ اس لئے یہ محاورے اور بندشیں ذرا سی شکل بدل کر اب بھی دونوں میں موجود ہیں۔

۱۲۰۶ میں مسلمانوں نے دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو ہندو مسلمانوں کا میل ملاپ دہلی آگرے کے علاقے میں بڑھ گیا۔ اور اس علاقے کی بولی پر فاتح مسلمانوں کی زبان نے اثر ڈالنا شروع کیا۔ پنجاب میں جو ابتدائی اثرات پیدا ہو چکے تھے وہ سب منتقل ہو کر دہلی کے نواح میں آگئے۔ چونکہ مسلمان افواج کی چھاؤنیاں اب اسی علاقے میں تھیں۔

اس زمانے میں فارسی دربار سرکار کی زبان تھی۔ ترکی کو بھی عروج حاصل تھا۔ اور لکھنے بولنے میں استعمال ہوتی تھی۔ مگر عوام کے ایک خاص طبقہ کی زبان اردو تھی۔ اردو کے معنی لشکر ترکی لفظ ہے۔ جس کی شکل بدل گئی۔ اور انگریزی میں Horde بن گیا ہے۔) چونکہ شروع شروع میں اس زبان کی ابتدا چھاؤنی میں ہوئی جہاں ہندو مسلمانوں کو آپس میں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اردو بہت عرصے تک تقریری زبان رہی امیر خسرو (متوفی ۱۳۲۵) ہندوستان میں فارسی کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ اس کے ہاں اردو کے بھی چند نمونے موجود ہیں۔ ملک محمد جائسی نے اپنی پدماوت (۱۵۴۰) فارسی رسم الخط میں لکھی اس میں بہت سے الفاظ فارسی عربی کے موجود ہیں۔ اسی طرح سے بھگت کبیر (۱۳۸۰۔ ۱۴۴۸) اور تلسی داس (۱۵۵۰۔ ۱۶۲۴) کے کلام میں بھی عربی فارسی کے بہت سے الفاظ موجود ہیں۔ ملک محمد جائسی سے پہلے اردو کی کوئی قابل توجہ تصنیف نہیں ملتی۔

بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں ۱۵۲۶ میں شکست دی۔ ہمایوں نے ۱۵۳۰ سے ۱۵۴۰ تک حکومت کی (خاندان سوری ۱۵۴۰ - ۱۵۵۵) پھر ہمایوں ایران سے واپس آیا۔ اور ۱۵۵۵ میں شاہنشاہ ہندوستان بن گیا۔ اکبر کا عہد ۱۵۵۶ سے جہانگیر کا ۱۶۰۵ سے شاہجہان کا ۱۶۲۸ سے اور اورنگ زیب کا ۱۶۵۸ سے شروع ہوا۔ اورنگ زیب نے ۱۷۰۷ میں وفات پائی اور مغلوں کی سلطنت کمزور ہوتی گئی۔ مغلیہ خاندان نے ۱۸۵۷ تک ہندوستان پر حکومت کی۔ ۱۸۰۳ عیسوی میں شاہ عالم ثانی کے عہد (۱۷۵۹ - ۱۸۰۶) میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا۔ اور اس نے بہار بنگال اڑیسہ سے دیوانی جمع کرنے کی اجازت انگریزوں کو دی۔ ۱۸۰۳ سے مغل بادشاہ برائے نام تھے حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور مغل شاہنشاہ کو وظیفہ ملتا تھا۔

جلال الدین اکبر کا عہد (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵) اردو کی ترقی کا زریں عہد ہے ۔ وزیر مال راجہ ٹوڈر مل نے حکم دیا کہ تمام ملازمین کے لئے لازم ہے کہ وہ فارسی جانتے ہوں ۔ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ۔ اس طرح سے دیسی زبان میں سرعت کے ساتھ تبدیلی آنی شروع ہوگئی ۔ شاہجہان کے عہد تک اس میں اچھی خاصی ترقی ہوگئی ۔ اس نے اس زبان کا نام زبان اردوئے معلیٰ رکھا ۔ مگر نثر میں ۱۸۰۰ تک بہت کم کتابیں لکھی گئیں ۔ البتہ نظم میں اردو نے بہت ترقی کرلی اور یہی ہر زبان کا قاعدہ ہے ۔

اردو شاعری

اکبری عہد کے دو معروف اردو کے شاعر قطب شاہ اور میراں جی ہیں ۔ اپنے کلام میں ولی دکنی (۱۶۶۸ - ۱۷۴۴) نے شمالی ہند کے شاعروں کی تقلید کی ۔ اب اردو شاعری نے ایک معین شکل اختیار کرلی ۔ یہ میر تقی میر (۱۶۹۳ - ۱۸۱۰) اور رفیع سودا (۱۷۱۳ - ۱۷۸۱) کا زمانہ ہے ۔ اب دہلی کے شاعروں کا دور شروع ہوا ۔ انشا (متوفی ۱۸۱۷) اور مصحفی (۱۱۴۴ - ۱۲۴۰) ان کے بعد غالب (۱۷۹۶ - ۱۸۶۹) اور ذوق ۔ دو مشہور مرثیہ گو انیس اور دبیر لکھنؤ کی پیداوار ہیں ۔ ۱۸۵۷ کے ہنگامہ کے بعد اردو شاعری میں تنزل ہوگیا ۔ امیر مینائی (۱۲۴۴ - ۱۳۱۸) اور داغ (۱۸۳۱ - ۱۹۰۵) اس عہد کی یادگار ہیں ۔ انگریزی راج جب ہندوستان میں پورے طور پر قائم ہوگیا ۔ تو مغربی خیالات نے ہندوستان کی فضا میں اپنی جگہ بنالی ۔ مغربی ادب اور سائنس نے ہندوستانی ذہن پر اپنا اثر ڈالا ۔ اس طرح سے اردو شاعری کا تیسرا دور شروع ہوا ۔ قومی شاعری ۔ قدرتی شاعری ۔ تخیلی شاعری وجود میں آگئیں ۔ نظم سادہ ۔ پرجوش اور مضامین سے معمور ۔ حالی (۱۸۳۷ - ۱۹۱۴) آزاد (متوفی ۱۹۱۰) ۔ اکبر ۔ حسرت ۔ اقبال اس قبیل کے شاعر ہیں ۔ گویا اب ہم آج کے زمانے تک پہنچ گئے ۔

اردو نثر

نثر کی نشو و نما کی صحیح ابتدا ۱۸۰۰ کے قریب ہوئی ۔ جب کہ انگریزوں نے ۱۸۰۰ میں فورٹ ولیم کالج ، کلکتہ میں جاری کیا ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ جو اس کالج کا پرنسپل تھا ۔ اس میں اردو کی صرف نحو کی کتابیں ۔ لغت کی کتابیں اور قصے کہانیاں لکھے گئے ۔ جو اردو نثر نویسوں کے لئے اساس بن گئے ۔ ۱۸۳۲ میں اردو ہندوستان کی سرکاری زبان مقرر کیا گیا ۱۸۳۶ میں پریس کو آزادی ملی ۔

پہلے نثر کو بہت مرصع اور دقیق لکھا جاتا تھا ۔ غالب نے اس روش کو بدلا ۔ اور نثر کو صاف سادہ اور چست بنالیا ۔ ۱۹ ویں صدی کے نصف آخر میں اردو نثر کو ترقی کا بہت موقع ملا ۔ سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ - ۱۸۹۸) اور اس کے رفقائے کار

شبلی، آزاد، نذیر احمد، نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ نئے نئے مضامین پر قلم اُٹھایا گیا۔ تاریخ، سائنس، سیاحت، ناول، تنقید غرضیکہ ہر طرح کی کتابیں لکھی گئیں۔ اخبار نویسی ایک شعبہ بن گیا۔ اس وقت ہندوستان میں اُردو کی ترقی کے لئے بہت سے ادارے قائم ہیں۔ ان میں سے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن، انجمن ترقی اردو دہلی۔ اور دارالمصنفین اعظم گڑھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اُردو کی خوبیاں

اس ضمن میں بابو رام سکسینہ کی کتاب ہسٹری آف اردو لٹریچر سے کچھ نقل کرنا بہت مناسب ہے (تاریخ ادب اردو۔ ترجمہ۔ مرزا محمد عسکری، حقیقۂ نثر صفحہ ۱۶۶) لکھنؤ مطبع منشی نولکشور۔

اردو بالاتفاق ایک ایسی زبان ہے، جو فصاحت و بلاغت، شیرینی اور اظہار مطلب کے لئے بڑی شہرت رکھتی ہے۔ یہ تہذیب و تمدن کی زبان ہے۔ اور اسمیں خیالات اور جذبات کے نازک فرق ادا ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اسمیں اکثر دوسری زبانوں کے مخصوص الفاظ و حروف شامل ہیں، مثلاً عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت وغیرہ۔ لہذا یہ بہ نسبت دوسری دیسی زبانوں کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ ادبی خیالات کو اچھی طرح ظاہر کرنے، اور تمدن و شائستگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے زیادہ تر موزوں ہے ......

اردو صحیح معنوں میں ہندوستان بھر کی "لنگوا فرینکا" یعنی زبان عام ہے۔ کیونکہ ان مقامات میں بھی جہاں یہ بولی نہیں جاتی بخوبی سمجھی جاتی ہے۔ اور زبانوں کا یہ حال ہے کہ صرف اپنے اپنے ملک یا دیس میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ مگر دوسری جگہ انکو سمجھنا دشوار ہے۔"

اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا تجزیہ

اردو تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے۔ اور اس لئے ہندوستان کی قومی زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ بخصوص خوبیوں کی بنا پر اسے سکولوں میں تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے تو مناسب ہے۔ اردو کیلئے ممکن ہے کہ سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی کسی زبان سے مناسب اور پسندیدہ الفاظ اور بندشیں لے کر اپنے حلقے میں شامل کر لے۔ اور انتخاب وہ لسانی عناصر کرتی ہے۔ جو شستہ، آسان ہو۔ نہ کانوں پر گراں گزریں۔ نہ اُن کے بولنے میں دقت ہو۔

اردو نے اب بھی مختلف زبانوں سے مفید مطلب عناصر اپنے اندر جذب کر لئے ہیں۔ اس کو واضح کرنے کے لئے ہم اردو زبان کا

تجزیہ کرتے ہیں۔ ایک شخص کے ذہن میں امکان ہے کہ ایک خاص قبیل کے الفاظ موجود ہوں جن کو وہ اپنے کام میں استعمال کرتا ہے اس لئے ہم لغت کی کتاب کا تجزیہ کرتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ مولفہ سید احمد دہلوی اردو کی معروف ڈکشنری ہے۔ آخر میں مصنف نے خود ہی الفاظ کی تعداد اور ان کا ماخذ دیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ پراکرت الفاظ ۔ (سنسکرت سے ساختہ)	۲۱۶۴۴
۲۔ ممزوج الفاظ ۔ یہ الفاظ ہندوستانی پراکرت اور کسی غیر زبان کے ملنے سے بنے ہیں۔ ان کو اردو الفاظ کہنا مناسب ہے۔	۱۷۵۰۵
۳۔ سنسکرت کے الفاظ (شکل، صورت، آواز میں سنسکرت)	۵۵۴
سنسکرت گروپ کے الفاظ — میزان ۔	۳۹۷۰۳
۴۔ فارسی الفاظ	۶۰۴۱
۵۔ عربی الفاظ	۷۵۸۴
۶۔ ترکی الفاظ	۱۰۵
عربی فارسی گروپ کے الفاظ ۔ میزان	۱۳۷۳۰
۷۔ انگریزی الفاظ	۵۰۰
۸۔ مختلف الفاظ ۔ یونانی ۔ لاطینی ۔ آرامی وغیرہ	۷۶
کل میزان	۵۴۰۰۹

اب آپ ہی انصاف فرمایئے جس زبان میں ۳۹ ہزار سنسکرت گروپ کے الفاظ ہوں اور ۱۳ ہزار عربی فارسی گروپ کے الفاظ ہوں۔ اس زبان کی گرامر اور ترکیب سنسکرت کی طرز پر ہو۔ اسکو جو شخص غیر ہندوستانی زبان کہے وہ یا تو جاہل ہے۔ یا ہٹ دھرم اُردو اپنی ترکیبوں۔ گرامر اور فعلوں میں سنسکرت خاندان کی زبان ہے۔

ہندی کی پیدائش

اب ہندی کی رام کہانی بھی سن لیجئے گا۔ اور بہتر یہی ہے کہ اس کو رام بابو سکسینہ مصنف

ہسٹری آف اردو لٹریچر کی زبانی سُنیئے ۔صفحہ ۳ ۔ (ترجمہ مرزا محمد عسکری ۔لکھنو۔ مطبع نولکشور) " اردو کا اصلی ماخذ وہ زبان ہے جو دلّی اور میرٹھ کے اطراف میں بولی جاتی تھی جس کو مغربی ہندی کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے ۔ اور مغربی ہندی اپنی جگہ پر شورسینی پراکرت سے پیدا ہوتی ۔ اور مندرجہ ذیل زبانیں اس کی شاخیں ہیں ۔ یعنی بنگارو ۔ برج بھاشا ۔ قنوجی ۔ اور وہ زبان جو دہلی کے اطراف میں مروج تھی ۔ مگر زمانۂ حال کی اعلیٰ ہندی اردو سے پیدا ہوئی ۔ اس طرح کہ فارسی الفاظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت لفظ رکھ لئے گئے ۔ اسی اعلیٰ ہندی میں نثر کی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں کہ مصنفین نے سنسکرت کے بڑے بڑے الفاظ استعمال کیئے ہیں مگر سچ پوچھئے تو اردو اور ہندی اپنے ماخذ اور نیز اپنی نوعیّت کے اعتبار سے ایک ہی زبان ہیں ۔ اور ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے اگر کچھ ہے بھی تو نشو و نما اور ترقی کے طریقے میں ہے ۔ اردو چونکہ مسلمانوں کے سایہ عاطفت میں پلی اس لئے اس میں فارسی الفاظ کی کثرت ہوگئی ۔ برخلاف ہندی کے جو اپنے اصلی ماخذ یعنی سنسکرت کی طرف عود کرگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانے کی ادبی اردو اور ادبی ہندی میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ۔ یعنی اول الذکر میں فارسی اور عربی الفاظ کی کثرت ہے ۔ اور آخر الذکر غیر مانوس سنسکرت الفاظ سے بھری ہوئی ہے "

ہندی کے جنم لینے کی وجوہات

لارڈ کرزن نے ۱۹۰۵ء میں بنگال کو تقسیم کیا ۔ تو ہندو مسلمانوں میں بڑا فساد ہوا ۔ ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگالہ کو منسوخ کر دیا گیا ۔ مگر ہندو مسلمانوں میں اچھی خاصی پختہ دشمنی ہو چکی تھی ۔ اس سے پہلے بھی ہندو مزاج سیاست میں معقول ترقی کر چکا تھا ۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمان کی حکومت ہندوستان سے اُٹھ گئی ہے ۔ اب ہندو کو اپنی آزادی حاصل کرنی چاہیئے ۔ بلکہ یہ کہ مسلمان سے گذشتہ زمانے کا بدلہ لینا چاہیئے ۔ ہندو سماج ۔ جماعت بنی اور پھر قوم بن گئی ۔ انہوں نے اپنے سیاسی حقوق طلب کرنے شروع کیئے ۔ ہر قوم کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اپنی ایک مخصوص زبان ہو ۔ ہندو نے ہندی کو اپنی زبان قرار دیا ۔

اس زبان کو جسے ہم آج ہندی کہتے ہیں ۔ تخلیق کرنے کا خیال کوئی ۱۸۰۰ء کے قریب پیدا ہوا ۔ مگر رفتار بڑی سست رہی ۱۹۰۵ء میں ہندی کو ترقی دینے کا خیال ہندو جماعت کے دل میں جگہ پکڑ گیا ۔ مگر کچھ زیادہ ترقی نہ ہوئی ۔ ۱۹۱۸ء کے بعد جب جنگ عظیم کے اختتام پر سرکار انگریزی نے ہندوستان کو سیاسی حقوق عطا کرنے کا تہیہ کر لیا تو ہندو نے ضروری سمجھا کہ اپنی قومی

زبان کو عجلت کے ساتھ ترقی دے ۔ اس غرض سے ہندی کو فروغ دینے کے لئے بہت سی تجویزیں نکالی گئیں ۔ ہندی سبھائیں قائم ہوئیں ۔ جلسے کئے گئے ۔ کتابیں لکھی گئیں اور لکھوائی گئیں ۔ غرض یہ کہ ہندی زبان کا سرکار انگریزی کے سامنے اچھا خاصہ پروپیگنڈا کر دیا گیا ۔ اب بھی ہندی کا پروپیگنڈا زیادہ ہے ۔ اور اس کی حقیقت کم ۔ اور یہ زبان تو صرف کتابوں میں درج ہے ۔ کسی علاقے میں بولی نہیں جاتی ۔

دورِ جدید میں قومی زبان کے متعلق ہندو خیالات

اب ہم دورِ جدید میں پہنچتے ہیں ۔ سیاسی منزل سامنے نظر آتی ہے ۔ اور مُلک کی مختلف پارٹیوں کے دل میں یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمیں اب کچھ ملنے والا ہے ۔ اس لئے لیڈر اپنی اپنی پارٹیوں کو مضبوط بنانے کی ترکیبیں سوچتے ہیں ۔ قوم بننے کے لئے قومی زبان ایک نہایت ضروری چیز ہے ۔

آل انڈیا ہندو مہاسبھا نے اپنے دسمبر ۱۹۳۷ء کے سیشن میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن (نمبر ۱۶) پاس کیا ۔ ریزولیوشن انگریزی میں ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے ۔

"قومی زبان اور رسم الخط

ہندو مہاسبھا اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کی قومی زبان 'ہندی' ہے (ہندوستانی نہیں — بلکہ سنسکرت نسٹھا ہندی) ۔ وُہ ہندی جس کی اساس سنسکرت ہے ۔ اور جو اپنے الفاظ کا ذخیرہ سنسکرت سے حاصل کرتی ہے ۔ یہی ہندی جائز طور پر ہندوستان کی قومی زبان بننے کا حق رکھتی ہے ۔ جس طرح سے دیوناگری رسم الخط ہندوستان کا قومی رسم الخط بننے کا حق رکھتا ہے ۔

ہندو مہاسبھا ، ان اعلانیہ کوششوں کی مذمت کرتی ہے ۔ جو انڈین نیشنل کانگریس نے عام طور پر اور کانگریسی صوبائی حکومتوں نے خاص طور پر مسلمانوں کے دل و دماغ کو اپنی طرف رضامند کرنے کے لئے ان کے خوف سے ہتھیار ڈال کر ، ہندوستانی کو سارے دیس کی ملکی زبان بنانے کے لئے کی ہیں ۔ مہاسبھا ہندو جاتی کو یہ کہنا چاہتی ہے ۔ کہ جاتی اس پوری قوت کے ساتھ جو وہ بروئے کار لا سکے ۔ ایسی تمام کوششوں کا جو ہندی کی بجائے ہندوستانی کو تسلیم کرنے یا فروغ دینے کے لئے کی جائیں ، سختی کے ساتھ مقابلہ کرے ۔"

کانگریس کی مذمت جس بات پر کی گئی وہ بھی آپ سن لیں تو معاملہ صاف ہو جائیگا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک خط مسٹر ایم اے جناح کو ۱۶ اپریل ۱۹۳۸ کو لکھا تھا جس کا ایک حصّہ یہ ہے۔

" اردو اور ہندی کے متعلق یہ عرض ہے۔ کانگریس نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ زبانوں اور تہذیب کی حفاظت کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی تمام صوبجاتی زبانوں کی ہمّت افزائی بیک وقت کی جائے۔ اور ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی ہے جو دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخطوں میں لکھی جائے گی۔ دونوں رسم الخط سرکاری طور پر منظور شدہ ہونگے۔ ان کے انتخاب کا اختیار استعمال کرنے والے لوگوں پر چھوڑ دیا جائے گا۔ دراصل کانگریسی وزارتیں اسی پالیسی پر عمل کر رہی ہیں۔"

یہ سیاسی شعبدہ کاری ہے۔ جس کا مطلب بالکل وہی ہے۔ جو مہاسبھا کا ہے۔ بیوقوف شکاری ہاتھی کے پیچھے بندوق لے کر بھاگتا ہے تاکہ اس کو ہلاک کر دے۔ عقلمند صیّاد پہلے ہاتھی کو دام میں گرفتار کرتا ہے۔ پھر اس کو بھوکا رکھتا ہے۔ اسے اپنا حکم ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ اور پھر اس سے کام لیتا ہے۔ ہاتھی تاعمر اس کا غلام ہے۔

ہندو مہاسبھا کے کارکنوں میں ریزولیوشن بنانے والے سر تو تھے۔ مگر ان سروں میں گاندھی کے تفکر کا دماغ نہ تھا۔ کانگریسی حکومت کے ہندوستان میں جم جانے کے بعد بیس سال کے عرصے میں وہی ہو جاتا جو مہاسبھا چاہتی ہے۔ خواہ مخواہ تعجیل اور شور سے مخالف کو ڈرانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ تمام ہندوستان کی قومی زبان ہندی ہوتی، وہی ہندی جو مہاسبھا چاہتی ہے۔ اور اس کا رسم الخط دیوناگری ہوتا۔ تاریخ، زبان، اور نفسیات کے اصول یہی کہتے ہیں۔

فرض کر لیجیے کہ ہندوستان میں کانگریسی حکومت قائم ہو جاتی۔ مرکز میں ہندوؤں کی میجارٹی، وہ سب ہندی بولتے اور لکھتے یعنی ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔ پھر ملازمت میں ان کو ترجیح دیجاتی جن کی لغت میں ہندی اور سنسکرت الفاظ زیادہ ہوں۔ آہستہ آہستہ اردو رسم الخط اور اردو طرز تحریر میدان سے خارج ہو جاتا۔ چونکہ اس کی ضرورت نہ رہتی۔ نہ حکومت اس کی سرپرستی کرتی۔ راج میجارٹی کا اور میجارٹی ہندی کی طرف۔ حکم حکومت کا اور حکومت ہندی کی طرف۔ جب گاندھی جی نے ہندی جلسوں میں پریذیڈنٹ بن کر ہندی کو کھلی امداد دی تو پھر بھی مہاسبھا کی سمجھ نہ آیا۔ گاندھی جی نے پوشیدہ طور پر نہیں بلکہ اعلانیہ طور پر دیوناگری رسم الخط کی

کی حمایت کی. اور کہا کہ یہی تمام ہندوستان کا واحد رسم الخط بننے کی اہلیت رکھتا ہے. ہندی کے پرچار کے لئے سکول بنایا جماعت قائم کی اور یہ لوگ اب بھی کام کر رہے ہیں.

ہندی کے متعلق کانگریس کے خیالات گاندھی جی کی زبانی۔

گاندھی جی کانگریس کے گرو دیو ہیں. ہر فرقہ دارانہ مجلس مشاورت میں کہتے تو وہ یوں ہیں کہ میں کانگریس کا نمائندہ بن کر نہیں آیا ہوں. بلکہ اپنی شخصی حیثیت میں آیا ہوں. البتہ کانگریس کو مشورہ دوں گا. کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میرے مشورے کو ماننے یا نہ ماننے. یہ کس قدر سیاسی فریب ہے. ایک جماعت کی طرف سے بحث میں حصہ لینے کے لئے جانا اور اس کا نمائندہ ہونے سے انکار کرنا دوسرے کے قول کو مقید کرنا اور خود آزاد رہنا. تاہم کانگریس کا پتہ پتہ اور ذرہ ذرہ گرو دیو کے اشارے سے ملتا ہے. کانگریس کی پالیسی ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق دریافت کرنی ہو تو گرو دیو کی پالیسی معلوم کرنی چاہیئے. میں اگر اپنی زبان سے کچھ کہوں تو امکان ہے سوئے ادب سمجھا جائے. اس لئے مہاتما جی کے الفاظ میں ان کی پالیسی کا ملاحظہ کیجئے.

"ہریجن" مہاتما گاندھی کا پرچہ ہے. جو انگریزی میں چھپتا ہے. اس میں مہاتما جی نے اردو ہندی اور ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کا اظہار کیا. جو مضامین جولائی ۱۹۲۷ء اور جولائی ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصہ میں چھپے ان کو ایک کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے. اس کا نام ہے. "آور لینگویج پرابلم"

Our Language Problem. By Mahatma Gandhi.

Edited and Published by Anand T. Hengoran.
Karachi 1942.

اس کتاب میں سے چند اقتباس پیش کئے جاتے ہیں. ربط قائم رکھنے کے لئے میں نے بیچ میں کچھ الفاظ شامل کر دیئے ہیں. گاندھی جی فرماتے ہیں. (یہ ترجمہ ہے) " جب سے میں نے پبلک لائف میں قدم رکھا ہے (صفحہ ۲۷) میرا یہی عقیدہ رہا ہے. اور میں نے اسی کا ہمیشہ اعلان کیا ہے. کہ میری پختہ رائے میں انگریزی نہ تو کل ہند زبان بن سکتی ہے. اور نہ ہونی چاہیئے. کل ہند زبان صرف ہندی (یعنی ہندوستانی) ہی ہو سکتی ہے. وہی زبان جس کو شمالی ہندوستان کے ہندو مسلمان لاکھوں انسان بولتے ہیں." یہ تو ابتدائی

انتخابات کی بات ہے۔ چونکہ اس وقت بھی زبان کل ہند زبان بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ (یہی اردو زبان ہے جو دہلی لکھنؤ میں مروّج ہے) فی الحال ہم اس کو دیوناگری اور فارسی دونوں طرح کے رسم الخط میں لکھا کریں گے۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ ایک زبان کیلئے دو رسم الخط کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے کہے کو خود ہی بالکل باطل کرتا ہے۔" میں جانتا ہوں (صفحہ ۲۸) کہ میں متناقض بات پیش کر رہا ہوں۔ جب میں ایک ہی زبان کے لئے دیوناگری اور اردو رسم الخطوں کو روا رکھتا ہوں۔ مگر میرا یہ تناقض بالکل احمقانہ نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں ہندو مسلمانوں میں بے اتفاقی ہے۔ تعلیمیافتہ ہندو اور مسلمانوں کے لئے عقلمندی اسی میں ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کریں۔ اور جس حد تک ممکن ہو سکے بردباری اور رواداری سے کام لیں۔ اس لئے دیوناگری یا اردو کسی رسم الخط کے انتخاب کا اختیار ہے"۔ مگر ہندو جاتی کے دھرماتما جو اسوقت چراغ پا ہو رہے ہیں۔ انکو معلوم نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کتنا بھی انسان رواداری سے کام لے۔" لیکن (صفحہ ۱۵) جب قوم میں وسعت پیدا ہوگی۔ تو لازمی ہے کہ ہندو جو صرف سنسکرت جانتے ہیں۔ وہ سنسکرت کے الفاظ کا خاص طریقے سے استعمال کریں گے۔ اگرچہ دونوں ایک ہی زبان لکھیں اور مخصوص رغبت یا نفرت نہ بھی رکھتے ہوں، تو بھی یہی ہوگا"۔ ظاہر ہے کہ ہندو دیوناگری رسم الخط سیکھیں گے۔ اور سنسکرت کے الفاظ زیادہ استعمال کریں گے۔ بھارت دیش میں اُن کی تعداد بھی مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ (مسلمان ہیں ۲۵ فیصدی) "آخر کار (صفحہ ۵۹) اس میں سے جو رسم الخط لوگ زیادہ پسند کریں گے۔ وہی زیادہ وقعت حاصل کرلے گا"۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے "زبان کی جو شکل بھی (صفحہ ۵۴) عوام میں ہر دلعزیز ہوگی۔ اور جس کو وہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں گے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان وہی کل ہند زبان بنے گی"۔ جب ہندوؤں کی تعداد ہندوستان میں زیادہ ہے۔ تو میجارٹی کے حکم کے مطابق یہ ہندوؤں کی زبان ہوگی۔ جو کل ہند زبان بنے گی۔ اور وہ سنسکرت سے معمور ہندی ہوگی۔ یہ زبان ہندوستان کے تمام رہنے والوں کو سیکھنی پڑے گی۔

اس سیاسی پروگرام کے پیش نظر میں نے (یعنی گاندھی جی) ابھی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اور دیوناگری رسم الخط کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی ہیں۔" بلاشبہ (صفحہ ۱۶) ایک دیوناگری تحریک موجود ہے۔ اور میں بدل و جان اس کا حلیف بنگیا ہوں۔ غرض یہ ہے کہ دیوناگری کو ان سب زبانوں کا جو مختلف صوبوں میں بولی جاتی ہیں۔ مشترکہ رسم الخط بنا دیا جائے۔ خاص

طور پران صوبوں میں جہاں ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سنسکرت الفاظ کی تعداد زیادہ ہے"۔ اب سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ "آخر کار (صفحہ ۶) جب ہمارے دل ایک ہو جائیں گے۔ اور ہم سب بجائے اپنے صوبوں پر نہیں بلکہ اس بات پر فخر کریں گے۔ کہ ہندوستان ہمارا ملک ہے۔ جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ تمام مذاہب ایک ہی منبع سے نکلے ہیں۔ اور انکی پیروی اسی خیال سے کریں گے۔ جس طرح سے کہ ہم ایک درخت کے مختلف پھلوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ تو ہم ایک مشترک زبان تک پہنچ جائیں گے جس کا رسم الخط تمام ہندوستان میں ایک ہوگا۔ ہاں مگر ہم صوبجاتی زبانوں کو صوبائی استعمال کے لئے قائم رکھیں گے"۔ اس وقت تو مسلمان کے دل میں مذہبی جوش اور قوت کا گھمنڈ ہے۔ جب وہ ہندو سماج کے راج میں کچھ عرصہ تک پس کر ذہین ہو جائیگا۔ اسکے خیالات ہندو تہذیب میں رنگے جائیں گے۔ تو وہ خود بخود ہمارا ہمخیال ہو جائے گا۔ اسوقت رومن رسم الخط بھی میدان میں دعویدار ہے۔ مگر " رومن رسم الخط ہندوستان کا مشترکہ رسم الخط نہ تو بن سکتا ہے۔ (صفحہ ۳۶) اور نہ ہونا چاہیئے۔ مقابلہ تو صرف فارسی اور دیوناگری خطوں کے درمیان ہے۔ اس بات کو بھی ہم بحث میں نہیں لاتے کہ اسمیں کتنی ذاتی خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن دیوناگری تمام ہندوستان کا مشترکہ رسم الخط اس لیے ہونا چاہیئے کہ صوبجاتی رسم الخطوں سے رشتہ کا ماخذ دیوناگری ہے۔ اسکے علاوہ سیکھنے میں بہ نسبتاً بہت ہی آسان ہے"۔ اب میرے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ معاملہ آپ کے سامنے صاف ہے۔

ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق مسلمانوں کے خیالات

مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اردو اپنی گرامر، ترکیبوں اور الفاظ کے لحاظ سے آریائی زبان ہے۔ اس نے ہندوستان میں جنم لیا۔ گویا ہندوستانی تہذیب کا نمائندہ ہے۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے۔ چونکہ اس کی پیدائش اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کے امتزاج سے ہوئی ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے اردو کی نشو و نما میں حصّہ لیا۔ اردو زبان کے بیشمار ہندو شاعر اور نثر نویس ہوئے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ مہاتما گاندھی کے الفاظ میں (صفحہ ۴۰ آور لینگویج پرابلم) "حقیقت یہ ہے کہ نسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جن کو ہندی اس قدر یاد ہو کہ وہ فاضل کہلائیں۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ ہندی بولنے والے علاقوں میں ان مسلمانوں کی مادری زبان ہندی ہے۔ جو وہاں پیدا ہوئے ہیں۔ ہزاروں ہندو ایسے ہیں جن کی مادری زبان اُردو ہے۔ سینکڑوں ایسے ہیں جن کو ہم صحیح معنوں میں اُردو کے فاضل کہہ سکتے ہیں۔ اس بات کو سب زبان

دان مانتے ہیں کہ ہندوستان کی زبانوں میں سے اگر کوئی قومی زبان بننے کی مستحق ہے تو وہ اُردو ہے۔

اردو اس وقت زندہ زبان ہے۔ اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں سمجھی جاتی ہے۔ تو کیا سبب ہے کہ اس جیتی جاگتی مروج زبان کو برطرف کر کے ایک مصنوعی زبان کو رواج دیا جائے۔ جو کہیں بولی نہیں جاتی۔ بلکہ صرف مسلمانوں سے الگ ہونے کے لئے تخلیق کر لی گئی ہے۔

پھر مسلمان یہ کہتا ہے۔ اچھا ہندوؤں نے اردو کو اس لئے چھوڑا ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے۔ اور قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ بہتر۔ میری ہے تو میں اس کی ترقی میں تن من دھن لگا دوں گا۔ اور مسلمانوں نے گذشتہ تیس سالوں میں جب سے کہ اردو ہندی بحث نے زور پکڑا ہے۔ اردو کو فروغ دینے میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ سائنس ادب غیرہ ہر موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں مسلمان اپنی اردو زبان کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اور ہندوستان میں اسے اسلامی تہذیب کا ایک جزو سمجھتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر اردو زبان کو مٹا دیا جائے۔ تو ہندوستان سے نصف اسلامی تہذیب مٹ جاتی ہے۔ (اسکا نصف نازک ہندی تہذیب ہے۔) اس لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گا کہ اردو زبان زندہ رہے۔ اور اس کا رسم الخط فارسی ہو۔ وہ کسی صورت سے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کی بجائے کوئی اور زبان یا رسم الخط اختیار کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔ اردو قائم رہے تو آدھی ہندی قائم رہتی ہے۔ اردو مٹے تو گذشتہ چھ سو سالوں کی ساری اسلامی تہذیب مٹ جاتی ہے۔

سیاسی اختلاف

ہندو مسلمانوں کے کئی اختلافات ہیں

ہم نے دیکھا کہ ہندو مسلمانوں کا اختلاف سماج اور لسان کے معاملات میں ہے۔ ان کا طرزِ رہائش۔ کھانا پینا لباس ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اب اردو ہندی نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو گیا ہے اور زبان قوم کو مخصوص کرنے میں اہم حصّہ لیتی ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہماری اور ہندوستان کی قومی زبان ہندی ہے۔ جو دیوناگری ابجد میں لکھی جائے اور جس میں اصل سنسکرت کے الفاظ تشبیہیں استعارے ہوں یعنی جس کا ماخذ سنسکرت ہو۔ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی زبان اُردو ہے۔ اور ہماری قومی زبان بھی اردو ہے۔ چونکہ اب یہ مروج ہے اس لئے اردو ہندوستان کی قومی زبان رہے گی۔ دونوں قومیں تُل گئی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی بات نہیں مانتیں۔ گویا مصالحت محال معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ ہندو مسلمانوں کے اختلافات۔ تہذیبی اختلاف۔ سماجی اختلاف اور لسانی اختلاف کے ساتھ ہی ختم نہیں

ہو جاتے۔ بلکہ دو اور اختلافات بھی ہیں۔ یعنی سیاسی اختلاف اور اقتصادی اختلاف۔ سیاسی اختلاف کا کچھ حال سُن لیجئے گا۔

سیاسی اختلاف کی وجوہات

کبھی ہندوستان میں مسلمان حکمران تھے۔ اور اس زمانے کی یادگاریں ابھی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ تاج محل۔ دہلی کا لال قلعہ۔ لاہور کا شاہدرہ سینکڑوں اور عمارتیں۔ وہ خون جو مسلمان شہیدوں نے ہندوستان کو فتح کرنے میں صرف کیا ہے۔ ابھی زمانے کی گردشوں کی بارشوں سے دُھلا بھی نہیں۔ تاریخ کے اوراق شہید کے سُرخ خون اور اُس کے سُنہری کارناموں سے گلشن بہار کی طرح تازہ اور شاداب معلوم ہوتے ہیں۔ اب بھی ہندوستان میں کئی مسلمان ریاستیں ہیں۔ اور بیسیوں ہندو ریاستیں مسلمان بادشاہوں کی مہربانیوں کے سبب آج زندہ ہیں۔ اُن کے دیئے ہُوئے خطاب راجہ مہاراجہ اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ان شاہی فرمانوں کے زور سے جن پر مسلمان شاہنشاہوں کی مُہر ثبت ہے۔ وہ آج حکمران خاندان کہلانے کے حقدار ہیں۔ مسلمان ان حالات کو کسطرح سے فراموش کر سکتا ہے۔

اس کے ساتھ اسلام اخوت اور مساوات سکھاتا ہے۔ اسلام کی قومیت ایسی ہے کہ اس میں مُلک۔ رنگ۔ قوم کی تمیز نہیں۔ جس نے کلمۂ توحید پڑھا اور سچے دل سے مُسلمان ہونے کا اعلان کیا وہ اسلامی برادری میں شامل ہو گیا۔ وہ گورا ہو یا کالا۔ امیر ہو یا غریب۔ اس لئے تمام مسلمان قومیں آپس میں موانست اور یگانگت رکھتی ہیں۔ اُن کی تہذیب اور مذہب بھی ایک ہے۔ اس لئے آسانی سے رابطۂ اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر مُسلمان یہ چاہتا ہے۔ کہ اسلامی ممالک کی ترقی ہو۔ اور وہ آزاد رہیں۔ اور ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اس لئے ہندوستانی مسلمان صرف اپنی ترقی کا خواہاں نہیں بلکہ دیگر اسلامی ممالک کی بہبودی کا خواہاں بھی ہے۔ اس کا مذہب اسے یہی سکھاتا ہے۔ وہ غیر اسلامی ممالک کو ان محبّت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا جس طرح سے کہ وہ اسلامی ممالک کو دیکھتا ہے۔

اب ہندوؤں نے ہندوستان میں یہ پروگرام بنایا ہے۔ کہ سیاسی طور پر میجارٹی مینارٹی کا مسئلہ میدان میں رکھا جائے۔ اور صاف ہے کہ ہندو میجارٹی میں ہے۔ اس غرض کیلئے ہندو کانگریس اور ہندو سبھا نے تمام ہندو جماعتوں کو اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ وہ شامل ہونا چاہیں یا نہ چاہیں۔ ہریجن۔ شودر سب شامل کر لیئے تاکہ تعداد زیادہ ہو جائے۔ اور ہم مُسلمانوں کے مقابلے میں سیاسی حقوق

زیادہ حاصل کر سکیں۔ مسلمان کو اس لحاظ سے میناریٹی قرار دیا گیا ہے۔ کہ وہ مسلمان ہے۔ اس کا کوئی اور قصور تو نہیں جب اکثریت اور اقلیت کا یہ معیار مقرر کیا گیا کہ اس کا مذہب ہندو سے مختلف ہے۔ تو اس کے اسلامی جذبات بیدار ہو گئے کہ میں مسلمان ہوں اس لئے اقلیت میں ہوں تو مجھے اپنے اسلامی حقوق حاصل کرنے چاہئیں اور اسلامی جماعت کو مضبوط بنانا چاہیئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک فرد کے دل میں آزاد رہنے کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ اور اسلام مذہب ہی آزادی۔ مساوات اور رواداری کا ہے۔ اس کا کہنا تو یہ ہے کہ غلام اپنے مذہب پر بھی صحیح طور پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مسلمان کے دل میں سیاسی تمنائیں پیدا ہو گئیں۔

ادھر ہندو ہے کہ وہ مسلمان کو مینارٹی بنا کر اپنے ماتحت رکھنا چاہتا ہے۔ ادھر مسلمان ہے کہ وہ آزاد رہکر میجارٹی کہلانا چاہتا ہے۔ ادھر ہندو ہے کہ وہ یہ کہتا ہے تم صرف ہندی ہو۔ ادھر مسلمان ہے کہ وہ کہتا ہے میں مسلمان پہلے ہوں اور ہندوستانی بعد میں اس لئے اسلامی ممالک کی بہبودی سے میری بہبودی وابستہ ہے۔ لہذا تصادم ظاہر ہے۔ دونوں فریق سیاسی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اور یہ مخالفت دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اقتصادی اختلاف

اس دور میں اقتصادی معاملات کو بڑی قوت حاصل ہے۔ بعض حلقوں میں تو اس وقت اقتصاد کا اس قدر زور ہے کہ مذہب۔ سماج۔ رسم و رواج سب کی اہمیت اسکے بعد ہے۔ جتنا ہم مادی خیالات میں بڑھتے ہیں۔ اور ہمیں مادی ترقی میں قوت اور جاہ کا راز مضمر نظر آتا ہے۔ اتنا ہی ہم اقتصادی معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے مسلمان اور ہندو جماعت میں نمایاں تضاد اور مخالفت ہے۔

ہندوؤں کا تجارت پر قبضہ ہے

بعض ایسے پیشے ہیں جن پر کاملاً ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ ایک مسلمان بھی اس پیشے میں شامل نہیں۔ چھوت چھات کی رسم اور ذات گوت کی تقسیم میں امداد دیتی ہے۔ مثلاً دوکانداری تمام تر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ علاقہ یا شہر یا گلی مسلمانوں کی ہو مگر دوکاندار ہندو ہے۔ آٹا نمک تیل کی دوکان۔ کپڑے کی دوکان۔ منیاری کی دوکان۔ لوہے لکڑی کے سامان کی دوکان۔ غرض ہر طرح کی دوکانوں

پر ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ یہ تو دوکانوں کا حساب تھا۔ اس سے آگے بڑھیئے تو مارکیٹ ہے۔ جو تمام بازار پر حکمرانی کرتی ہے غلّے کی مارکیٹ۔ کپڑے کی مارکیٹ۔ صرافے کی مارکیٹ۔ الف سے لیکر یائے تک ہندو کے قبضے میں ہے۔ پشاور جاؤ۔ تو لاہور جاؤ تو۔ امرتسر جاؤ تو۔ کراچی جاؤ تو اور مدراس ناگپور تو ہندوؤں کے علاقے ہی ہیں۔ کسی جگہ بھی جاؤ مارکیٹ پہ ہندو کا پورا قبضہ ہے۔ اس بات کا صحیح احساس صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کو تجارت سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔ یا جن کو کسی بڑے شہر مثلاً امرتسر میں تھوک مال خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

یہ قصہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ علاقے، وہ صوبے۔ وہ ریاستیں۔ وہ سلطنتیں جو مسلمان ہیں۔ اُن میں بھی تجارت پر ہندو کا پورا قبضہ ہے۔ خوشا وقتے کے در کابل وشش کردہی بسر کردم۔

ہزار مرتبہ کابل نکو تر از دلّی است — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

مجھے کابل شہر اور افغانستان میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دیکھکر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ کہ کابل۔ قندھار۔ جلال آباد۔ غزنی۔ غرض سارے افغانستان میں ایک مسلمان تاجر ایسا نہیں جو برآمد درآمد کی تجارت کرتا ہو۔ براہ راست ہندوستان یا بیرونجات سے مال منگاتا ہو اور جس کے تجارتی تعلقات بیرونجات سے ہوں۔ یہ سارا کام ہندو کرتے ہیں۔ اور ان کا پورا قبضہ ہے۔ گویا افغانستان میں جتنا مال باہر سے آتا ہے۔ اور جتنا مال افغانستان سے باہر جاتا ہے۔ اس سارے کی تجارت سو فیصدی ہندو کرتا ہے بلکہ ہندو گھرانے۔ بلخ۔ بخارا تاشقند میں آباد ہیں۔ اور ان کے تعلقات کابل۔ جلال آباد۔ پشاور۔ لاہور۔ امرتسر بمبئی۔ کلکتہ وغیرہ سے ہیں۔ یعنی ہندوؤں کا ایک اقتصادی نظام ہے۔ اور وہ اسمیں کسی مسلمان کو نہیں گھسنے نہیں دیتے۔ یوں کہیئے کہ ہندو نے ندین تاروں کا ایک جال لگا رہا ہے جس میں وہ مسلمان کی دولت کو شکار کرتا ہے۔ وہ گوشت نہیں کھاتا مسلمان کا خون چوستا ہے۔ جانور نہیں کھاتا۔ آدمی کھاتا ہے۔ ایک دو پر اپنا ہاتھ صاف نہیں کرتا۔ قوم کی قوم کھا جاتا ہے۔

اب ۱۹۲۷ سے میرا وطن بہاولپور ہے۔ وہ وطن جہاں

مسجدِ حق۔ ہے بساطِ چہرۂ ارضِ بسیط — خالقِ کون و مکاں، مشرق سے مغرب تک محیط

ملک ہے اللہ کا سارا۔ وطن اسلام کا — دور ہے کونین میں پیغامِ حق کے جام کا

حق پرستوں کے لیئے، قانون ہیں لیکن عجیب | بے وطن ایسا، کہ ہوں اپنے وطن میں بھی غریب
دورِ دما. دورِ چنگیزی. نئے اب دَور ہیں | تھی کبھی اللہ کی دُنیا. خدا. اب اور ہیں
جن کی قدرت میں مُسلماں کو بھی کر دیں بے وطن | پَرشکستہ ہُوں، نہیں کوئی قفس، کوئی چمن
میں قفس پروردہ ہُوں. لیکن قفس تو چاہیے | عشق چھوڑا ہے اگر، تیری ہوس تو چاہیئے
جب اصولِ حق پہ نافرماں دکھاتا ہے عتاب | قہرِ یزداں، خشمگیں ہوتا ہے بن کر انقلاب
"جو کہ یگا اِتنیا زِ رنگ و خوں مِٹ جائے گا" | تُرکِ اعرابی بقولِ اقبال پھر شہر مارے گا

بہاول پور اسلامی ریاست ہے. اور شمالی ہندوستان میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے. جے پور. جودھپور. پٹیالہ کا تو یہیں رونا ہی نہیں ہے. چونکہ وہ غیر مُسلم ریاستیں ہیں. اور ہندو مفاد کو پیش نظر رکھنا اُن کے آئین میں شامل ہے. مگر بہاولپور جو اسلامی ریاست ہے. وہاں آکر دیکھو جیسا کہ میری آنکھوں نے گذشتہ ۱۸ سال دیکھا ہے. تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تجارت کا سارا انتظام ہندو کے ہاتھ میں ہے. غلہ. کپڑا. تیل. غرض ہر چیز درآمد اور برآمد. گاؤں شہر. قصبہ. بستی میں ہر جگہ ہندو تجارت کرتا ہے. یعنی تجارت کا سارا منافع ہندو کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے.

یہ قصّہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا. ہر قصبہ اور بستی میں ان بستیوں میں بھی جو تمام تر مُسلمان بستیاں ہیں. بنیئے کی دوکان موجود ہے. یہ لالہ یہاں کا دوکاندار بھی ہے. اور مہاجن بھی. اشیا لاکر بیچتا ہے. مال باہر بھیجتا ہے. اور سود پر اپنا روپیہ بھی چلاتا ہے. مجھے یاغستان میں بھی جانے کا اتفاق ہُوا ہے. یاغستان پٹھانوں کا ملک. اور پٹھان سخت مُسلمان. مگر یاغستان کے ہر گاؤں میں ایک ہندو بنیا موجود ہے. گاؤں کی تجارت حساب کتاب اور سود پر روپیہ دینا یہ لالہ کے ہاتھ میں ہے

ہندو کو سود خواری سے فائدہ

یہ مہاجنی اور سود خواری کا سلسلہ بڑا خطرناک ہے. اس نے اسلامی جماعت کو کھوکھلا کر دیا ہے. لالہ سود لیتا ہے. اور مُسلمان صرف سُود دیتا ہے. لیتا نہیں. مسلمانوں میں خال خال تجار ہونگے. جو علانیہ سود پر روپیہ چلاتے ہوں. سود کی صُورت میں مُسلمانوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی ہندو کے گھر میں خاموشی سے چلی جاتی ہے. مُسلمان مقروض قوم ہے. سود کی رقم سن کر آپ کو حیرت ہوگی. پنجاب میں مالیہ کی جتنی آمدنی

ہے۔ اس سے دس گنا رقم پنجاب کے مسلمان قوم کے افراد ہندو سود خوار کو ہر سال ادا کرتے ہیں۔ سرکار تو سرکار ہے اور مالیہ کی آمدنی سے سرکار کا سارا انتظام چلتا ہے۔ مگر دیکھئے کس مسکینی اور خموشی کے ساتھ بنیا اس کا دس گنا مسلمان قوم سے وصول کر لیتا ہے۔ جس قوم سے اتنی گرانقدر رقم ہر سال خارج ہو جائے۔ بھلا اس کے پاس افلاس و ناداری کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔

توان اقتصادی حالات کے ماتحت ہندو درمیانی طبقہ خوش حال اور کھاتا پیتا ہے۔ وہ دکاندار ہیں۔ تاجر ہیں۔ آڑھتی ہیں۔ کارخانوں کے مالک ہیں۔ سود خوار ہیں اور مہاجن ہیں۔ مسلمان درمیانی طبقہ کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں۔ سوائے اس کے کہ وُہ یا تو کہیں پر محنت مزدوری کریں۔ درزی۔ دھوبی۔ نائی بن جائیں۔ یا پھر کسی چھوٹی موٹی سرکاری ملازمت کے سہارے اپنی ساری عمر گزار دیں۔

علاج

یہ صُورت حالات ایسی نہیں کہ مسلمان اس سے لاپرواہی برت سکے۔ آخر اس دُنیا میں ہر کام کے لئے اسباب اور روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ کہ کمائے تو غریب مُسلمان اور جب رقم ہاتھ میں آجائے تو ہینگ لگے نہ پھٹکری۔ مہاجن آئے اور اس رقم کو خموشی سے اپنی جیب میں ڈال کر لے جائے۔ اس ناداری اور افلاس کا علاج یہی ہے کہ مسلمان اپنی قسمت کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور ایسے قوانین بنائیں جن کی رو سے یہ صورت حالات بدل جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مسلمان قوم کے افراد خود قانون بنانے والے ہوں۔ چونکہ اگر مرکزی اسمبلی میں ۷۵ فیصدی ہندو اور ۲۵ فیصدی مسلمان ہونگے۔ تو کوئی بیوقوف ہوگا۔ جو اس بات کو مان لے کہ ہندو ایسا قانون پاس کر دے گا جو مسلمان قوم کے حق میں ہو۔ ۷۵ فیصدی ہندو اپنی قوم کے حق میں ووٹ دیں گے۔ وفاداری سے کام لیں گے۔ اور ہندو جاتی کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ہندوستان میں کارخانوں کا کھولنا

دنیا کی دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ - ۱۹۴۵) نے اب کوئی شکل اختیار کی ہے حالات کی مجبوریوں سے سرکار ہند نے یہ ضروری سمجھا کہ ہندوستان میں بھی کارخانے قائم کئے جائیں۔ یہ خیال لڑائی کے دوران میں شدت سے نمودار ہوا۔ مگر اس پر سستی سے عمل کرنا ممکن ہو سکا۔ کیونکہ حالات مساعد نہ تھے۔ اب لڑائی جو ٹھنڈی پڑ ی ہے۔ تو ہندوستان میں ہر طرح کے کارخانے قائم کئے جا رہے ہیں۔ کپڑا۔ تیل۔ صابن۔ شیشہ

کاغذ. کھاد. بسکٹ. دغیرہ وغیرہ. ولائت سے کارخانے کی مشینری آتی ہے. اور گورنمنٹ آف انڈیا اس کارخانے کا مناسب مقام ہندوستان کے کسی شہر میں مقرر کر دیتی ہے. مگر یہ گورنمنٹ آف انڈیا کیا ہے. چونکہ ۷۵ فیصدی ہندو ہندوستان میں آباد ہیں ہندوؤں کا گورنمنٹ آف انڈیا کے مرکزی دفاتر میں زور ہے بلکہ وہاں تو ۹۰ فیصدی ہیں. ٹکنیکل. ریسرچ. سیاسی تمام محکموں کے مائی باپ یہی ہیں. تو وہ کارخانوں کو ایسے مقامات پر لگا رہے ہیں جہاں ہندو آبادی اور ہندو زور زیادہ ہے. تحقیق سے اعداد کا مطالعہ کر کے دیکھ لو.

اس کا نتیجہ یہ ہو گا. کہ مسلمان علاقے زراعتی علاقے بن جائیں گے. اور کسی وطن میں زراعتی علاقوں کا قائم رکھنا بھی ضروری ہے ہندو علاقے کارخانہ دار علاقے ہو جائیں گے. وہاں زراعت بھی ہو گی. اور مصنوعات بھی. شمالی ہند میں بہت کم کارخانے ہیں. اور بہت کم کارخانے قائم ہو رہے ہیں. علمِ اقتصاد کے قوانین یہ کہتے ہیں. کہ کارخانہ داروں کے ہاتھ میں اقتصادی قوت کے ساتھ ساتھ سماجی قوت اور سیاسی قوت بھی آ جاتی ہے. وُہ اسمبلی کے ممبروں کو اپنے روپے سے خرید لیتے ہیں. اپنے حسب منشا قوانین بنواتے ہیں. خود امیر بنتے جاتے ہیں. اور دوسروں کو افلاس میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں. اس طرح سے مسلمان علاقے متحدہ ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے نادار اور مفلوک الحال بن جائیں گے.

مقالہ ۸

قومیت کے عناصر کی بنا پر ہندوستان کی تقسیم

ہم نے مقالہ نمبر ۲ (قومیت کے عناصر) میں دیکھا ہے کہ قومیت کی پیدائش، تعمیر اور سلامتی میں کون کون سے عناصر حصہ لیتے ہیں۔ ایک دفعہ پھر سُن لیجئے گا۔

I مادی عناصر

(۱) نسل (۲) وطن (۳) سلطنت (۴) اقتصادی حالات

II غیر مادی عناصر

(۵) زبان (۶) مذہب (۷) قومی ادب (۸) روایات (۹) تعلیم (۱۰) تمدن اور تہذیب (۱۱) قانون (۱۲) ظلم (۱۳) قوم بننے کی خواہش۔

ہم نے مقالہ ۵ میں اس بات کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ کہ آیا ہندوستان میں مشترکہ طور پر قومیت کے عناصر موجود ہیں یا نہیں۔ یعنی تمام ہندوستان کے باشندوں کو اگر ایک قوم فرض کیا جائے۔ تو آیا اُن میں قوم بننے اور قوم کی حیثیت میں بڑھنے پھولنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت موجود ہے کہ نہیں۔ ہم نے اس مقالے میں دیکھا کہ ہندوستان میں یہ صلاحیت موجود نہیں۔

اسی سوال کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہندوستان کی مختلف جماعتوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو قوم فرض کر لیا جائے۔ تو کیا ہر جماعت قوم بن کر نشوونما پا سکتی ہے یا نہیں۔ مثلاً ہندو، مسلمان، اچھوت وغیرہ الگ الگ کر دیئے جائیں۔ تو کیا یہ جماعتیں الگ الگ قومیت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اب ہم اس مسئلے کا مطالعہ اس نگاہ سے کرتے ہیں۔

نسل کے لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم

ہندوستان میں ۹ نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ اس کا مختصر سا

تذکرہ مقالہ ۵ میں ۴۰ صفحہ پر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو نقشہ ہندوستان کی نسلی تقسیم صفحہ ۴۱

(۱) ترکو ایرانی نسل (۲) ہند آریائی نسل (۳) سیتھین نسل (۴) سیتھو دراوڑی نسل (۵) آریہ دراوڑی نسل (۶) منگول نما نسل (۷) منگو دراوڑی نسل (۸) دراوڑی نسل (۹) کولہ نسل

ترکو ایرانی لوگ۔ ایرانی یعنی آریائی نسل سے ہیں اس لئے ان کا نسلی تعلق ہند آریائی نسل سے قریبی ہے۔ سیتھین لوگ تورانی ہیں۔ ان کے خدوخال تو آریائی سے مختلف ہیں مگر رنگ ملتا جلتا ہے۔ سفید جس میں سرخی نمایاں۔ رنگ اتحاد و عصبیت پیدا کرنے کے لئے بڑا تسلی بخش عنصر ہے۔ اس لئے نسل کے لحاظ سے آریا اور سیتھین کو ایک وسیع گروپ شمار کیا جا سکتا ہے۔ منگول نما نسل کے لوگ ہندوستان سے باہر آباد ہیں۔ برما۔ بھوٹان نیپال۔ اس لئے یہ نسل ہماری بحث سے خارج ہے۔ دوسری طرف اہم نسلی گروپ دراوڑی ہے۔ آریا دراوڑی اودھ میں۔ سیتھو دراوڑی مہاراشٹر میں۔ البتہ دراوڑ اور منگول خون کے امتزاج سے منگو دراوڑی نسل پیدا ہوئی ہے۔ جو آجکل بنگالہ کے لوگ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ تہذیب کے لحاظ سے آریا نسل کے اسقدر قریب آگئے ہیں۔ کہ اپنے منگول اصل کو تقریباً فراموش کر چکے ہیں۔

نسل اسلئے افراد کو ایک جماعت میں جمع ہونے کی ترغیب دلاتی ہے۔ کہ ان افراد کے خدوخال ایک ہوتے ہیں۔ رنگ ایک ہوتا ہے۔ اور نسلی خصوصیات یعنی اخلاق و عادات اور ضمیر ایک ہوتی ہے۔ ان باتوں پر غور کریں تو ہندوستان کے دو نمایاں فرقے بنجاتے ہیں۔ ایک قطب پر خالص آریا نسل کا فرد۔ اور دوسرے قطب پر خالص دراوڑی نسل کا فرد۔ ان دونوں میں بیّن فرق نظر آتا ہے۔ آریا سفید رنگ، سرخی لئے ہوئے۔ دراز قامت کھڑی ناک۔ متناسب بدن۔ خوبصورت خدوخال۔ دراوڑ۔ سیاہی میں سلیٹی رنگ لئے ہوئے۔ قد میں کوتاہ۔ ذرا چپٹی ناک۔ شانے بھاری۔ بدن سڈول۔ خدوخال معمولی۔ ان دونوں کے خیالات اور عادات میں بھی بہت اختلاف ہے۔ جو لباس۔ خوراک۔ گفتگو۔ طرز رہائش سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

نسل کے لحاظ سے ہندوستان کے یہ دو حصے تو صاف ہو گئے۔ باقی نسلیں ہیں۔ منگول دراوڑی۔ آریا دراوڑی سیتھو دراوڑی ان کو چاہئے تو آریا کے ساتھ ملا لو یا دراوڑ نسل کے ساتھ۔ یا بانٹ کر کچھ حصہ ادھر اور کچھ حصہ ادھر کر لو۔ یا ان کا ایک یا زیادہ الگ گروپ بنا لو۔ البتہ کولہ نسل ان سب سے الگ ہے۔ اس لئے اس کو الگ رکھنا پڑے گا۔ سیتھین نسل کے لوگ، راجپوت، یعنی آن بان اور

اخلاق کے لحاظ سے باقی تمام ہندوؤں سے مختلف ہیں۔ اس لئے ہندو ہوتے ہوئے بھی ان کو نسل کے لحاظ سے الگ شخصیت حاصل ہے۔

(۲) وطن

ابھی تو سارا وطن انگریزی تاج کا چمکدار ہیرا ہے۔ البتہ اس کو اب الگ الگ قسموں میں تقسیم کرنا ہے۔

(۳) سلطنت

ہر ایک نسل کی الگ الگ سلطنت اس وقت بنے گی جب الگ الگ وطن اُن کے قبضے میں آجائے گا۔

(۴) اقتصادی حالات

ہندو مسلمانوں میں اقتصادی اختلاف پر ۸ صفحہ پر بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان نسل پرست نہیں مذہب پرست ہے۔ یہاں ہر کام میں مذہب آگے رہتا ہے۔ اس لئے اقتصادی جھگڑا نسلی نہیں فرقہ وارانہ ہے۔ اور ہندوستان کے فرقے مذہب پر منحصر ہیں۔ ہندو مسلمان۔ اچھوت۔ عیسائی۔ سکھ۔ پارسی وغیرہ۔ ان سب کے اقتصادی مفاد ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔

(۵) زبان کے لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم

ہندوستان کی لسانی تقسیم کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے صفحہ ۱۴۴ ہندوستان میں ۴۲ زبانیں ایسی بولی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک ملیون افراد سے زیادہ بولتے ہیں۔ اب اگر ہندوستان کی مشترکہ زبان بنانا مقصود ہے۔ ایک یا زیادہ۔ تو ہمیں ان زبانوں کو گروپوں میں جمع کرنا پڑیگا وہ زبانیں جو ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہوں ان کا ایک گروپ بنا لیا جائے۔ ان زبانوں کی ایک مشترکہ عمومی زبان ہو۔ جس کا رسم الخط ایک ہو۔

ہندوستان کی زبانوں کے گروپ

آریائی خاندان کی زبانیں

(۱) ترکوایرانی زبانیں۔ پشتو۔ بلوچی۔ غلچہ۔ اسلامی علاقے کی زبانیں ہیں۔ ان کا رسم الخط عربی ہے۔ اور ان کا ادب اسلامی تہذیب اور تاریخ سے معمور ہے۔

(۲) میانی زبانیں۔ ترکوایرانی اور ہندآریائی زبانوں کے درمیان۔ یہ پہاڑی علاقے کی زبانیں ہیں اور اس مسئلے کے لحاظ سے

کم اہمیت رکھتی ہیں۔

(۳) ہند آریائی زبانوں کا گروپ

(۱) مرکزی زبان۔ اردو

(۲) زبانوں کا اندرونی حلقہ۔ پہاڑی۔ پنجابی۔ راجستھانی۔ گجراتی۔

(۳) زبانوں کا بیرونی حلقہ۔ کشمیری۔ کوہستانی۔ لہندا۔ سندھی۔ مرہٹی۔ بہاری۔ اڑیا۔ بنگالی۔ آسامی

اردو کو فرنگی اقوام نے ہندوستانی اس لئے کہنا شروع کیا۔ کہ جب وہ ہندوستان میں آئے تو اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جس کو ہندوستان کے طول وعرض میں باقی زبانوں کی نسبت سب سے زیادہ تعداد میں لوگ بولتے تھے۔ ہندوستان کی زبان ہندوستانی جیسے انگریز کی انگریزی اور جرمن کی جرمنی۔ اب بھی ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد باقی سب زبانوں کی نسبت زیادہ ہے۔ اور اردو ہندوستان کے ہر کونے میں سمجھی جاتی ہے۔ جب سیاسی بیداری ہوئی تو ہندو نے اس کا نام ہندی ہندوستانی رکھ دیا۔ اس میں سنسکرت کے بہت سے الفاظ شامل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور عمل شروع کر دیا۔ اسکا رسم الخط دیوناگری قرار پایا۔

اردو کا اصل رسم الخط فارسی ہے۔ جو عربی رسم الخط سے نکلا ہے۔ ہندو کا یہ کہنا ہے۔ کہ عربی مسلمانوں کی زبان ہے۔ جسمیں قرآن لکھا ہوا ہے۔ اس لئے عربی خط یا فارسی خط ہندوؤں کا قومی خط قرار نہیں پا سکتا۔ بلکہ اُن کا قومی خط دیوناگری ہے۔ جس میں وید اور ہندوؤں کی دیگر مقدس کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ اب اردو فارسی رسم الخط میں جیساکہ وہ مروج تھا مسلمانوں کے حصے میں آیا۔ اور ان کی قومی زبان قرار پایا۔ انہوں نے اس کو ترقی دینا شروع کیا۔

اب اس ایک ہندوستانی زبان کی دو شکلیں ہو گئیں۔ ایک ہندوؤں کی قومی زبان ہندی۔ دوسری مسلمانوں کی قومی زبان اردو۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہند آریائی زبانوں کے گروپ کو ان دو حصوں میں کسطرح سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی کسی ادبی لٹریچر کے بغیر ہے۔ اس لئے بحث سے خارج۔ پنجابی زبان۔ اردو اور گورمکھی دونوں ابجدوں میں لکھی جاتی ہے۔ دیوناگری میں نہیں اس لئے اردو کی طرف آگئی۔ راجستھانی۔ اردو کے بہت قریب ہے۔ مگر ہندو حلقے کی زبان۔ اس لئے اگر ہندو مرکز زور لگائے تو اپنا رسم الخط بدل کر ہندی کی طرف جا سکتی ہے۔ آجکل راجپوتانے میں اردو سرکاری زبان ہے۔ فارسی رسم الخط میں۔

گجراتی کا رسم الخط اپنا ہے. جو دیوناگری خط کے بہت قریب ہے. اور یہ ہندو علاقے کی زبان ہے. اس لئے ہندی کے لسانی گروہ میں چلی جاتی ہے.

زبانوں کا بیرونی حلقہ لیجئے. کشمیری. اس میں بھی کوئی سائنس تاریخ یا ادب کی کتاب موجود نہیں. ۹۵ فیصدی مسلمان علاقہ ہے لوگ کشمیری کو فارسی رسم الخط میں لکھتے ہیں. اگرچہ کشمیری پنڈتوں کے ہاں ایک بہت پرانا رسم الخط چلا آتا ہے. جو اپنی طرز کا نرالا ہے اور دیوناگری سے ایک حد تک مختلف ہے. کوہستانی کسی شمار قطار میں نہیں جہاں جی میں آئے رکھ دو. لہندا. زبانچہ ہے. زبان کہلانے کی مستحق نہیں. کوئی کتاب موجود نہیں جسے کتاب کہا جا سکے. مگر اسلامی علاقہ ہے. اور اس کو لکھتے فارسی حروف میں ہیں. سندھی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے. اور تمام علاقہ اسلامی ہے. مرہٹی بہاری. اڑیا. بنگالی. ہندوستان کی یہ اکثر توں سے نکلی ہوئی زبانیں ہیں جن کا ماخذ سنسکرت ہے. ان میں بہت سے الفاظ ملتے جلتے ہیں. انکا اپنا اپنا ابجد ہے. یہ سب ابجد قدیم ہند کے ابجد سے استخراج کئے گئے ہیں جس سے کہ دیوناگری ابجد استخراج کیا ہے. اس لئے ان تمام زبانوں کے رسم الخط دیوناگری سے بہت ملتے جلتے ہیں. آسامی زبان کے متعلق کوئی علم نہیں.

تو اسطرح سے پہاڑی. پنجابی. کشمیری. کوہستانی کا ایک حصہ. لہندا. سندھی. اردو کے حلقہ میں شامل ہوگئیں. راجستھانی. گجراتی. مرہٹی. بہاری. اڑیا. بنگالی ہندی کے حلقے میں آگئیں. یہ دو الگ الگ لسانی گروپ بن گئے. ترکو ایرانی زبانیں چونکہ وہ بھی اسلامی علاقے کی زبانیں ہیں. اس لئے اردو کے حلقے میں شامل ہوگئیں.

B . دراوڑی زبانیں.

(۱) دراوڑ گروپ . تامل . ملیالم . کناری . ٹولو . کروخ

(۲) اندھرا گروپ . تلگو . کانڈھ . کولای

(۳) برہوی . بلوچستان کے ایک چھوٹے سے علاقے میں بولی جاتی ہے.

برہوی تو اس قدر مختصر حیثیت رکھتی ہے. کہ بحث سے خارج ہے. باقی تمام دراوڑی زبانیں جنوبی ہندوستان میں بولی جاتی ہیں.

دراوڑی زبانوں کی خصوصیات کا آریائی زبانوں کی خصوصیات سے مقابلہ

دراوڑی زبانوں کی بناوٹ اور خصوصیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں. چونکہ یہ ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں. مگر آریائی زبانوں سے دراوڑی زبانوں کی بناوٹ خصوصیات اور ذخیرہ الفاظ بالکل جُداگانہ ہے. ہندوستان میں جتنی آریائی خاندان کی زبانیں اس وقت مروج ہیں. (منجملہ آریائی زبانیں) ان کا بہترین نمائندہ اس وقت ہندوستانی ہے. (اس کا نام اردو رکھ لو یا ہندی) اس کا مقابلہ ہم دراوڑی زبانوں سے کریں گے. مدراس پریزیڈنسی کی مینوآل آف ایڈمنسٹریشن میں لکھا ہے. (اس مینوآل کی عبارت صرف دراوڑی زبانوں کے متعلق تھی. ہیں نے آریائی خاندان کی زبان یعنی اردو سے مقابلہ کرنے کے لئے بریکیٹ میں اپنی طرف سے ریمارک لکھے ہیں)

دراوڑی زبانوں میں غیر ذی روح اجسام اور غیر ذی عقل جانداروں کے تمام اسماء کو لاجنس (نیوٹر جنڈر. نہ مذکر نہ مونث) مانا جاتا ہے (لیکن اردو میں غیر ذی روح اجسام. میز مذکر. کرسی. مونث. درخت مذکر. ٹہنی مونث. ہر ایک کو الگ الگ جنسوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یا اسے مذکر باندھا جاتا ہے یا مونث. اسی طرح سے تمام جانوروں. کیڑوں مکوڑوں کی تذکیر تانیث موجود ہے.) مرد عورت کا امتیاز صرف غائب کی ضمیر میں ظاہر ہوتا ہے. اور ان اسمائے صفت میں جو ضمیری رکن بطور لاحقہ لگا کر بنائے جائیں. اور فعل کے صیغۂ غائب میں. باقی تمام حالتوں میں تذکیر تانیث کا امتیاز علیحدہ الفاظ کے اضافہ کرنے سے پیدا کیا جاتا ہے. جن کے معانی 'نر' اور 'مادہ' کے ہوتے ہیں. دراوڑی اسماء میں تصریف 'حالت' (   ) کے رکنوں سے اضافہ کرنے سے پیدا نہیں کی جاتی بلکہ لاحقہ کے حروف لگانے اور ایسے ٹکڑوں کے اضافہ کرنے سے جو علیحدہ کئے جا سکیں (گھوڑا. دوڑا. گھوڑے کو دوڑایا گھوڑوں کو دوڑایا. حالت فاعلی. حالتِ مفعولی. حالتِ اضافی کے ساتھ استعمال کرنے کے لئے اردو میں الگ الگ رکنوں کا اضافہ کیا جاتا ہے. گھوڑا. گھوڑے. گھوڑوں) دراوڑی لاجنس اسماء کو شاذ و نادر ہی جمع بولا جاتا ہے. (حالانکہ اردو میں درخت دیوار. پنسل سب کی ضرورت کے وقت جمع بنالی جاتی ہے) دراوڑی زبانوں میں سابقے لگانے کی بجائے ہر جگہ لاحقے لگا کر الفاظ بنائے جاتے ہیں. (اردو میں سابقوں اور لاحقوں دونوں کا استعمال کیا جاتا ہے. دراوڑی اسمائے صفت میں کوئی تصریف پیدا نہیں کی جا سکتی (یعنی ان کی شکل وہی رہتی ہے. حالانکہ اردو میں صفت کا آخری حصہ معانی کے ساتھ بدل جاتا ہے

ہند آریائی زبانوں کے برخلاف ان (دراوڑی) زبانوں کی خاص صفت یہ ہے کہ جہاں کہیں ممکن ہو وہ اسمائے صفت یعنی ان الفاظ کی بجائے جن کو اصطلاح میں صفت کہتے ہیں۔ وہ فعلوں کے نسبتی زمانے کے استعمال کو ترجیح دیتے ہیں۔ دراوڑی زبانوں کی (اور منڈا زبانوں کی بھی) ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صیغہ جمع متکلم کے لئے ضمیر کے دو حروف موجود ہیں۔ ایک ضمیر تو ایسی ہے کہ اس میں مخاطب شدہ شخص بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اردو سمری میں نہیں ہوتا۔ دراوڑی زبانوں میں فعل مجہول موجود نہیں۔ اس کو ایسے افعال سے بیان کیا جاتا ہے۔ جو 'زیر عمل ہونا' (سہنا جھیلنا) کے معنی رکھتے ہیں۔ (اردو میں کہتے ہیں۔ سہراب مارا گیا۔ دراوڑی میں کہیں گے سہراب مارنے کے زیر عمل ہوا۔) ہند آریائی زبانوں میں فعل کی گردان کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف دراوڑی زبانیں ملحقہ صفات کے استعمال کو ترجیح دیتی ہیں۔ وہ صفات جن میں فعل کے بھی بعض خواص ہوتے ہیں۔ (گویا دراوڑی زبانیں علیحدہ صفتوں کے رکن بہ مرتبہ فعل کے ساتھ بڑھا کر فعل سے یہ کام لیتی ہیں۔ کہ وہ مختلف ضمیروں۔ مجہول و معروف اور مختلف زمانوں کا اظہار کر سکے۔ اردو میں کہا جاتا ہے۔ وہ آیا۔ وہ آتا ہے۔ وہ آتے ہیں۔ تو آتا ہے۔ تم آتے ہو۔ میں آتا ہوں۔ ہم آتے ہیں۔ گویا فعل کے نفس کلمہ میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ اسے کہتے ہیں فعل کی گردان) دراوڑی نظام افعال میں ایک فعل کی منفی صورت ہے۔ ایک مثبت صورت (حالانکہ اردو میں نہ۔ نہیں وغیرہ لگا کر منفی کا اظہار کیا جاتا ہے) دراوڑی زبانوں کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ان جملوں کی بجائے جو ضمائر موصولہ کے ساتھ آتے ہیں۔ ان زبانوں میں اسماء کو بطور موصولہ ٹکڑوں کے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ موصولہ ٹکڑے فعل کی مختلف منفی صورتوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اسطرح کہ فعل میں ایک اشتقاقی لاحقے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً تامل میں اگر کہنا ہو "وہ شخص جو آیا" تو اس کو لفظاً یوں ادا کریں گے۔ 'وہ جو آیا' یعنی 'آنے والا' اردو میں کہا جاتا ہے۔ جو تمہارے دوست ہیں۔ ان پر اعتبار کرو۔ جس کو نہیں دیکھا۔ وہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ وہ لوگ اب کہاں، جو خلوص کے بندے تھے۔ ان فقروں میں۔ جو۔ جس۔ وہ۔ تو ضمائر موصولہ ہیں۔ ہر ضمیر موصولہ کے بعد ایک جملہ آیا ہے۔ جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے۔ دراوڑی زبانوں میں ان فقروں کی بجائے اسموں۔ اسم کی صفتوں۔ اور ان کے ٹکڑوں کا بطور ملحقہ کرن استعمال ہوتا ہے)

تو ہم نے دیکھا کہ آریائی زبان اور دراوڑی زبان میں کتنا تفاوت ہے۔ گرامر۔ لغت۔ بناوٹ۔ اصوات۔ طرز تخیل سب جُداگانہ ہیں۔ حقیقت میں ہندوستان کی دراوڑی زبانوں کا تعلق اس لسانی خاندان سے ہے۔ جس کو وہ اقوام بولتی ہیں۔ جو مدراس کی

مشرق کی جانب آباد ہیں۔ ملایا۔ بورنیو۔ آسٹریلیا کے اصلی باشندے۔ آریائی زبانوں کا خاندان ایشیا میں پنجاب سے مغرب کی طرف چلتا ہے۔ بلوچستان۔ ایران پھر تقریباً تمام یورپ پر اس خاندان کا راج ہے۔

C ۔ منگول نما زبانیں

منگول نما زبانیں اور کولر زبانیں

اس لسانی جماعت سے متعلق مندرجہ ذیل زبانوں سے ہمارا تعلق پیدا ہوتا ہے کھسیا زبان جو آسام میں بولی جاتی ہے۔

خلیج مرتبان کی تا لینگ زبان

تبت کی بھٹیا زبان۔ بلتستان۔ لداخ۔ سکم۔ بھوٹان۔ نیپال۔ اور برما کی مختلف زبانیں۔

یہ سب زبانیں ہندوستان سے باہر بولی جاتی ہیں۔ اس لئے ہماری بحث سے خارج ہیں۔

D ۔ کولر زبانیں

کولر نسل کے لوگ۔ ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں آبادی کے اندر مل جل کر رہتے ہیں۔ ان کی اپنی زبان کولر زبان ہے۔ جس کو منڈا زبان بھی کہتے ہیں۔ کولر زبان کا خاص علاقہ چھوٹا ناگپور ہے۔ اس علاقے میں کولر لوگ اپنی زبان بولتے ہیں۔ اور اس علاقے سے بہت دور افتادہ علاقوں میں بھی وہ اکثر اس علاقے کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ کولر زبان چھوٹا ناگپور کے باہر بنگال۔ اڑیسہ۔ مدراس اور ممالک متوسط کے ہمسایہ اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ شمالی برار کی مہادیو کی پہاڑیوں میں بھی کسی حد تک مروج ہے۔

۱۹۰۱ میں کولر لسانی گروپ کی بڑی بڑی زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد یہ تھی۔ کھیرواری ۴۸۷ ۲ ہزار کرکو ۸۷ ہزار کھڑیا۔ ۱۰۱ ہزار۔ جوانگ ۱۰ ہزار۔ سوارا ۱۵۷ ہزار۔ گڈابا ۳۷ ہزار۔ کولر گروپ کی زبانیں بولنے والوں کی کل تعداد ۳۲ لاکھ۔

دراوڑی اور کولر زبانوں کا مقابلہ

بعض عالموں کا یہ خیال ہے۔ کہ دراوڑی زبانوں اور کولر زبانوں میں کوئی خاندانی تعلق یا لسانی تعلق موجود ہے۔ مگر تحقیق نے ثابت کیا ہے۔ کہ ایسا کوئی تعلق موجود نہیں۔ ہندوستان کی ساری زبانوں کے مشہور محقق سر جارج گریرسن۔ جن کی گرانقدر تحقیقات کے زیر احسان ہندوستان کی لسانی دنیا طویل عرصے تک رہے گی۔ یہ لکھتے ہیں۔ (امپیریل گزیٹیر آف انڈیا۔ جلد اول۔ ۱۹۰۷) "ہم دراوڑی اور منڈا زبانوں کے کسی پہلو

پر غور کریں یعنی سلسلۂ اصوات طریق تصریف یا لغت ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے تلفظ تذکیر تانیث کے اظہار کے طریق۔ اسماء کی گردان۔ فعل کا مفعول سے تعلق ظاہر کرنے کے طریق ہندسوں کے نظام۔ گردان کے طریقوں۔ نفی بیان کرنے کے طریقوں اور اپنے اپنے ذخیرۂ الفاظ میں اختلاف ہے۔ وہ چند نکات جن میں یہ زبانیں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں ایسے نکات ہیں جو ساری دنیا پر پھیلی ہوئی بہت سی زبانوں میں مشترک ہیں"۔

"منڈا زبانیں ایسی ہیں کہ لفظ یا ٹکڑے پہلو بہ پہلو چسپاں ہوتے جاتے ہیں۔ اور اُنہوں نے اس خصوصیت کو نہایت مکمل طریقے سے قائم رکھا ہوا ہے۔ لاحقہ لاحقہ کے ساتھ چسپاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ دونوں لاحقوں کے بیچ میں پیوست کُن رکن امداد کیلئے داخل کیا جاتا ہے۔ حتےٰ کہ ایسے لفظ بن جاتے ہیں جو فقروں کے معنی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ 'ڈل' کے معنی ہیں مارنا۔ اس سے ہم یہ لفظ بناتے ہیں۔ ڈَ۔ پَہ۔ ل۔ اوکو۔ آکن۔ ٹاہن۔ ٹائی۔ ٹین۔ آ۔ ای جس کے معنی ہیں۔ وہ، جو اس سے تعلق سے رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو لڑوانے پر جاری رکھے گا؛ نہ صرف یہ کہ ہم اس محاورہ گوئی کے طریق گفتگو کو اگر چاہیں تو اختیار کر لیں۔ بلکہ یہ کہ ہمیں یہی اختیار کرنا لازم ہے"۔ اس کے بعد گریرسن مُفصل طور پر بیان کرتا ہے کہ منڈا (کولر) اور دراوڑی زبانیں کن کن وجوہات کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ہندوستان کی لسانی تقسیم

تو اب ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوستان میں مندرجہ ذیل خاندانوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان کے بولنے والوں کی تعداد بھی مقابلہ کی غرض سے دے دی گئی ہے

	۱۹۰۱ء میں بولنے والوں کی تعداد
آریائی خاندان کی زبانیں	۲۲ کروڑ تقریباً
دراوڑی خاندان کی زبانیں	۵½ کروڑ "
منگول نما زبانیں ہندوستان کی حدود میں	۳ لاکھ "
کولر خاندان کی زبانیں	۳۲ لاکھ "

زبانوں کے چاروں خاندان ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کیا بلحاظ الفاظ کے اور کیا بلحاظ گرامر۔ دونوں کا طریق اظہار

خیال. لب ولہجہ. اور اسلوبِ فصاحت ایک دوسرے سے مختلف ہے. ان لوگوں کے گلے کے عضلات جو ایک خاندان کی زبان بولتے ہیں. دوسرے خاندان کی زبان بولنے کے لئے نامناسب ہیں. ان میں سے وہ آوازیں ہی نہیں نکل سکتیں وادل (vowel) اور مرکب وادل تو بالکل ادا نہیں ہو سکتے. کانسوننٹ اور اُنکے مُرکب بھی دقت سے ادا ہوتے ہیں. فوراً معلوم ہو جاتا ہے. کہ بولنے والے شخص کی یہ مادری زبان نہیں ہے. محاورے. ترکیبیں. بندشیں اور مفہوم ادا کرنے کے طریقے ہر زبان میں مختلف ہیں ایک خاندان کا لب و لہجہ اور زبان کا اتار چڑھاؤ دوسرے خاندان کی زبانوں سے اس درجہ مختلف ہے کہ اگر ایک خاندان کی زبان دوسرے خاندان کے لہجہ میں بولی جائے. تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان نہیں بولی جا رہی بلکہ زبان کا حُلیہ بگاڑا جا رہا ہے. تازہ وارد ولائتی انگریز اردو کو اسی طرح سے بولتا ہے. دراوڑ کے لئے آریائی زبان کا سیکھنا محال ہے. اور آریا کے لئے دراوڑ زبان کو پورے طور پر سیکھنا ناممکن. دونوں کی ضمیر. طریق تخیل. گلے کے عضلات. آب و ہوا اور بندشوں میں اس درجہ اختلاف ہے. کہ ایک خاندان کے فرد کے لئے دوسرے خاندان کی زبان پر عبور حاصل کرنا نہایت مشکل امر ہے.

ان چار لسانی خاندانوں میں سے ایک یعنی منگول نما زبانوں کا خاندان تو نکل گیا. چونکہ یہ زبانیں ہندوستان سے باہر بولی جاتی ہیں. باقی آریائی زبانیں. دراوڑ زبانیں اور کولر زبانیں رہ گئیں. انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے. اور زبان کسی جماعت کی تخصیص کے لئے ایک عنصر مقرر کیا جائے. جیسا کہ یہ ہے. تو کولر زبانوں کو بھی اپنا وطن بنانے کا حق ملنا چاہیئے. مگر یہاں ایک بات یہ ہے کہ ان کے بولنے والوں کی تعداد بہت کم ہے. یعنی آریا زبانوں کے بولنے والے ۲۱۹۷ لاکھ. اور دراوڑی زبانیں بولنے والے ۵۶۵ لاکھ ۱۹۰۱ کی مردم شماری کے مطابق تھے. تو کولر بولنے والے ۳۲ لاکھ. اس کا یہ مطلب ہوا کہ کولر بولنے والے دراوڑ بولنے والوں کا صرف ۵۶۶ فیصدی ہیں اور آریائی زبانوں سے ۱/۲ اس سے بھی کم. پھر کولر غریب زندہ تو ہیں مگر مردہ سے بدتر. زندگی میں اپنی لاش کندھوں پر اُٹھائے پھرتے ہیں. زبان رکھتے ہیں بولتے نہیں. چونکہ ان کی آواز کوئی نہیں سُنتا. دل رکھتے ہیں. مگر وہ دھڑکتا نہیں. چونکہ اس کی دھڑکن سے کوئی متاثر نہیں ہوتا. وہ ہندوستان میں رہتے ہیں. مگر ان کا کوئی پرسان حال نہیں. ان کے وجُود کا نشان بھی تو کسی بحث مباحثے سے ظاہر نہیں ہوتا جس قوم میں ہمت. قوت. اور دولت نہ ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے. اس کارزار ہستی میں مذہب و ملت پر منحصر نہیں. جو قوم مسلمان ہندو. سکھ. عیسائی. اس انحطاط تک گر جائے گی. وہ دُنیا میں موجُود ہوتے ہُوئے بھی معدوم کہلائے گی.

اس لئے اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو زندگی کے آثار پیدا کرو۔

تو زبان کے لحاظ سے کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ کہ دراوڑ لوگوں کو کیوں اُن کی قومیت کا حق نہ دیا جائے۔ انہیں اپنی الگ جمہوریت بنانے کا حق ملنا چاہیئے۔ لسانی لحاظ سے ہندوستان کے۔ اس طرح سے تین حصے ہو جاتے ہیں۔

A ۔ آریائی ہندوستان

(۱) اردو کا علاقہ۔ اس میں یہ زبانیں شامل ہوگئیں۔

سندھی۔ بلوچی۔ پشتو۔ لہندا۔ کشمیری۔ پنجابی۔ پہاڑی۔ راجستھانی کا ایک حصہ۔ اردو بولنے والا مرکزی علاقہ

(۲) ہندی کا علاقہ۔ اس میں یہ زبانیں شامل ہوگئیں

گجراتی۔ مرہٹی۔ راجستھانی کا ایک حصہ۔ پوربی۔ اڑیا۔ بہاری۔ بنگالی۔

B ۔ دراوڑی ہندوستان

(۳) دراوڑی علاقے میں تمام دراوڑ خاندان کی زبانیں شامل ہیں۔

تلگو۔ تامل۔ کناری۔ ملیالم۔ وغیرہ

اردو اور ہندی کو قومیت کے لحاظ سے دو الگ الگ زبانیں قرار دینا ضروری ہے

ہندو جماعت نے تو یہ فیصلہ صاف کر دیا ہے کہ ان کی قومی زبان اردو نہیں، ہندی ہے۔ نومبر ۱۹۳۶ میں لاہور میں آریہ سماج کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ اس میں کہا گیا " اردو ایک بدیشی زبان ہے۔ اور ہماری غلامی کی یادگار ہے۔ اس زبان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیئے۔ اردو نے جو ملیچھوں کی زبان ہے۔ ہندوستان میں رواج پا کر ہمارے قومی مقاصد کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ (محمد امین زبیری۔ مسلمانان ہند کی سیاست وطنی صفحہ ۱۴۱) اور ہم نے تاریخی حقائق کی رد سے مقالہ ۵ (کیا ہندوستان میں قومیت نے عناصر موجود ہیں۔ عنوان زبان۔ صفحہ ۴۴) میں دیکھا ہے۔ کہ اردو ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اس لئے اردو ہندوستان کی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور اپنی بناوٹ۔ گرامر کے لحاظ سے بھی آریائی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

مگر یہ بات عیاں ہے کہ اگرچہ اردو ہندو مسلمان تہذیبوں کے اتحاد کی نشانی ہے. مگر پیدا یہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہوئی. اسی زمانے میں اس نے فروغ پایا. اور لکھی فارسی حروف میں جاتی ہے. فارسی اسلامی زبان ہے. اس لئے ہندوؤں نے اسے نہ صرف ترک کر دیا. بلکہ بیسیوں نام رکھے. تو اگر اردو کا قصور یہ ہے. کہ اس کا تعلق مسلمانوں کے عروج اور ان کی مخصوص زبان فارسی سے ہے. تو مسلمان اُسے کیوں ترک کرے. وہ کیوں نہ اپنے عروج کی نشانی کو قائم رکھے. اور اس کو ترقی دے. اسقدر شستہ شیریں ترقی یافتہ اور ترقی کی اہلیت رکھنے والی زبان کو چھوڑ کر ہندی جیسی مصنوعی. صلاحیت میں محدود. اصوات میں اَدق. بندشوں میں مشکل اور غیر ترقی یافتہ زبان کو اختیار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے. اس لئے مسلمان اردو کو کبھی ترک نہیں کرے گا. تو اسطرح سے اُردو اور ہندی دو قوموں کی الگ الگ زبانیں ہوگئیں. अ ध वा = ०४ = २.०.

کانگرس نے فیصلہ کیا ہے. کہ ہندی ہندوستانی اور گاندھی جی کے الفاظ میں ہندوستانی اتھوا ہندی (اتھوا سنسکرت لفظ ہے. جس کے معنی ہیں یا یعنی) ہندوستان کی قومی زبان ہے. ہندوستانی وہ زبان ہے. جس کو شمالی ہندوستان کے اکثر باشندے بولتے ہیں. اور چونکہ کانگرس کہتی ہے. اس لئے اس ہندوستانی کا نام ہندی ہے. اگرچہ اصطلاح میں. کتابوں میں. اور عوام میں اسکو اُردو کے نام سے پکارا جاتا ہے. کانگرس کا یہ حکم ہے کہ مرکز میں اس ہندی ہندوستانی زبان کو دونوں رسم الخطوں یعنی دیوناگری اور فارسی میں لکھا جائے. یہ صرف اس لئے کہ مسلمان یہ نہیں مانتے کہ ہندوستانی کو صرف دیوناگری میں لکھا جائے. مگر تمام صوبوں کی دیسی زبانوں کا رسم الخط دیوناگری ہوگا. (اس کی مکمل بحث کے لئے صفحات ملاحظہ ہوں) لینگویج پرابلم آف انڈیا مصنف مہاتما گاندھی. صفحہ ۱۶. " ایک دیوناگری تحریک موجود ہے. اور میں بدل و جان اس کا حلیف بن گیا ہوں. غرض یہ ہے. کہ دیوناگری کو ان سب زبانوں کا جو مختلف صوبوں میں بولی جاتی ہیں. مشترکہ رسم الخط بنا دیا جائے. خاص طور پر ان صوبوں میں جہاں ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں. جن میں سنسکرت الفاظ کی تعداد زیادہ ہے". پنڈت جواہر لال نہرو اپنے خط میں لکھتے ہیں (صفحہ)

"ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی ہے. جو دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخطوں میں لکھی جائے گی."

دُنیا میں کوئی ایسی زبان نہیں جس کے دو رسم الخط ہوں ایک زبان کا ایک رسم الخط ہوتا ہے. اور جب دو رسم الخط کر دیئے جائیں تو ان میں الفاظ اصوات اور محاورے کا فرق آنا شروع ہو جاتا ہے. جب کانگرس نے تسلیم کیا. کہ ہندوستان میں دو رسم الخط رائج

دینے کی اجازت ہے۔ تو گویا کانگرس نے دو زبانوں کے وجود کو تسلیم کیا۔ یہ کہنا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ سیاسی شعبدہ ہے ممکن ہے کہ ابتدائی صورت اور سادہ عبارت میں ہندی اُردو ایک سے ہوں۔ مگر جب ان کو علوم و فنون کے لئے استعمال کیا جائیگا۔ جب سیاسی اور اقتصادی کام ان زبانوں میں ہوگا۔ تو لامحالہ اصطلاحات۔ ادق الفاظ۔ اور پیچیدہ محاورات داخل ہوں گے۔ دونوں زبانیں اپنی اپنی روش پر ترقی کریں گی۔ اور دو مختلف زبانیں بن جائیں گی۔ رسم الخط تو پہلے ہی دونوں کا مختلف ہے۔ ان دونوں کے استعارے۔ تشبیہیں۔ اسلوب بیان۔ بندشیں اور تلمیحات میں بعد المشرقین ہوگا۔ چونکہ ایک ان باتوں کیلئے سنسکرت کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور اردو، فارسی عربی سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ پروفیسر بینی پرشاد نے اس معاملے کو خوب سمجھا ہے۔ ان کی دلیل سن لیجیئے گا۔

Hindu Muslim Questions by Professor Beni Prasad page 120.

پروفیسر بینی پرشاد کی رائے اُسکے حق میں

"اس بات پر اکثر زور دیا جاتا ہے۔ کہ ہندی اور اردو کو اپنی اپنی روش پر ترقی کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ایک مصنوعی زبان (جو تمام ہندوستان کی قومی زبان بن سکے) کا معرض وجود میں لانا بیکار ہے۔ اس مسئلے کا حل اس پالیسی میں ہے۔ 'خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو' (مرنجاں مرنج زندگی گذارو) تاہم ان دو زبانوں کے فلسفہ میں اساسی مغالطہ موجود ہے۔ یہ مغالطہ نفسیاتی بھی ہے۔ اور سماجی بھی۔ یہ فلسفہ یہ خیال کرتا ہے۔ کہ سماج متضاد جماعتوں کے میکانی طور پر یکجا رہنے کا نام ہے۔ بلکہ اسے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ کہ سماج ایک ذی حیات سالم چیز ہے۔ اس بات کو ہم فوراً مان لیتے ہیں۔ کہ سماجی تعلقات میں معاہدہ ایک اہم عنصر ہے۔ مگر سماجی زندگی کے فلسفہ نے ۱۷ ویں صدی کے سماجی نظام نے جو سماج کی اساس اور فطرت کو معاہدانہ فرض کرتا ہے۔ عرصہ ہوا چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ سوسائٹی (سماج) ایک نفسیاتی عمل ہے۔ ایک سالم چیز جس کے عناصر ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔ اس سمت میں جتنی کامیابی حاصل ہو سماج اتنی ہی ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اور اسی پر سماج کی بہتر کارگذاری کا مدار ہے۔ یہ سماج کی اصولی فطرت ہے۔ جو اس بات کی ذمہ دار ہے۔ کہ ان لوگوں میں جو مستقل طور پر اکٹھے رہتے ہیں کم و بیش ایک ہی زبان لکھنے اور بولنے کا رجحان پیدا کرتی ہے جو چیز بھی اس قدرتی رجحان کو روکتی ہے۔ وہ گویا سماج کی جڑ کاٹتی ہے۔ باقی سب باتوں سے زیادہ ہمسایوں میں لسانی فرق مجنس

ہونے کے احساس کو جو کمیونٹی میں لازم قوت ہے، کمزور کر دیتا ہے۔"

اگر انجام کار یہی ہے تو ابتدا سے ہی :-

ہو جاؤں تہیّہ ہے ترے عشق میں بدنام آغاز کروں اس سے جو ہو گا میرا انجام ناموس

راہِ راست کیوں نہ اختیار کر لی جائے۔ اگر ہزار رسوائی، قوتوں کی تباہی، اور اپنوں بیگانوں میں بدنامی کے بعد بھی علیحدگی اختیار کرنی ہے جس سے کہ اردو اور ہندی کا حلقہ الگ الگ ہو جائے۔ تو عقل کا فیصلہ یہی ہے۔

آنچہ دانا کند، کند ناداں لیک بعد از ہزار رُسوائی

(۶) مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم۔

ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگوں کی تعداد

ہندوستان میں ان مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ ہندو مسلمان، عیسائی، سکھ، جین، پارسی، بدھ، یہود، قبائل

جمہوریت کے لحاظ سے ہندوؤں کے دو بڑے فرقے ہیں۔ جاتی ہندو، اچھوت ہندو، (ہریجن) سارے ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ہر چار نفوس جاتی ہندو کے مقابلے میں ایک اچھوت ہندو موجود ہے۔ گویا ۴ اور ایک کی نسبت

مردم شماری ۱۹۴۱

جاتی ہندو اور اچھوت کی تعداد۔ تمام ہندوستان کے اعداد

	صوبے	دیسی ریاستیں	سارے ہندوستان کی تعداد	فیصدی نسبت
جاتی ہندو	۱۵،۵۸،۹۰،۱۴۶	۵،۵۲،۲۷،۱۸۰	۲۰،۶۱،۱۷،۳۲۶	۵۲٫۶۰
اچھوت ہندو	۳،۹۹،۲۰،۸۰۷	۸۸،۹۲،۳۷۳	۴،۸۸،۱۳،۱۸۰	۱۲٫۹۰
کل تعداد ہندو	۱۹،۰۴،۱۰،۹۵۳	۶،۴۱،۱۹،۵۸۳	۲۵،۴۹،۳۰،۵۰۶	۶۵٫۵۰
مسلمان	۷،۹۳،۹۸،۵۰۳	۱،۴۹،۹۰،۹۲۵	۹،۴۳،۸۹،۴۲۸	۲۴٫۵۰

دینے کی اجازت ہے۔ تو گویا کانگریس نے دو زبانوں کے وجود کو تسلیم کیا۔ یہ کہنا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ سیاسی شعبدہ ہے امکان ہے کہ ابتدائی صورت اور سادہ عبارت میں ہندی اُردو ایک سے ہوں۔ مگر جب ان کو علوم و فنون کے لئے استعمال کیا جائیگا۔ جب سیاسی اور اقتصادی کام ان زبانوں میں ہوگا۔ تو لا محالہ اصطلاحات۔ ادق الفاظ۔ اور پیچیدہ محاورات داخل ہوں گے۔ دونوں زبانیں اپنی اپنی روش پر ترقی کریں گی۔ اور دو مختلف زبانیں بن جائیں گی۔ رسم الخط تو پہلے ہی دونوں کا مختلف ہے۔ ان دونوں کے استعارے۔ تشبیہیں، اسلوب بیان۔ بندشیں اور تلمیحات میں بعد المشرقین ہوگا۔ چونکہ ایک ان باتوں کیلئے سنسکرت کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور اردو، فارسی عربی سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ پروفیسر بینی پرشاد نے اس معاملے کو خوب سمجھا ہے۔ ان کی دلیل سن لیجیے گا۔

Hindu Muslim Questions by Professor Beni Prasad
page 120.

پروفیسر بینی پرشاد کی رائے اُسکے حق میں

"اس بات پر اکثر زور دیا جاتا ہے۔ کہ ہندی اور اردو کو اپنی اپنی روش پر ترقی کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ایک مصنوعی زبان (جو تمام ہندوستان کی قومی زبان بن سکے) کا معرض وجود میں لانا بیکار ہے۔ اس مسئلے کا حل اس پالیسی میں ہے 'خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو' (مرنجاں مرنج زندگی گذارو) تاہم ان دو زبانوں کے فلسفہ میں اساسی مغالطہ موجود ہے۔ یہ مغالطہ نفسیاتی بھی ہے۔ اور سماجی بھی۔ یہ فلسفہ یہ خیال کرتا ہے۔ کہ سماج متضاد جماعتوں کے میکانی طور پر یکجا رہنے کا نام ہے۔ بلکہ اسے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ کہ سماج ایک ذی حیات سالم چیز ہے۔ اس بات کو ہم فوراً مان لیتے ہیں۔ کہ سماجی تعلقات میں معاہدہ ایک اہم عنصر ہے۔ مگر سماجی زندگی کے فلسفہ نے ۱۸ ویں صدی کے سماجی نظام نے جو سماج کی اساس اور فطرت کو معاہدانہ فرض کرتا ہے۔ عرصہ ہوا چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ سوسائٹی (سماج) ایک نفسیاتی عمل ہے۔ ایک سالم چیز جس کے عناصر ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔ اس سمت میں جتنی کامیابی حاصل ہو سماج اتنی ہی ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اور اسی پر سماج کی بہتر کارگزاری کا مدار ہے۔ یہ سماج کی اصولی فطرت ہے۔ جو اس بات کی ذمہ دار ہے۔ کہ ان لوگوں میں جو مستقل طور پر اکٹھے رہتے ہیں کم و بیش ایک ہی زبان لکھنے اور بولنے کا رجحان پیدا کرتی ہے جو چیز بھی اس قدرتی رجحان کو روکتی ہے۔ وہ گویا سماج کی جڑ کاٹتی ہے۔ باقی سب باتوں سے زیادہ ہمسایوں میں لسانی فرق مجلس

ہونے کے احساس کو جو کمیونٹی میں لازم قوت ہے، کمزور کر دیتا ہے۔"

اگر انجام کار یہی ہے تو ابتدا سے ہی۔

ہو جاؤں تہیہ ہے ترے عشق میں بد نام   آغاز کروں اس سے جو ہوگا میرا انجام   ناموس

راہِ راست کیوں نہ اختیار کر لی جائے۔ اگر ہزار رسوائی، قوتوں کی تباہی، اور اپنوں بیگانوں میں بدنامی کے بعد بھی علیحدگی اختیار کرنی ہے جس سے کہ اردو اور ہندی کا حلقہ الگ الگ ہو جائے۔ تو عقل کا فیصلہ یہی ہے۔

آنچہ دانا کند، کند ناداں   لیک بعد از ہزار رسوائی

(۶) مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم۔

ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگوں کی تعداد

ہندوستان میں ان مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ، جین، پارسی، بدھ، یہود، قبائل

جمہوریت کے لحاظ سے ہندوؤں کے دو بڑے فرقے ہیں۔ جاتی ہندو، اچھوت ہندو (ہریجن) سارے ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ہر چار نفوس جاتی ہندو کے مقابلے میں ایک اچھوت ہندو موجود ہے۔ گویا ۴ اور ایک کی نسبت

مردم شماری ۱۹۴۱

جاتی ہندو اور اچھوت کی تعداد۔ تمام ہندوستان کے اعداد

	صوبے	دیسی ریاستیں	سارے ہندوستان کی تعداد	فیصد کی نسبت
جاتی ہندو	۱۴۶، ۹۰، ۵۸، ۱۵	۱۸۰، ۲۷، ۵۲، ۵	۳۲۶، ۱۷، ۶۱، ۲۰	۵۲٫۶۰
اچھوت ہندو	۳، ۹۹، ۲۰، ۸۰۷	۸۸، ۹۲، ۳۷۳	۱۸۰، ۱۳، ۸۸، ۴	۱۲٫۹۰
کل تعداد ہندو	۱۹، ۰۴، ۱۰، ۹۵۳	۶، ۴۱، ۱۹، ۵۸۳	۲۵، ۴۹، ۳۰، ۵۰۶	۶۵٫۵۰
مسلمان	۷، ۹۳، ۹۸، ۵۰۳	۱، ۴۹، ۹۰، ۹۲۵	۹، ۴۳، ۸۹، ۴۲۸	۲۴٫۵۰

تمام ہندوستان میں مختلف مذاہب کے افراد کی فیصدی نسبت

میزان	دیگر	قبائل	یہود	بدھ	پارسی	جین	سکھ	عیسائی	مسلمان	اچھوت	جاتی ہندو
۱۰۰	۰۶۱۵	۴۶۵۰	۰۶۰۵	۰۶۱۰	۰۶۰۵	۵۶۲۵	۱۶۳۰	۱۶۹۰	۲۴۶۵۰	۱۲۶۹۰	۵۲۶۹۰

مختلف صوبوں میں اچھوت کی فیصدی نسبت ۱۹۴۱

بہار	بنگال	اڑیسہ	مدراس	سی پی برار	یو پی
۱۰	۱۲	۱۴	۱۶	۱۸	۲۰

The Communal Pattern of India, Dr. Kazi Said-ud-Ahmad, Sh. Mohd. Ashraf, Lahore 1945, page 9.

مختلف علاقوں اور صوبوں میں اچھوت جماعت کے نفوس کی تعداد معلوم کرنی ہو تو ان دو جدولوں میں درج کر دی گئی ہے۔

جدول نمبر ۳۔ مردم شماری سنہ ۱۹۴۱ء

جدول جاتی ہندو۔ اچھوت اور مسلمان کی تعداد } ہندوستان کے مختلف علاقے (برطانوی ہندوستان کا یہ علاقہ + اس علاقے کی دیسی ریاستیں) ہزاروں میں تعداد

دیگر اہم کمیونٹی ہزار × ۱۰۰۰	مسلمان ہزار × ۱۰۰۰	اچھوت ہندو ہزار × ۱۰۰۰	جاتی ہندو ہزار × ۱۰۰۰	کل آبادی	رقبہ مربع میل	ہندوستان کا علاقہ
سکھ ۵،۱۱۶ عیسائی ۵۱۲	۱۸،۲۵۹	۱،۷۷۲	۸،۲۱۴	۳۴،۳۰۹،۸۶۱	۱۳۸،۱۰۵	(۱) پنجاب
سکھ ۲۳۳ عیسائی ۱۶۳	۸،۶۹۱	۹۳۱ ر	۳۴،۹۲۲	۵۶،۳۴۶،۴۵۷	۱۱۲۔۵۲۳	(۲) صوبجات متحدہ

(۳) مدراس	۱۲۶,۷۶۸	۴۹,۸۴۰,۵۶۴	۳۵,۰۹۵	۸,۱۵۲	۳,۹۲۶	عیسائی ۲,۰۶۸
(۴) اڑلیسہ	۵۷,۳۹۲	۱۳,۳۶۹,۸۱۷	۸,۰۹۹	۱,۸۵۷	۱۶۱	قبائل ۳,۲۱۱
(۵) شمال مغربی صوبہ	۳۹,۲۴۹	۵,۴۱۵,۶۶۶				
(۶) بلوچستان	۱۳۴,۰۰۲	۸۵۷,۸۳۷	۴۹	۵	۷۸۵	سکھ ۱۲
(۷) بنگال	۸۲,۸۷۶	۴۱,۴۶۰,۳۷۷	۱۱,۲۶۱	۷,۵۹۷	۳۳,۳۷۱	بدھ ۱۵۴
			غیر معلوم ذاتیں ۔ ۶,۹۴۲			قبائل ۱,۹۲۵
(۸) ممالک متوسط اور برار	۱۱۸,۷۱۰	۱۸,۶۰۵,۹۴۶	۱۰,۶۶۷	۳,۲۶۵	۷۹۷	قبائل ۳,۷۰۸

جدول نمبر ۴ مردم شماری ۱۹۴۱ء

آبادی ہزاروں میں = ۱۰۰۰ × برطانوی صوبوں کی آبادی ۔ دیگر مینارٹی کمیونٹی کی تعداد نہیں لکھی گئی ۔

برطانوی صوبہ	کل آبادی	جاتی ہندو	اچھوت ہندو	مسلمان	دیگر اہم مینارٹی	
(۱) یو۔پی	۵۵,۰۲۰	۳۴,۰۹۴	۱۱,۷۱۷	۸,۴۱۶	۲۸۹,۴۲۲	قبائل
(۲) پنجاب	۲۸,۴۱۸	۶,۳۰۱	۱,۵۹۲	۱۶,۲۱۷	۳,۷۵۷	سکھ
(۳) شمالی مغربی صوبہ	۳,۰۸۴	۱۹۷	×	۲,۸۱۰	۶۲	سکھ
(۴) بہار	۳۶,۳۴۰	۲۲,۱۷۳	۴,۳۴۰	۴,۷۱۶	۵,۰۵۵	قبائل
(۵) اڑلیسہ	۸,۷۲۸	۵,۵۹۴	۱,۲۳۸	۱۴۶	۱,۷۲۱	قبائل
(۶) بنگال	۶۰,۳۰۶	۱۷,۶۸۰	۷,۳۷۸	۳۳,۰۰۵	۱,۸۸۹	قبائل

(۷) آسام	۱۰,۲۰۴	۳,۵۳۵	۶۷۶	۳,۴۴۲	۲,۴۸۴	قبائل
(۸) مدراس	۴۹,۳۴۱	۴۳,۷۳۱	۸,۰۶۸	۳,۸۹۶	۲,۰۰۱	ہندوستانی عیسائی
(۹) بمبئی	۲۰,۸۴۹	۱۴,۶۰۰	۱,۸۵۵	۱,۹۲۰	۱,۶۱۴	قبائل
(۱۰) سندھ	۴,۵۳۵	۱,۰۳۸	۱۹۱	۲,۲۰۸	۳۱	سکھ
(۱۱) سی پی اور برار	۱۶,۸۱۳	۹,۸۸۰	۳,۰۵۱	۷۸۳	۲,۹۳۷	قبائل
(۱۲) بلوچستان	۵۰۱	۳۹	۵	۴۳۸	۱۱	سکھ
(۱۳) دہلی	۹۱۷	۴۴۴	۱۲۶	۳۰۴	۱۶	سکھ
(۱۴) اجمیر میواڑ	۵۸۶	۳۷۶	x	۸۹	۹۱	قبائل
(۱۵) کورگ	۱۶۸	۱۰۵	۲۵	۱۴	۱۹	قبائل
(۱۶) انڈمن اور نکوبار	۳۳	۸	x	۸	۱۱	قبائل

The Communal Pattern of India by Dr. Kazi Said-ud-Din Ahmad, Lahore, 1945, page 17.

اچھوتوں کی یہ تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم کسی صورت سے بھی اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور جمہوریت کی اساس کو صحیح یا غلط، جماعت کی تعدادِ افراد سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس لئے اچھوتوں میں اپنی جماعت کی قوت کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جب کسی حلقے میں ایک اقلیت ۵ فیصدی سے کم ہوتی ہے۔ تو اس کی آواز صفر کے برابر رہتی ہے۔ جب ۵ اور ۱۰ فیصدی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ جماعت بحیثیت جماعت کے اپنی ہستی اس حلقے میں قائم کر لیتی ہے۔ مگر ترساں ترساں اظہارِ مطلب کرتی ہے۔ جب جماعت کے افراد کی فیصدی نسبت ۱۰ فیصدی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو یہ جماعت اپنے حقوق طلب کرنے پر اصرار کرتی ہے۔ اور اعلانیہ اسباب کا چرچا ہو جاتا ہے۔ مگر تعداد ہی صرف ایک چیز نہیں جس پر جماعت کی اہمیت کا انحصار ہو تعلیم۔ اقتصادی قوت۔ تہذیب اور سیاسی زور وغیرہ بھی ہیں۔

جاتی ہندو اور اچھوت میں مخالفت

اچھوت وہ ہندو ہے، جو جاتی ہندو کو چھو نہیں سکتا۔ اگر چھو لے تو جاتی ہندو بھرشٹ یعنی ناپاک ہو جاتا ہے۔ جاتی ہندو کو اشنان کرنا پڑتا ہے گنگا جل پینا پڑتا ہے۔ گئو موت اپنے کپڑوں پر چھڑکنا پڑتا ہے۔ یا کوئی اور مذہبی رسم ادا کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ وہ پھر شدھ اور پوتر ہو جائے۔ جنوبی ہندوستان میں تو یہ قاعدہ اسقدر سخت ہے۔ کہ اگر اچھوت کا سایہ جاتی ہندو پر پڑے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اچھوت نہ تو جاتی ہندو کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ نہ ان کے مندروں میں جاکر پوجا کر سکتے ہیں۔ اچھوت ہندو کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ جاتی ہندو کے پاس بیٹھے۔ یا ان کے گھروں میں جائے۔ یا ان کے ساتھ مل کر کھا پی سکے۔ گویا ان کو بڑی نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ظلم سے اُن کے دلوں میں ہندوؤں کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور جب جمہوریت کا دور آیا تو ان میں اپنے لئے علیحدہ حقوق طلب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اچھوت کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں بیچ سکتے۔ کوئی روزگار بیوپار نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کی حالت غلام کی ہے۔ جو دوسروں کی خدمت کرتا رہے۔ اور اپنا دوزخ کسی کی عنایت سے بھرتا رہے۔

جب جمہوریت کی تحریک نے زور پکڑا تو اپنی غلامی کو دیکھ کر اچھوتوں نے قومی آزادی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اچھوت یہ نہیں چاہتے کہ حکومت انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے۔ چونکہ مرکز میں اگر قومی حکومت قائم ہو تو اس میں ۶۵ فیصدی ہندوؤں کے ووٹ ہوں گے۔ اسمیں اچھوتوں کی تعداد اتنی کم ہے ۱۲ فیصدی کہ ان کی ہستی ہندو میجارٹی میں گم ہو جائیگی اور وہ ہمیشہ کے لئے جاتی ہندوؤں کے غلام رہیں گے۔ ان دشواریوں پر نظر کرتے ہوئے اچھوتوں نے اپنا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم ہندو مت چھوڑ کر مسلمان یا عیسائی ہو جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اچھوتوں کو ہندوستان میں ایک اپنا علاقہ وطن بنانے کے لئے دے دیا جائے۔ جہاں ان کی اپنی جمہوری حکومت ہو۔ تمام ہندوستان میں ۱۲ فیصدی کوئی تھوڑی تعداد نہیں۔

ہندوستان کے باقی مذاہب

اب ہندوستان کے باقی مذاہب کے افراد کی تعداد کا ملاحظہ فرمایئے۔ نفوس کی تعداد تو پہلے جدول میں درج ہے۔ دوسرے جدول میں مختلف صوبوں میں مختلف مذاہب کے ماننے والے افراد کی فیصدی نسبت دکھائی گئی ہے۔ اور تیسرے جدول میں مختلف ریاستوں۔ یا ریاستوں کی ایجنسیوں میں فیصدی

نسبت۔ بعض ریاستیں بڑی ہیں۔ حیدرآباد۔ کشمیر۔ ان کو بطور ریاست کے لیا گیا ہے۔ بعض ریاستیں ان سے چھوٹی ہیں۔ اور جتنی ریاستیں ایک علاقے میں ہیں ان کو یکجا کر کے ایک عنوان کے ماتحت درج کیا گیا ہے۔ مثلاً آسام کی ریاستیں۔ بعض ریاستیں ان سے بھی چھوٹی ہیں۔ ایک علاقے کی ایسی بہت سی ریاستوں کو ایک ایجنسی کے ماتحت کر دیا جاتا ہے۔ جو ان ریاستوں پر نگرانی کرتی ہے۔ یا سیاسی نظام ہوتا ہے۔ غیر علاقے کا۔ اس کو ایجنسی کہتے ہیں۔ ان کو ایک عنوان کے ماتحت رکھا گیا ہے۔

مردم شماری ۱۹۴۱ نفوس کی تعداد

جدول نمبر ۵۔ ہندوستان کے برطانوی صوبوں کی آبادی

ہزاروں میں۔ یعنی ۱۰۰۰ ×

جدول مختلف مذاہب کے نفوس کی تعداد صوبوں میں } ان اعداد کو نقل کرتے وقت پہلے تین ہندسوں یعنی اکائی۔ دہائی اور سینکڑہ کے عدد کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر تعداد ایک ہزار سے کم ہے تو اس جگہ × بنا دیا گیا ہے۔

کل آبادی	صوبہ	کل ہندو	مسلمان	عیسائی	سکھ	جین	پارسی	بدھ	یہود	قبائل	دیگر
۴۹,۳۴۱	مدراس	۳۴,۷۹۹	۳,۸۹۶	۲,۰۴۷	×	۳۰	×	×	×	۵۹۲	۴
۲۵,۸۴۹	بمبئی	۱۶,۵۵۵	۱,۹۲۰	۳۷۵	۸	۲۶۶	۸۶	×	۱۴	۱۶۱۴	۷
۶۰,۳۰۶	بنگال	۲۵,۰۵۹	۳۳,۰۰۵	۱۶۶	۱۶	۱۱	۲	۱۴۶	۲	۱۸۸۹	۶
۵۵,۰۲۰	یوپی	۴۵,۸۱۱	۸,۴۱۶	۱۵۹	۲۳۲	۱۰۲	۱	۵	×	۲۸۹	۱
۲۸,۴۱۸	پنجاب	۷,۵۵۰	۱۶,۲۱۷	۵۰۴	۳,۷۵۷	۳۸	۴	×	×	×	۳۴۶
۳۶,۳۴۰	بہار	۲۶,۵۱۴	۴,۷۱۶	۳۴	۱۳	۴	×	×	×	۵,۰۵۵	×
۱۶,۸۱۳	سی پی اور برار	۱۲,۹۳۱	۷۸۳	۵۸	۱۴	۸۴	۲	×	×	۲,۹۳۷	×
۱۰,۲۰۴	آسام	۴,۲۱۳	۳,۴۴۲	۴۰	۳	۶	×	۸	×	۲,۴۴۴	۴

۳،۰۸۴	شمال مغربی صوبہ	۱۸۰	۲،۷۸۸	۱۰	۵۷	x	x	x	x	x	x
۸،۷۲۸	اڑیسہ	۴،۸۳۲	۱۴۶	۲۷	x	x	x	x	x	۱،۷۲۱	x
۴،۵۳۵	سندھ	۱،۲۲۹	۳،۲۰۸	۲۰	۳۱	۳	۳	x	۱	۳۶	x
۵۸۶	اجمیر میواڑ	۳۷۶	۸۹	۵	x	۱۸	x	x	x	۹۱	x
۳۳	انڈمن نکوبار	۸	۸	۲	x	x	x	۲	x	۱۱	x
۵۰۱	بلوچستان	۴۴	۴۳۸	۶	۱۱	x	x	x	x	x	x
۱۶۸	کورگ	۱۳۰	۱۴	۳	x	x	x	x	x	۱۹	x
۹۱۷	دہلی	۵۶۷	۳۰۴	۱۷	۱۶	۱۱	x	x	x	x	x
تمام برطانوی ہندوستان		۱۹۰،۸۱۰	۷۹،۳۹۸	۳،۴۸۲	۴،۱۶۵	۵۷۸	۱۰۱	۱۶۷	۱۹	۱۶،۷۱۳	۳۷۱
دیسی ریاستیں		۶۴،۱۱۹	۱۲،۶۵۹	۲،۸۳۴	۱،۵۲۶	۸۷۰	۱۲	۶۴	۳	۸،۷۲۸	۳۸
سارا ہندوستان		۲۵۴،۹۳۰	۹۲،۰۵۸	۶،۳۱۶	۵،۶۹۱	۱،۴۴۹	۱۱۴	۲۳۲	۲۲	۲۵،۴۴۱	۴۰۹

Hindustan Year Book 1945, page 177.

مردم شماری ۱۹۴۱

جدول نمبر ۶۔ مذہب (کمیونٹی) کے لحاظ سے ہندوستان کی فیصدی آبادی

جدول مختلف مذاہب کے نفوس کی
فی صدی نسبت صوبوں میں

ہندوستان کا برطانوی علاقہ

اس جدول میں پارسی۔ بدھ۔ یہود، اور غیر معروف مذاہب کی فیصدی درج نہیں ہے۔ چونکہ قلیل ہے

صوبہ	ہندو	مسلمان	سکھ	عیسائی	جین	قبائل
(۱) مدراس	۸۶٫۷۴	۷٫۹۰	x	۴٫۱۵	٫۰۶	۱٫۱۴

(۲) بمبئی	۷۹،۴۰	۹،۲۱	x	۱،۸۰	۱،۲۷	۷،۷۵
(۳) بنگال	۴۱،۵۵	۵۴،۷۳	،۰۴	،۲۸	،۰۲	۳،۱۳
(۴) صوبجات متحدہ	۸۳،۲۶	۱۵،۳۰	،۱۳	،۲۹	،۱۹	،۱۳
(۵) پنجاب	۲۶،۵۷	۵۷،۰۷	۱۳،۲۲	۱،۷۸	،۱۳	x
(۶) بہار	۷۲،۹۶	۱۲،۹۸	،۴۲	،۱۰	،۰۱	۱۳،۹۱
(۷) ممالک متوسط وبرار	۷۶،۹۲	۴،۶۶	،۰۴	۱،۳۵	،۵۰	۱۷،۶۷
(۸) آسام	۴۱،۲۹	۳۳،۷۳	،۱۹	،۴۰	،۰۷	x
(۹) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور یاغستان	۵،۹۴	۹۱،۷۹	،۰۳	،۳۶	x	۲۴،۳۵
(۱۰) اڑیسہ	۷۰،۲۸	۱،۶۸	x	،۳۲	،۰۸	۱۹،۷۲
(۱۱) سندھ	۲۷،۱۲	۷۰،۷۵	،۶۸	،۴۵	x	۰،۸۱
(۱۲) بلوچستان	۸،۸۹	۸۷،۵۰	۱،۹۱	۱،۲۰	۳،۲۳	،۰۱
(۱۳) اجمیر مارواڑ	۶۴،۵۰	۱۵،۴۰	۲،۳۸	،۹۹	x	۱۵،۶۷
(۱۴) کورگ	۷۷،۴۹	۸،۷۳	،۱۵	،۰۴	،۰۲	۱۱،۶۹
(۱۵) دہلی	۶۱،۷۹	۳۳،۲۲	۱،۷۶	۱،۳۱	۱،۲۴	،۶۸
(۱۶) انڈمن نکوبار	۲۴،۹۶	۲۳،۷۰	۲،۲۰	۷،۷۴	x	۳۲،۸۰
اوسط برطانوی علاقہ	۶۴،۵۰	۲۶،۸۴	۱،۴۱	۱،۱۹	،۱۹	۵،۶۵

The New Year Book 1944, page 22.

مردم شماری ۱۹۴۱

جدول۔ مختلف مذاہب کی فیصدی نسبت ریاستوں میں } جدول نمبر۔ مذہب (کمیونٹی) کے لحاظ سے ہندوستان کی فی صدی آبادی
دیسی ریاستیں یا ریاستوں کی ایجنسیوں کا علاقہ

(ایک ریاستی ایجنسی کے ماتحت اس علاقے کی تمام ریاستیں ہوتی ہیں)

اس جدول میں پارسی۔ بدھ۔ یہود۔ اور غیر معروف مذاہب کی فیصدی درج نہیں۔ چونکہ قلیل ہے۔

ریاست یا ایجنسی	ہندو	مسلمان	سکھ	عیسائی	جین	قبائل
(۱) آسام کی ریاستیں	۴۵٫۱۶	۴٫۳۶	٫۰۵	۳٫۶۴	٫۰۳	۴۶٫۷۴
(۲) بلوچستان کی ریاستیں	۲٫۷۴	۹۷٫۲۱	٫۰۴	۰٫۰۱	x	x
(۳) بڑودہ ریاست	۸۹٫۸۵	۷٫۸۳	٫۲	۰٫۳۳	۱٫۶۴	۱۳٫۰۷
(۴) بنگال کی ریاستیں	۴۷٫۲۲	۱۷٫۳۸	x	۰٫۰ ۳	٫۰۳	۳۵٫۰۱
(۵) ممالک متوسط ایجنسی	۷۸٫۰۵	۵٫۸۶	٫۰۴	۰٫۱۳	٫۷۶	۱۵٫۱۵
(۶) چھتیس گڑھ کی ریاستیں	۵۴٫۴۸	۰٫۷۱	٫۰۱	٫۳۰	٫۰۶	۴۴٫۴۴
(۷) کوچین ریاست	۶۳٫۰۴	۷٫۶۷	x	۲۸٫۷۹	٫۰۳	۰٫۳۶
(۸) دکن کی ریاستیں	۸۹٫۴۷	۶٫۵۴	x	٫۶۳	۳٫۰۲	٫۳۱
(۹) گجرات کی ریاستیں	۵۲٫۲۸	۳٫۹۸	٫۰۱	٫۲۹	٫۳۸	۴۲٫۹۸
(۱۰) گوالیار ریاست	۸۶٫۴۵	۶٫۰۱	٫۰۶	٫۰۴	۱٫۳۱	۶٫۱۲
(۱۱) حیدرآباد ریاست	۸۱٫۴۷	۱۲٫۸۴	٫۰۳	۱٫۳۵	٫۱۵	۴٫۱۵
(۱۲) کشمیر ریاست اور ماتحت علاقہ	۲۰٫۰۸	۷۷٫۱۲	۱٫۶۴	٫۰۹	٫۰۴	٫۰۳

(۱۳) مدراس کی ریاستیں	۸۹٫۷۴	۶٫۵۷	×	۴٫۱۸	٫۰۱	×
(۱۴) میسور ریاست	۹۱٫۲۳	۶٫۶۲	×	۱٫۵۴	٫۴۵	×
(۱۵) شمال مغربی صوبہ ایجنسی اور یاغستان	۳۷٫۴۱	۴۷٫۷۰	۹٫۶۷	۵٫۲۱	×	×
(۱۶) اڑیسہ کی ریاستیں	۷۰٫۷۰	۰٫۴۷	٫۰۱	٫۰۸	×	۲۸٫۶۰
(۱۷) پنجاب کی ریاستیں	۳۳٫۷۲	۴۰٫۹۱	۲۴٫۴۰	٫۱۳	٫۱۳	٫۰۱
(۱۸) پنجاب کی پہاڑی ریاستیں	۹۴٫۰۱	۴٫۲۸	۱٫۶۳	٫۰۲	٫۰۴	×
(۱۹) راجپوتانہ ایجنسی	۷۵٫۴۰	۹٫۴۹	×	٫۰۴	۲٫۴۷	۱۱٫۹۹
(۲۰) سکم ریاست	۳۷٫۷۶	۰٫۰۷	×	٫۰۴	٫۰۱	۵۲٫۰۱
(۲۱) صوبجات متحدہ کی ریاستیں	۸۱٫۳۷	۲۹٫۴۷	٫۰۸	٫۳۶	٫۰۲	۰٫۸۷
اوسط ریاستی ہندوستان	۷۰٫۵۷	۱۳٫۹۳	۱٫۳۸	۳٫۱۲	۰٫۹۶	۹٫۶۱

The New Year Book 1944, page 28.

تمام ہندوستان میں مختلف مذاہب کی نسبت کو دیکھا جائے۔ تو جاتی ہندو ۵۲٫۶۰ کے بعد اچھوت ہندو ۱۲٫۹ آتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان ۲۴٫۵۰ فیصدی۔ باقی تمام مذاہب میں سے کوئی بھی ۱٫۶ فیصدی سے اوپر نہیں ہے۔ ۱٫۶ عیسائیوں کی تعداد ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ سارے ہندوستان پر نظر رکھتے ہوئے۔ اگر ہندوستان میں مذہب کے لحاظ سے جمہوریتیں بنائی جائیں تو (۱) جاتی ہندو (۲) اچھوت اور (۳) مسلمان۔ تین آزاد حکومتیں قائم ہونی چاہیئں۔ البتہ بعض علاقوں میں اہم مینارٹیاں موجود ہیں۔ مثلاً پنجاب میں سکھ۔ ٹراونکور میں عیسائی۔ ان کو مینارٹی ہونے کی حیثیت سے ان علاقوں میں خاص حقوق ملنے چاہیئں۔ جیسا کہ جدول صفحہ ۱۰ سے ظاہر ہے۔ آبادی کے لحاظ سے صوبوں میں بھی اور کوئی مذہب

قابل اعتنا نہیں۔ صوبے کی تمام آبادی کے مقابلے میں کسی کی فیصدی نسبت بھی ۲ سے آگے نہیں بڑھتی۔

(۷) قومی ادب (۸) روایات

ہندوستان کی ہر مذہبی کمیونٹی کا قومی ادب اور اس کی روایات جداگانہ ہیں۔ مسلمانوں کی اپنی مذہبی کتابیں اور ہندوؤں کی اپنی۔ روایات کا تعلق بھی قومی ادب اور مذہب کے ساتھ ہے۔ ہندوستان نے ابھی تک کوئی ایسا ادب پیدا نہیں کیا جس میں کسی نہ کسی طرح کی فرقہ دارانہ جھلک یا آمیزش نہ ہو۔ اس لئے خالص قومی ادب تو ابھی تک ہندوستان میں موجود ہی نہیں۔ جو ادب اور روایات اس وقت موجود ہیں۔ وہ اپنے اپنے مذہب کے زیر اثر ہیں۔

(۹) تعلیم

تعلیم ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعہ ہم ایک قوم کے خیالات کو جس سانچے میں چاہیں ڈھال سکتے ہیں۔ ان میں قومیت کا رنگ پیدا کردیں یا ان کو جماعت جماعت میں تقسیم کردیں۔ اور تفرقہ سے انتشار پیدا کریں۔ ہندوستان میں سکول کالج اور تعلیمی ادارے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو کالج۔ مسلمان کالج۔ ان کالجوں میں کالج کی معمولی تعلیم کے ساتھ کچھ مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ جو اس مذہب کے متعلق ہو۔ اس تعلیمی ادارے کی فضا اپنے مذہب کی کلاں کاریوں اور دوسرے مذہب کی چغلخوریوں سے معمور ہوتی ہے۔ جو طالب علم ان کالجوں سے نکلتا ہے۔ وہ قوم پرست بننے کی بجائے فرقہ پرست بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم پر بھی مذہبی رنگ چڑھا ہوا ہے۔

(۱۰) تمدن اور تہذیب

کھانا پینا۔ اخلاق آداب۔ سلام کا طریقہ۔ طرزِ رہائش۔ ہر صوبے میں مختلف ہیں۔ اور پھر ہر صوبے میں ہر مذہبی فرقے میں الگ الگ ہیں۔ آب وہوا کا تمدن پر بہت اثر ہے چونکہ ایک خاص آب وہوا میں انسان ایک خاص روش پر رہنے کیلئے مجبور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے تہذیبی منطقوں کی حدود، لسانی منطقوں کی حدود کے مطابق ہیں۔ ایک زبان بولنے والے حلقے میں ایک طرح کی تہذیب ہے۔ ان علاقوں میں دیہاں کی دلچسپ باتیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً تہذیبی منطقے یہ ہیں۔ بلوچستان (بلوچی زبان کا حلقہ) پٹھانستان (پشتو زبان کا حلقہ) کشمیر (کشمیری زبان کا حلقہ) اسی طرح سے پنجاب۔ سندھ۔ یو پی

بہار۔ بنگال۔ راجپوتانہ۔ مہاراشٹر۔ گجرات۔ اندھرا۔ تامل۔ کنڑی۔ ملیالی۔ اس لئے تہذیبی منطقوں کی تقسیم لسانی تقسیم کے ماتحت آجاتی ہے۔ کوئی قوم چھوٹے سے علاقے میں پوری نشوونما نہیں پا سکتی۔ گویا اپنی قوتوں کو بروئے کار لانے کے لئے اسکے قبضہ میں وسیع علاقہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے اگر ہم نے ان چھوٹے تہذیبی منطقوں کو مصنوعی طور پر یکجا کرکے بڑے بڑے علاقے بنانے ہوں جہاں قوم پوری طرح سے نشوونما پا سکے۔ تو ان تہذیبی منطقوں کی بنا مذہب ہوگی۔ علاقہ چھوٹا ہو اور ذرائع قلیل ہوں تو قوم کو پورے طور پر تکمیل تک پہنچنے کے مواقع میسر نہیں آتے۔ مذہب ایک رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اور تہذیب ایک ہو سکتی ہے (۱) ہندو تہذیب (۲) اسلامی تہذیب (۳) ہریجن چونکہ ان کا کھانا پینا الگ ہے۔ اور (۴) دراوڑ تہذیب چونکہ آب وہوا اور وطن کے لحاظ سے ان کی مخصوص تہذیب ہے۔

(۱۱) قانون

تمام ہندوستان میں برطانوی ہندوستان کا قانون جاری ہے یعنی تعزیرات ہند۔ یہ قانون سارے ہندوستان کے لئے ایک ہے۔ مگر ہندو مسلمانوں کے لئے بعض حالتوں میں الگ الگ قانون ہیں۔ جو مسلم لا۔ اور ہندو لا کہلاتا ہے گویا یہ مذہب کے متعلق ہوا۔ اور اس لئے مذہبی تقسیم کے ماتحت آگیا۔ بعض حالتوں میں مقامی رواج کو قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ تو یہ قانون تہذیبی منطقوں کے ماتحت آگیا۔

(۱۲) ظلم

ایک فرقہ دوسرے فرقے پر ظلم کر رہا ہے۔ سیاسی، سماجی۔ یا اقتصادی ظلم۔ فرقوں کی تقسیم ہندوستان میں عموماً مذہب کی بنا پر ہے۔ بڑا مذہبی فرقہ چھوٹے مذہبی فرقے کے حقوق پر چھاپا مارتا ہے۔ تو ظلم کی بنا پر جماعتوں میں تقسیم مذہبی تقسیم کے مطابق ہو جاتی ہے۔ یا لسانی تقسیم کے مطابق۔

(۱۳) قوم بننے کی خواہش

سیاسی بیداری ہندوستان میں پیدا ہو چکی ہے۔ ہر فرقہ حقوق حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور خود مختار بننا چاہتا ہے۔ مگر ہر چھوٹی بڑی جماعت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آزاد قومی حکومت قائم کر سکے۔ چونکہ قومی حکومت قائم کرنے کے لئے یہ ضروری

ہے کہ باشندوں کی تعداد کافی زیادہ ہو۔ رقبہ وسیع ہو۔ ان لوگوں کی اپنی قومی جماعت ہو۔ تہذیب و تمدن ان کا اپنا ہو۔

نیشن اور اُس کی کمیونٹی

دُنیا میں کوئی وطن ایسا نہیں جہاں ایک نسل، لسان، اور مذہب کے لوگ سارے وطن میں آباد ہوں۔ ایسی کئی جماعتیں ہوتی ہیں جن کی نسل، لسان اور مذہب الگ الگ ہوتا ہے گویا وہ الگ الگ جماعتیں بن جاتی ہیں۔ ان میں سے جس جماعت کے افراد کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہ دیگر اسباب کی رو سے حاوی ہوتے ہیں۔ وہ اس وطن کو اپنا کہتے ہیں۔ یعنی وہاں کی میجارٹی کہلاتی ہے۔ اصل میں یہ وطن ان کا کہلاتا ہے۔ ان کو قوم یا نیشن Nation کہتے ہیں۔

ان کے علاوہ دوسری چھوٹی جماعتیں اس وطن میں رہتی ہیں۔ ان کو کمیونٹی (Community) کہتے ہیں یہ اس وطن میں مینارٹی کہلاتے ہیں۔ مینارٹی کو حقوق تو ملتے ہیں۔ مگر یہ ہوتے میجارٹی کے ماتحت اور ہر حال میں تابع ہیں۔

(قوم اور کمیونٹی کے معنوں کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں جو اوپر درج ہیں۔)

Dr. B. R. Ambed kar Thoughts on Pakistan,

نیشن اور کمیونٹی کے حقوق میں فرق

P. 338 "ایک کمیونٹی اپنی اس قوم کی دوسری بڑی یا چھوٹی کمیونٹوں سے جتنی بھی مختلف ہو۔ اور ان سے کتنی بھی مخالف ہو۔ مگر انتہائی قسمت کے معاملے میں یہ سب کے ساتھ شریک ہے۔ ایک قوم نہ صرف یہ کہ ایک ہی سلطنت میں رہتے ہوئے۔ دوسری جماعتوں سے مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہ اپنی علیحدہ قسمت پر اعتقاد رکھتی ہے۔ اور اس کی آشائیں اپنی قسمت کے متعلق ہوتی ہیں۔ ایسی قسمت جو کہ اس سلطنت کے دیگر عناصر کی قسمتوں کے بالکل متضاد ہوتی ہے۔ ...... انسانوں کا ایک گروہ جو اختلافات کے ہوتے ہوئے اپنے اور اپنے مخالفوں کے لئے ایک مشترکہ قسمت قبول کر لیتا ہے۔ وہ کمیونٹی ہوتا ہے۔ ایک ایسا گروہ جو نہ صرف یہ کہ دوسروں سے اختلاف رکھتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنے لئے وہی قسمت اختیار کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جو دوسروں کی ہے وہ قوم ہوتا ہے یہ مشترکہ قسمت کا انکار یا اختیار ہے جو تنہا اس بات کی تشریح کرتا ہے۔ کہ اچھوت عیسائی اور پارسی ہندو کل کے تعلق سے کیوں صرف کمیونٹی ہیں۔ اور مسلمان ایک قوم ہیں۔" صفحہ ۳۲۹ پر اس بات کی تشریح کی ہے کہ کمیونٹی کو صرف اتنا

حق حاصل ہے کہ وہ سازش یا شورش کرے تاکہ حکومت کا طریق اور دستور بدل جائے۔ لیکن قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بڑی جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔ اور اس ریاست کے ملک کا ایک حصّہ اپنی الگ ریاست بنانے کے لئے طلب کرے۔ یعنی کمیونٹی یہ مطالبہ کر سکتی ہے۔ کہ میرے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ حالانکہ قوم یہ مطالبہ کر سکتی ہے۔ کہ ہم الگ ہو کر اپنی الگ ریاست بنائیں گے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ہندوستان کی تقسیم ہے۔ قوموں کے لحاظ سے۔ گویا ہندوستان میں کتنی قوموں کو اپنا اپنا آزاد وطن ملنا چاہیئے۔ اس لئے ہم بینالملی کو پیش نظر نہیں رکھیں گے۔ بلکہ صرف مجارٹی کے لئے وطن مقرر کریں گے۔

ہندوستان کی مختلف قومیں اور اُن کا وطن

اس تمام بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ قوم کی تشکیل میں جو عناصر سب سے اہم ہیں وہ (۱) نسل۔ (۲) زبان (۳) مذہب اور (۴) تہذیب ہیں۔ ان کے متعلق ہم نے مفصل بحث مندرجہ بالا صفحات میں کی ہے۔ اب ہم ان چاروں عناصر کو ایک دوسرے کے اوپر منطبق کرتے ہیں۔ اور ہندوستان کو حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ تاکہ ہر قوم کو اپنا اپنا وطن مل جائے۔ ان عناصر کی بحث کے بعد ہم جن نتائج پر پہنچے تھے۔ ان کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

(۱) نسل

(۱) آریا نسل۔ (۲) دراوڑی نسل (۳) کولر نسل اور ایک حد تک سقین نسل

(۲) زبان

(۱) اردو کا علاقہ (۲) ہندی کا علاقہ (۳) دراوڑ زبانوں کا علاقہ (۴) کولر زبانوں کا علاقہ۔

(۳) مذہب

(۱) جاتی ہندو۔ (۲) مسلمان۔ (۳) ہریجن

(۴) تہذیب

(۱) ہندو تہذیب (۲) اسلامی تہذیب (۳) ہریجن تہذیب (۴) دراوڑ تہذیب۔

اب ان چاروں عناصر کو یکجا کیا تو یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ ہندوستان کے مندرجہ ذیل حصے ہونے چاہئیں۔
(۱) ہندو ہندوستان ۔ ویدستان (۲) مسلم ہندوستان ۔ پاکستان (۳) ہریجنوں کا ہندوستان ہریجستان (۴) دراوڑ قوموں کا ہندوستان ۔ دراوستان ۔ (۵) کولر قوموں کا ہندوستان ۔ کولرستان ۔ سارے غیر مسلم علاقے کو ایک نام دینا ہو تو بھارت مناسب ہے ۔ اور پاکستان ہندوستان کا اسلامی علاقہ ۔
کولر قوموں کی تعداد کم ہے ۔ اسلئے ان کو الگ قومیت کا حق نہیں دیا جا سکتا ۔ انہیں ہریجنوں کی مقدر میناسٹی بنا دیا جائے تو بہتر ہے ۔ گویا ہریجستان میں کولرستان ایک صوبہ ہوگا ۔
ہندوستان جغرافی حساب سے باقی ایشیا سے الگ ہے ۔ اور اس کی جغرافی وحدت سے انکار نہیں مگر سارے ہندوستان میں ایک قوم نہیں بن سکتی ۔ چونکہ سارے دیس میں وہ عناصر موجود نہیں ۔ جو وطن بناتے ہیں ۔ جو اتنا بڑا دیس ہے ۔ جو براعظم کہلانے کا مستحق ہے ۔ اسلئے ہندوستان میں کئی قومیں پہلو بہ پہلو آباد ہیں ۔ جو ہمسایہ بن کر رہیں ۔ ایک دوسرے کی امداد کریں ۔ اور ہر ایک اپنے اپنے حلقے میں پورے طور پر نشو و نما حاصل کر سکے ۔ ان مختلف قوموں کا آپس میں رسوخ اور اتحاد ہونا چاہیئے ۔ نہیں تو شیرازہ بکھرنے کے سبب آپس میں پرخاش اور دشمنی کا احتمال ہے ۔ اسلئے ایک مرکزی ہندوستان ہونا چاہیئے ۔ جو متحدہ ہندوستان کہلائے ۔ اس میں ان چاروں اقوام کے نمائندے موجود ہوں اور وہ متنازعہ فی معاملات کا فیصلہ کرتے رہیں ۔ لیکن یہ حصہ اپنی وسعت میں چھوٹا ہونا چاہیئے ۔ یہ گویا ہندوستان کا سوٹزرلینڈ ہوگا ۔ ہندوستان کے باقی وطنوں کے آزاد زبان لوگ یہاں آ کر رہیں گے ۔ ان کو ہر بات صفائی اور آزادی سے کہنے کا موقع ملے گا ۔ اور اس طرح سے تمام ہندوستان کی حالت کو بہتر کرنے میں متحدہ ہندوستان بہت حصہ لے گا ۔ متحدہ ہندوستان ۔ ہندوستان کا لیگ آف نیشنز کا وطن ہوگا ۔ اور ہر طرح سے آزاد ۔ بیرونی پالیسی کا یہی حکمران ہوگا ۔
ہندوستان کے اس صورت سے مندرجہ ذیل حصے ہوں گے ۔ ہر علاقے میں ایک قوم آباد ہوگی ۔

ہندوستان کی جمہوری حکومتیں

(۱) ویدستان	دارالخلافہ ۔ ناگپور	مرکزی علاقہ
(۲) پاکستان	دھلی	شمالی علاقہ

(۳) ڈراوستان	دارالخلافہ	مدراس	جنوبی علاقہ
(۴) ہرجستان	”	کٹک	یہ جمہوریت ان علاقوں کو ملا کر بنے گی. جنوب مشرقی بہار کا حصّہ + چھوٹا ناگپور + ممالک متوسط کا ایک صوبہ
(۵) متحدہ ہندوستان	”	الہ آباد	الہ آباد کے نواح کا ایک صُوبہ

ان عناصر کی بنا پر جو سرحدیں میری نظر میں سب سے مناسب نظر آتی ہیں. وہ میں نے مندرجہ ذیل نقشے میں ظاہر کردی ہیں.

نقشہ نمبر ۳
ہندوستان کی جمہوری حکومتیں
(۱) دیدستان . دارالخلافہ . ناگپور
(۲) پاکستان " دھلی
(۳) ڈراوستان " مدراس
(۴) ہرجستان " کٹک
(۵) متحدہ ہندوستان " الہ آباد
کابل
پشاور
پنجاب
قلات
سندھ
کراچی
راجپوتانہ
ناگپور سی پی
برار
بمبئی
حیدرآباد
مدراس
بنگال
آسام
کلکتہ
گوا
کورگ
کوچین
ٹراونکور

مقالہ ۹

ہندو کانگرس اور مسلم لیگ

آل انڈیا کانگرس

کانگرس کا پہلا دور

ہندو کانگرس کا رسمی نام انڈین نیشنل کانگرس ہے. کانگرس کا سنگ بنیاد ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز مسٹر ایلن آکٹیو ہیوم نے رکھا جو انڈین سول سروس کا پنشن شدہ انگریز افسر تھا. اس کام میں لارڈ ڈفرن نے جو اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل تھے ہیوم کی بہت امداد کی. بلکہ وہی محرک تھا. کانگرس کا اولین اجلاس بمبئی میں دسمبر ۱۸۸۵ء میں ہوا. اور اعلان کیا گیا کہ کانگرس کے بنیادی اصول یہ ہیں.

(۱) ہندوستان کی آبادی میں جو مختلف اور متضاد عناصر موجود ہیں. ان میں ایسا ربط و اتحاد پیدا کرنا کہ وہ گھل مل کر ایک ہو جائیں اور ان میں قومی وحدت پیدا ہو جائے.

(۲) اس طرح سے جو قوم ہندوستان میں پیدا ہو. اس کے ہر شعبے میں نئی زندگی پیدا کی جائے. ہندوستان میں دماغی - اخلاقی سماجی - اور سیاسی ارتقاء تدریجاً ہو

(۳) جو حالات اور معاملات ہندوستان کے لئے نامناسب ہوں ان کو مناسب سانچے میں ڈھال کر ہندوستان اور انگلستان کے درمیان محکم رابطۂ اتحاد پیدا کرنا.

۱۹۰۷ء تک کانگرس کے کاغذی اصول یہی رہے. اگرچہ جن لوگوں کا زور کانگرسی حلقوں میں تھا. وہ اپنے مطلب کی بات چلاتے رہے اس دوران کی کانگرس سے ہندوستان کو بہت فائدہ ہوا. ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہو گئی مختلف قوموں اور فرقوں میں اگر سماجی نہیں تو سیاسی اتحاد پیدا ہو گیا. اور کسی حد تک سیاسی تکلیفوں اور قانونی کمزوریوں کو دور کرنے میں بھی کانگرس نے امداد دی.

۱۹۰۷ء سے بہت عرصہ پہلے کانگرس کے خداوندان بست و کشاد میں دو گروہ پیدا ہو گئے. ایک سالخوردہ بزرگوار جنہیں قدیم

اصولوں پر قائم ہے۔ اور بزرگان ملت ہونے کی حیثیت سے گورنمنٹ سے بالکل موافقت رکھتے تھے۔ ان کو اعتدال پسند (Moderate) کہنا واجب ہے۔ دوسرا گروہ ملک کے نوجوانوں کا تھا۔ اور ان کی بیشتر تعداد دکن اور ممالک متوسط کی تھی۔ ان کا نام انتہا پسند (Extremist) رکھا ہوا ہے۔ ۱۹۰۷ کے کانگرس کے اجلاس میں انتہا پسندوں نے کانگرس کے دو حصے کر دیئے۔ لیکن کانگرس بزرگوں کے قبضے میں رہی۔ اس لئے نوجوان طبقہ کانگرس سے باہر رہ کر ہندوستان کے سیاسی حقوق کے لئے کوشش کرتا رہا۔

ان اثرات کے ماتحت بزرگوں نے کانگرس کے اصولوں کو نئے سرے سے تشکیل کیا۔ اب کانگرس کے اصول یہ ہو گئے۔

"انڈین نیشنل کانگرس کے مقاصد یہ ہیں۔ کہ ہندوستان میں ہندوستان کے باشندے ایسا نظام حکومت قائم کریں۔ جو برٹش ایمپائر کے ان ممالک میں موجود ہے جہاں سیلف گورنمنٹ قائم ہے۔ ہندوستان کے باشندے برٹش ایمپائر کی ذمہ داریوں اور حقوق میں اس طرح سے حصہ لیں کہ ان کے حقوق سیلف گورنمنٹ والے ممالک کے مساوی ہوں۔ ان مقاصد کو ہم آئینی طور پر حاصل کریں گے۔ اس کے طریق یہ ہوں گے موجودہ نظام حکومت میں تدریجاً صلاحات پیدا کی جائیں۔ قومی اتحاد کو فروغ دیا جائے۔ پبلک سپرٹ کو ترقی دی جائے۔ ملک کے ذہنی، اخلاقی، اقتصادی اور مصنوعاتی وسائل کو ترقی دی جائے۔ اور ان میں تنظیم پیدا کی جائے۔"

کانگرس کا دوسرا دور

کئی سالوں تک یہ کوشش ہوتی رہی کہ بزرگان ملت اور نوجوان پارٹی میں مصالحت کرا دی جائے۔ آخر ۱۹۱۶ میں ایک متحدہ کانگرس لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔ مگر یہ اتحاد سطحی اور موقتی تھا۔ چونکہ دونوں پارٹیوں کے اختلافات اصولی تھے۔ انتہا پسندوں نے آہستہ آہستہ کانگرس پر قبضہ جمانا شروع کیا۔ اور اس پر قابض ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۲۰ میں کانگرس کا ایک خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اسوقت کانگرس کامل مسٹر گاندھی اور اُسکے چیلوں کے قبضہ میں آگئی۔ ۱۹۲۷ میں حقیقتاً کانگرس نے اعلان کر دیا کہ کانگرس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کو پوری آزادی حاصل ہو۔ کچھ دیر کے لئے انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں میں وحدت مقصد پیدا ہو گئی۔ ۱۹۲۸ میں کانگرس نے یہ اعلان کیا کہ اگر

۱۹۲۹ کے اختتام سے پہلے ڈومینین سٹیٹس مل جائے تو ہم لینے کو تیار ہیں۔ (Dominion Status)

کانگرس کا تیسرا دور

چونکہ یہ نہ ہوا اسلئے کانگرس نے ۱۹۲۹ کے سیشن میں یہ اعلان کر دیا کہ ہم پورن سوراج (کامل آزادی) حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس غرض کے لئے کانگرس نے ہندوستان میں سول نافرمانی کی تحریک جاری کی جو ہندوستان کے مروجہ قانون کے خلاف تحریک تھی۔ گورنمنٹ نے کانگرس سے ایک معاہدہ کیا اور یہ تحریک ختم ہو گئی۔

۱۹۳۰ میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ہوئی۔ اس کے لئے ہندوستان کے بہت سے نمائندے لندن گئے۔ ان میں مسٹر گاندھی بھی تھے مگر کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ۱۹۳۲ میں گورنمنٹ نے پورا انتظام کیا۔ کہ کانگرس کوئی خلاف قانون شورش نہ کر سکے۔ اور گورنمنٹ کو اس بات میں کامیابی ہوئی۔ کانگرس کو تقریباً خاموش کر دیا گیا۔ اور ملک بھر میں اسکا چرچا کم ہو گیا۔ سول نافرمانی کی تحریک کے سبب گورنمنٹ نے کانگرس کو خلاف قانون جماعت قرار دیا تھا۔ ۱۹۳۴ میں کانگرس نے اس تحریک کو واپس لے لیا۔ اور سول نافرمانی کو بند کر دیا۔ ۱۹۳۴ کے موسم خزاں میں مسٹر گاندھی نے اعلان کیا کہ میں کانگرس سے دستبردار ہو گیا ہوں۔ اور اب میرا کانگرس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر عملی طور پر مسٹر گاندھی کانگرس کا ڈکٹیٹر رہا۔ اور اب (۱۹۴۵) میں بھی ہے۔ ۱۹۳۴ کے بعد چار پانچ سال تک کانگرس ہندوستان میں انگریزی حکومت کا ایک حلیف بن گئی۔ اور کانگرس نے ہندوستان کے صوبوں میں آئینی حکومت پر کم و بیش اپنا قبضہ جما لیا ۱۹۳۵ کے ایکٹ کے ماتحت کانگرس نے دو سال سے زائد ہندوستان کے آٹھ صوبوں میں راج کیا۔

کانگرس کا چوتھا دور

کانگرس کا راج مختصر تھا۔ مگر اس قلیل دور میں کانگرس کی دل کا مل معلوم ہو گیا۔ ۱۹۳۹ میں یورپ کی جنگ کا آغاز ہوا۔ (جو ۱۹۴۵ میں ختم ہوئی) اس کے شروع ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی کانگرس نے بیشتر صوبوں میں اپنی حکومت کو توڑ دیا۔ عذر یہ پیش کیا کہ انگریزی سرکار نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے ہندوستان کی طرف سے کانگرس وزارتوں سے مشورہ نہیں لیا۔ انگریزی سرکار نے ہندو کانگرس کو سات صوبوں میں حکومت سپرد کی ہوئی تھی۔ اس دوران میں مسلمانوں پر تشدد کرنے کو روا رکھا۔ اور اس کا اجر کانگرس نے یہ دیا۔ کہ ایسے نازک موقعہ پر جب برطانیہ کو امداد کی شدید ضرورت تھی۔ اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ کانگرس انگریزوں کی امداد دولت اور افراد

سے نہیں کرے گی۔ اس کی امداد صرف روحانی ہوگی۔ اس کے بعد گیارہ مہینے تک یہ کوشش جاری رہی۔ کہ کانگرس پھر صوبوں کی حکومتوں پر قابض ہو جائے۔ بلکہ مرکزی حکومت میں بھی اسکو خاص دخل ہو۔ مگر کانگرس کی یہ امید بار آور نہ ہوئی۔ آخر کار کانگرس اور اسکے رفقا نے مسٹر گاندھی کو اپنا کامل ڈکٹیٹر مقرر کیا۔ اور سپریم کمانڈ اس کے ہاتھ میں دے دی۔ مسٹر گاندھی نے سول نافرمانی کی ایک اور تحریک جاری کی۔ اور اس مرتبہ اس بات کی اجازت بھی دے دی۔ کہ کانگرس کے آدمی لڑائی کی کوششوں کے خلاف پرچار کریں۔ مگر عدم تشدد پر قائم رہیں۔ ہزاروں کانگرسی لڑائی (۱۹۳۹ - ۱۹۴۵) کے خلاف نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ اور ان کو جیل میں بھیج دیا جاتا تھا۔

۱۹۴۱ء کے آخری زمانے میں گورنمنٹ نے کانگرس کے ستیہ گرہ کرنے والے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور یہ نافرمانی (ستیہ گرہ) کی تحریک ختم ہوگئی ۱۹۴۲ میں سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور لندن سے ایک نئی گورنمنٹ کی سکیم لائے۔ مگر کانگرس نے اسکو منظور نہ کیا۔ کانگرسی حلقوں میں بددلی اور شورش پھیل گئی۔

۱۹۴۲ء میں مسٹر گاندھی نے "ہندوستان خالی کرو" (Quit India) کا نعرہ بلند کیا۔ مطلب یہ کہ سب انگریز ہندوستان سے چلے جائیں۔ اور اس کی وضاحت اس طرح سے کی۔ کہ سارا نظام حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اور انگریزی سرکار صرف ہندوستان کی حفاظت اور لڑائی کو جیتنے کا حکم اپنے ہاتھ میں رکھ لے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے مسٹر گاندھی کو اس کام کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ مسٹر گاندھی والسرائے سے ملا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اسلئے پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔

۱۹۴۲ کی شورش

۱۹۴۲ کا کانگرس کا سالانہ اجلاس ہونے سے پہلے تمام کانگرسی لیڈروں کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ تمام ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ اور ہر طرف گورنمنٹ کے خلاف شورش کا بازار گرم ہو گیا۔ قتل و غارت تباہی۔ بربادی اور لوٹ مار سے گورنمنٹ کے انتظام میں ہلچل مچ گئی۔ اس کھلی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے گورنمنٹ نے سختی سے کام لیا۔ خلاف قانون کام کرنے والوں کو شدت کے ساتھ دبایا۔ ۱۹۴۲ کے اختتام تک یہ ہنگامہ تقریباً فرو ہو چکا تھا۔

انگریزی حکومت نے اس بغاوت کی تحقیق کی۔ معاملات کو سمجھا اور انگلستان کے ہاؤس آف کامنز میں مسٹر ایمری وزیر ہند نے ایک تقریر کی جس میں ہندوستان کے معاملات کو تفتیش کے بعد انگریزی قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ ۸ راکتوبر ۱۹۴۲ء۔ تقریر کا ایک حصہ یہ ہے۔

وزیر ہند مسٹر ایمری ۱۹۴۲ء کی بغاوت کو مجرمانہ تجویز کہتا ہے۔

"کانگرس اصل میں ایک آئینی جماعت تھی جس کا پروگرام یہ تھا کہ کامل سیلف گورنمنٹ ارتقائی طریقوں سے حاصل کی جائے۔ گذشتہ نسل میں اور خاص طور پر اسوقت سے جبکہ یہ گاندھی کے مستبد اثر کے ماتحت ہوئی ہے۔ یہ ایک انقلابی جماعت بن گئی ہے۔ گاندھی کے اپنے الفاظ میں، یہ بغاوت ایک مجرمانہ تجویز تھی جس کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان کی روزمرہ کی زندگی کو مفلوج کر دیا جائے۔ اور ہندوستان کی قوت مدافعت کو شرارت سے بیکار کر دیا جائے مسٹر گاندھی اور اس کے چیلوں کا پیوستہ مقصد یہ نہ تھا۔ کہ وہ ہندوستان کے انگریزی راج کو تدریجاً ہندوستانی راج میں تبدیل کر دیں۔ بلکہ یہ کہ انگریزی راج کو کسی انقلاب کے ذریعہ کسی مقررہ وقت پر، کانگرس براہ راست اتنا کچل دے۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا اور یہ پارلیمنٹ (چونکہ یہ تقریر انگریزی پارلیمنٹ میں ہو رہی ہے) کانگرس سے ہار مان لے۔ اس مقصد کے پیش نظر کانگرس کے ادارے کو تدریجاً مضبوط بنایا گیا۔ اور بیش از بیش شدت کے ساتھ قوت کو مرکز میں لایا گیا۔ جب کانگرس ہائی کمانڈ نے کانگرس وزارتوں کو اُن صوبوں میں عہدے اختیار کرنے کی اجازت دی جہاں کانگرس کو میجارٹی حاصل ہو گئی تھی۔ تو اُس کا بیّن مقصد یہ تھا۔ کہ صوبائی نظام پر اس دوران میں کانگرس اپنا قبضہ بڑھا لے۔ اور پھر ایک مقرر کردہ گھڑی میں دستوری حکومت کو برباد کر دے ۱۹۳۹ کے اختتام پر کانگرس ہائی کمانڈ نے اپنی وزارتوں کو اس غلط فہمی میں حکم نافذ کر دیا تھا۔ کہ گورنمنٹ کے کاروبار میں شدید خلل واقع ہو جائیگا۔ کانگرس نے جس بات سے اس حکم میں بے اعتنائی برتی وہ یہ تھی۔ کہ کانگرس نے اپنے مستبدانہ طریق کار سے ایک عام دشمنی خرید لی ہے۔ اور خاص طور پر مسلمان جماعت سے۔ صوبوں میں کانگرسی حکومت سے مسلمانوں پر یہ بات روشن ہو گئی۔ کہ مرکزی کانگرسی حکومت سے اُنہیں کیا توقع رکھنی چاہیئے! مگر اس قومی مخالفت سے جو کہ اس نے اپنے لئے پیدا کر لی تھی۔ قطعاً لاپرواہی برتتے ہوئے، کانگرس کی مجلس عاملہ نے اپنے اس دعوے

کو اور سختی کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ کہ وہ اپنے آپ کو ہندوستانی قومیت کا تنہا قومی نمائندہ قرار دیتی ہے۔ اور صرف وُہی ایک نمائندہ ہے اور اس لئے موجودہ ہندوستان کی موجودہ حکومت کی فطری وارث ہے۔ ان شورشوں کے لئے جو بھی کبھی ظہور میں آتی ہیں۔ ذمہ داری اور تمام تر ذمہ داری مسٹر گاندھی اور کانگرس لیڈروں کے سر ہے۔ گورنمنٹ کو چیلنج کا پرچار کرنا۔ اس بات کا اقرار کرنا کہ ہم کھلی بغاوت کر رہے ہیں۔ ان معاملات کے سبب ملک میں جو بدنظمی پیدا ہوا اس کے نتائج قبول کرنے کی آمادگی کا اعلان کرنا۔ عوام سے یہ اپیل کرنا کہ تم غلامی کے خلاف کوشش کرو۔ اور جو نتائج ان امور سے پیدا ہوں اُنکی ذمہ داری اپنے اوپر لینے سے انکار کرنا۔ یہ کسطرح سے ہو سکتا ہے؟ جہاں تک کانگرس کا تعلق تھا۔ اُس کے لیڈروں نے اپنے افعال سے اپنے آپ کو ناقابل سماعت بنا دیا تھا چونکہ ان کی سماعت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں اور دوسری جماعتوں کے متعلق زیادہ گراں مشکلات پیدا ہو جائیں۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس عظیم مسلم جماعت کو جس کی تعداد ۹۵ (۱۰۰) ملیون ہے۔ جن میں فرض شناسی کی سرگرمی موجود ہے۔ جو اس روحانیت کی مخالف دُنیا میں اپنی مخصوص حالت کو قائم رکھے ہوئے ہے جس میں گذشتہ حکمرانی کی یاد موجود ہے۔ تم صرف اس بنا پر درخور اعتنا و نہ سمجھو کہ وہ شمار کے لحاظ سے صرف ایک مینارٹی ہے"۔

انگریزی عہد کی ہندو اور مسلمان تحریکیں

انگریزی عہد میں ہندوؤں نے مغربی تعلیم حاصل کی اور مغرب کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ مسلمان تعلیم حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے تھے۔ اور حکومت کا مدعا بھی یہی تھا۔ کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار کیا جائے۔ تاکہ فرقہ وارانہ خیالات قوی ہو جائیں۔ دونوں فرقے برابر کی قوت حاصل کر لیں تاکہ آپس میں قوی حوصلہ سے جھگڑا کر سکیں۔

ہندو تحریکیں

ہندو تعلیم حاصل کرنے بعد ملازمت میں داخل ہو گئے۔ ان میں سیاسی بیداری پیدا ہو گئی۔ اسلئے ان کی سیاسی اور اصلاحی انجمنیں وجود میں آگئیں۔ سب سے پہلی انجمن بنگال میں قائم ہوئی۔ چونکہ اسوقت دارالخلافہ کلکتہ تھا۔ اور بنگال کے لوگوں نے انگریزی تعلیم سب سے پہلے حاصل کی۔ اس انجمن کا نام "برٹش انڈیا ایسوسی ایشن" تھا۔ اور یہ ۱۸۵۱ میں قائم ہوئی۔ اسکے بعد پارسیوں کے شہتراک سے ایک اور انجمن بمبئی میں بنائی گئی۔ اس کا نام بمبئی ایسوسی ایشن رکھا۔ تیسری

ن مہاراشٹر میں بنی اس کا نام "سروجنک سبھا" رکھا چوتھی انجمن مدراس میں بنائی گئی اس کا نام 'مہاجن سبھا' قرار پایا۔

۱۸۵۷ء میں فوجوں کا تصادم ہوا جس کا تاریخی نام 'غدر' رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد سے مسلمانوں کی حالت اور ابتر ہو گئی مسلمانوں کو دفتروں میں کہیں ملازمت بھی نہیں دیجاتی تھی۔ اور ان کی مالی اور تمدنی حالت کو بھی پست کرنے کی کوشش کیجاتی تھی مسٹر بیلی جو پہلے لکھنؤ میں رزیڈنٹ تھے۔ اور بعد میں حکومت ہند کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اپنی رپورٹ میں رقمطراز ہیں۔ (عبدالقدوس ہاشمی پاکستان اور ہندوستان۔ دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۱ء صفحہ ۶۳

"تعلیمیافتہ مسلمان اپنی پرانی قسم کی تربیت پر بھروسہ رکھنے کے باوجود اپنے کو حکومت کے عہدوں اور منافع سے جن پر اب تک وہ قابض تھا بحروم پاتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ کہ تمام نفع کے کام ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ اچھے تعلیم یافتہ لوگوں کے دل بے چینی سے لبریز ہو گئے ہیں۔ یہ احساس اس خیال پر مبنی نہ بھی ہو کہ ان لوگوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے ستایا جارہا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کے مذہب کی وجہ سے ان کے ساتھ بے اعتنائی برتی جارہی ہے"۔

ان اسباب سے ہندوؤں کو تنظیم اور ترقی کا بہتر موقع مل گیا۔ ۱۸۶۱ء میں دستوری اصلاحات کی پہلی سند ہندوستان میں رائج ہوئی۔ تو یہ بھی تمام تر ہندوؤں کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ ۱۸۷۶ء میں ہندوؤں نے ایک اور انجمن بنائی اس کا نام "انڈین ایسوسی ایشن" رکھا۔ سر سریندر ناتھ بنرجی اس کے سرگرم کارکن تھے۔

۱۸۵۷ء کے فوجی ہنگامہ کے بعد اس کے اسباب اور وجوہات کی تحقیق انگریزی حکومت نے کی۔ تو ان کو یہ خیال ہوا کہ راعی اور رعایا کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔ رعیت اپنے خیالات کا اظہار صحیح طریقے پر حکمران کے سامنے نہیں کر سکتی۔ چونکہ ہندوستانیوں کی کوئی سیاسی انجمن نہیں ہے۔ اس خیال کے زیر اثر انگریزی حکومت نے چاہا کہ ہندوستانیوں کی کوئی نہ کوئی سیاسی انجمن ہو جو توانین اور ضابطے کے ماتحت رہے۔ سرکار انگریزی کے رعب میں ہو اور ہندوستانیوں کی سیاسی ضروریات اور ان کے خیالات کا اظہار بھی ہوتا رہے۔ اس مدعا کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ڈفرن نے کوشش کی۔ ایک انگریز آئی سی ایس پنشن یافتہ کو آلۂ کار بنایا۔ اس کا نام ہیوم تھا۔ اور ایک سیاسی انجمن ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو وجود میں آگئی۔ اس کا نام "آل انڈیا یونین" رکھا گیا بعد میں یہی آل انڈیا کانگرس بن گئی۔

ظاہر ہے کہ ۱۸۸۵ میں جو ۱۸۵۷ سے ملحقہ زمانہ ہے مسلمانوں کی حالت بہت ابتر تھی۔ وہ انگریزی تعلیم میں بہت پیچھے تھے۔ اور ملازمت میں تو ان کا کوئی حصہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے آل انڈیا کانگریس میں ابتدا ہی سے تمام ہندو داخل ہوئے۔ اور یہ تحریک ان کے ہاتھوں میں رہی۔ نام تو آل انڈیا رکھا گیا اور یہی رہا مگر قوت اور اقتدار تمام ہندو پارٹی کے ہاتھ میں رہا۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے دل میں اسبات کی خواہش نہ تھی کہ ہندوستان آزاد حکومت حاصل کرے۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ابتدا ہی سے ہی ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ہر بات ہندی اور سنسکرت کے رنگ میں پیش کی گئی۔ ہر پہلو ہندو تہذیب کا مظہر ہوتا تھا۔ کئی دفعہ مسلمانوں نے مصالحت کی کوشش کی۔ تاکہ ان کے حقوق کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ مگر اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

کانگرس کی ہندو پرست پالیسی کا اظہار اس کے اپنے رویہ اور اپنے الفاظ سے ہوتا ہے

مسلمان تحریکیں

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۸۰۳ میں انگریزوں نے دھلی پر قبضہ کیا۔ اور مغل بادشاہ اُن کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ وہ اپنے لال قلعہ میں رہتا تھا۔ اور اُسے حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص یا نظام سے طاقت چھین لی جائے۔ اس کے دل میں طاقت واپس حاصل کرنے کا خیال ہوتا ہے۔ اور جو شخص طاقت چھینتا ہے اس کے دل میں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں میرے ہاتھ سے طاقت نکل کر واپس نہ چلی جائے۔ لہٰذا ان دونوں میں مخالفت رہتی ہے۔ اسی سبب سے انگریز اور مسلمان ابتدائی دور میں ایک دوسرے کو شبہات کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انگریزوں نے یہ ہندو طبقہ کو اسی خیال سے محکم کرنے کی ٹھان لی تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ جماعت ان کے کام آئے۔ کچھ یہ کہ مسلمان خود پیچھے پیچھے رہے۔ یا یہ کہ وہ انگریزی حکومت سے پورا تعاون اسلئے نہیں کرتے تھے۔ کہ ان کے ہاتھ سے حکومت نکل چکی تھی۔ ہندوؤں کو انگریزی راج میں ملازمتیں حاصل کرنے کا اچھا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ اور مسلمان اس سے متنفر رہے۔

مسلمانوں کی حالت ۱۸۰۳ کے بعد گرتی گئی۔ کچھ تو دربار سرکار کی سیاست کے سبب کچھ مسلمانوں کی عدم توجہ کے سبب اور کچھ ہندوؤں کی مخالفت کے سبب۔

فرائضی تحریک

مسلمانوں میں دو تحریکیں اس دوران میں وجود میں آئیں (۱) "فرائضی تحریک" اس تحریک کے

بانی مولانا شریعت اللہ صاحب بہاری تھے۔ یہ تحریک بہار سے شروع ہوئی اور اُس نے بہار بنگال میں فروغ پایا۔ اس وقت انگریزوں نے ہندو سرمایہ داروں کو واسطہ بنا رکھا تھا۔ اور وہ مسلمان زمینداروں اور کسانوں کو معاشی طریقے سے برباد کر رہے تھے فرائضی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ مُسلمان سنبھل جائیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اس تحریک کے حامیوں پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اور یہ تحریک تھوڑے عرصے میں ختم ہو گئی۔

وہابی تحریک اس کے بانی مولانا سید احمد ہیں۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا۔ کہ اسلامی بنیادوں پر ہندوستان کے مسلمانوں کی اصلاح کی جائے۔ وہ اسلام اور تمدن اسلامی سے پورے طور پر بہرہ ور ہو جائیں اسکا نام انگریزوں نے وہابی تحریک رکھا ہوا ہے۔ اور مسلمانوں نے سید احمد کی تحریک یہ تحریک پنجاب اور نواح میں شروع ہوئی اسوقت پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی۔ مولانا سید احمد سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر یاغستان میں چلے گئے۔ جہاں پٹھان رہتے ہیں۔ اور وہ خود ہی اپنے حاکم ہیں۔ انگریزوں نے اسوقت تک اس تحریک کی مخالفت نہیں کی۔ ۱۸۴۹ میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو انگریزوں نے وہابی تحریک کو بڑی سختی کے ساتھ کچل دیا۔ ان دونوں تحریکوں کو مٹانے کے لئے انگریزوں نے ہندوؤں سے بہت کام لیا۔ اور اسطرح سے ہندو جماعت کو امداد ملی۔ تاہم وہابی تحریک کی عمر فرائضی تحریک کی نسبت بہت زیادہ ہوئی اور یہ اب بھی فضا میں اپنا اثر کر رہی ہے۔ یہ دونوں تحریکیں ۱۸۵۷ سے پہلے وجود میں آئیں۔

علی گڑھ کی تحریک ۱۸۵۷ کے بعد جو مسلمانوں میں تحریک بہتری اور بہبودی کے لئے وجود میں آئی وہ علی گڑھ کی تحریک تھی۔ اس کے بانی سر سید احمد خاں تھے۔ مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کیلئے علی گڑھ میں ایک کالج قائم کیا گیا۔ تاکہ مُسلمان انگریزی تعلیم اور مغربی خیالات سے بہرہ ور ہوں۔ علاج کا طریق کار صحیح ہو یا غلط اس میں حکومت کی منشا اور امداد کو دخل ہو یا نہیں۔ مگر ایک علاج ضرور تھا۔ جو سر سید کی سمجھ میں آ گیا۔ ابتدا میں تو یہ تعلیمی تحریک تھی۔ چونکہ تمام ہندوستان میں مسلمانوں کا اور کوئی مرکز نہ تھا۔ اس لئے چند دنوں میں ہی علی گڑھ ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی مرکز بن گیا۔

کانگرس ابتدا سے ہندو ادارہ رہا ہے مسلمانوں کو اپنے لئے الگ سیاسی اور تعلیمی اداروں کے بنانے

کی ضرورت ہوئی۔ کانگرس کا نام تو آل انڈیا کانگرس یا نیشنل کانگرس رکھا گیا تھا۔ مگر یہ ابتدا سے ہی ہندو ادارہ تھا۔ اور اسپر ہندو رنگ غالب رہا۔ رشبروک ولیمز لکھتا ہے۔ "تعلیم یافتہ مسلمان اپنے آپ کو ایک آل انڈیا جمعیت یعنی مسلم لیگ کی شکل میں منظم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مسلم لیگ اس ہندو نظام یعنی انڈین نیشنل کانگرس کے بالمقابل ایک جمعیت ہے۔ کانگرس میں ہندو عنصر غالب ہے۔ گو اسمیں مسلمان ممبر بھی شامل ہیں"۔ (رشبروک ولیمز۔ ہندوستان رسالہ۔ صفحہ ۴۳)

تمام کاروبار سنسکرت، ہندی۔ اور وید کے رنگ میں ہوتا تھا۔ ہندوؤں کو اکثریت بھی حاصل تھی، اور ہندو کام میں پیش پیش بھی تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی نہیں چلتی تھی۔ کئی دفعہ مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں اس کام کے لینے کی کوشش کی۔ مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے کانگرس کے ارباب بست وکشاد سے مصالحت کرنے کی کوشش کی مگر کانگرسی تو ہندو تھے۔ اور وہ ہندو رہنا چاہتے تھے۔ البتہ وہ مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنے ساتھ شامل کرنے کو تیار تھے۔ کہ مسلمان ہندو قوم کا ایک حصہ کہلائیں اور ان کے زیر دست رہیں۔ وہ ہندوؤں کو اکثریت اور اپنے آپ کو اقلیت مانیں اور ہر طرح سے ہندوؤں کی خدمت کرتے رہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت کانگرس کے اپنے الفاظ میں ملتا ہے۔

کانگرس کا نصب العین ہندو قوم کا احیاء ہے مسٹر پٹا بھی کے الفاظ میں

تاریخ کانگرس ایک کتاب مسٹر پٹا بھی سیتا رامیہ نے لکھی ہوئی ہے۔ یہ صاحب ۱۹۳۹ میں کانگرس کی صدارت کے امیدوار تھے؛ اور کانگرس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی تھے۔ اس کتاب کا پیش لفظ بابو راجندر پرشاد نے لکھا ہوا ہے۔ جو اسوقت کانگریس کے صدر تھے۔ گویا اس کتاب کو کانگرس کی سرکاری کتاب ہونیکی حیثیت حاصل ہے۔ اور مصنف کا بیان ہر طرح سے کانگرسی خیالات کا آئینہ دار ہے۔ صفحہ ۲۲ پر مسٹر پٹا بھی نے لکھا ہے۔

ان اصلاحی تحریکوں سے ملک میں قومیت کی مخالفت کرنے کے جو رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ انکے خلاف قدرتاً ایک ردعمل ہونا لازم تھا جس سے ان رجحانات کی اصلاح ہو سکتی۔ چنانچہ شمال میں تقدس مآب سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد ڈالی اور جنوب میں تھیوسوفیکل تحریک کی بنیاد پڑی۔ ان تحریکوں نے ادھرمی (ملحدانہ) خیالات اور دھرم سے انکار کی اس ذہنیت کی اصلاح کی جو مغربی تعلیم سے ملک میں پیدا ہو رہی تھی۔ دونوں تحریکیں بالکل قوم پرستانہ تحریکیں تھیں۔ البتہ آریہ سماج کی

تحریک جو اپنے وجود کے لئے سوامی دیانند اعظم کی منت پذیر ہے۔ اپنے حب الوطنی کے جوش میں جارحانہ نوعیت کی تھی ویدوں کی تعلیم کے منزہ عن الخطا ہونے اور ویدک کلچر کی برتری کے عقیدہ سے سختی کے ساتھ وابستگی کے باوجود یہ تحریک وسیع پیمانہ پر معاشرتی اصلاح کے خلاف نہ تھی۔ اس طرح اس تحریک نے قوم میں ایک ایسی مردانہ زندگی پیدا کی جو ان کمالات کے ساتھ جو قوم کا ورثہ تھے۔ ماحول کی تمام خوبیوں کی بھی جامع تھی۔ ہندو قوم میں جو معاشرتی خرابیاں اور مذہبی توہمات موجود تھے۔ ان میں سے بعض کے خلاف اس تحریک نے اس طرح جنگ کی جس طرح برہمو سماج نے شرک، بت پرستی اور تعداد ازدواج کے خلاف جنگ کی تھی، بلاشبہ جیسا کہ توقع ہوسکتی تھی۔ خود آریہ سماج میں نقطہ ہائے خیال پیدا ہو گئے۔ ایک میں گوروکل خیال کے لوگ شریک تھے جو ویدک تصور کے برہمچاریہ اور مذہبی خدمات کے حامی تھے۔ اور دوسرے وہ جو جدید قسم کے تعلیمی اداروں کے ذریعہ ضروری حد تک جدید مغربی تہذیب حاصل کر کے سوسائٹی کا احیا چاہتے تھے۔ سوامی شردھانند شہید اور ہیرو لالہ لاجپت رائے دونوں اپنے اپنے نقطہ ہائے خیال کے علمبرداروں کی حیثیت سے ممتاز ہیں۔

یہ تمام تحریکیں حقیقتاً ہندوستانی قومیت کی زنجیر کی مختلف کڑیاں تھیں اور اب قوم کا فریضہ تھا کہ ایک جامع چیز پیدا کی جائے جس کے ذریعہ تعصبات اور اوہام کو رفع کیا جائے۔ اور قدیم دین یعنی ویدانتی تصوریت (آئیڈیل ازم) کا احیا کر کے اور نکھار کر اسے عہد جدید کی قومیت سے مطابقت دے کر چلایا جاسکے۔ انڈین نیشنل کانگرس کے ذریعہ اس مشن کا پورا ہونا مقدر تھا۔" (ہاشمی پاکستان اور ہندوستان صـ ۶۸)

مسلمانوں کیلئے ضروری ہوا کہ اپنی تہذیب کی خود حفاظت کریں

کانگرس کا مقصد ابتداً سے یہی رہا ہے۔ کہ خالص ہندو معاشرت اور تہذیب کو ہندوستان میں رائج کیا جائے۔ وہ ہندو تہذیب جو ویدک زمانے میں ہندوستان میں موجود تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں، کہ ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب میں بعد المشرقین ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہندوستان سے اسلامی تہذیب کو مٹا دیا جائے یا برطرف کر دیا جائے تاکہ ہندو تہذیب پوری قوت کے ساتھ فروغ پا سکے۔ یہ بات مسلمانوں کو ناگوار تھی کہ ہماری تہذیب میدان سے نکل جائے۔ اور تہذیب کے لحاظ سے ہم ایک گھٹیا تہذیب کے زیر اثر ہو جائیں جس میں عملی قوت اور زندگی کی علامات

بہت کم ہیں، جب بھی مسلمانوں نے اپنے حقوق طلب کئے۔ اور اپنی تہذیب کے لئے مناسب جگہ کا مطالبہ کیا۔ تو ہندو اکثریت نے ان کو نیچا دکھایا۔ اور کانگرس میں اپنی جگہ بنانے کا موقع نہ دیا۔ اس لئے مسلمانوں کو مجبوراً اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے الگ جماعت بنانی پڑی یعنی تعلیمی اور سماجی تحریکات کو الگ چلانا ضروری ہو گیا۔

ندوۃ العلما کی تحریک

علی گڑھ کی تحریک کے بعد تھوڑے عرصے میں ایک اور تحریک وجود میں آئی۔ جس کو ندوۃ العلما کی تحریک کہتے ہیں۔ اسکے بانی مولانا محمد علی مونگیری تھے۔ اس تحریک کا مطلب یہ تھا۔ کہ مسلمان علما کے خیالات کی اصلاح کی جائے اور انہیں جدید حالات سے باخبر کیا جائے۔ علماء نے خود اس کی مخالفت کی۔ اس تحریک کو مضبوط کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کا دارالعلوم قائم کیا گیا۔ تاکہ جو علما وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں وہ ان خیالات کے حامل ہوں۔ یہ مدرسہ لکھنؤ میں اب بھی موجود ہے اور ملت کی خدمت کر رہا ہے۔

ڈیفنس ایسوسی ایشن

ہندوستان میں اصلاحات کی کئی قسطیں نافذ ہوئیں۔ اور ہر مرتبہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا ۱۸۹۳ میں مسلمانوں نے اپنی سب سے پہلی انجمن قائم کی۔ جو حقیقی معنوں میں سیاسی کہلانے کی مستحق ہے۔ اسکا مرکز علی گڑھ تھا۔ اسوقت سے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم شروع ہوئی۔

ڈیفنس ایسوسی ایشن نے سرکار انگریزی کو مخلوط انتخابات کے خلاف ایک یادداشت بھیجی اور یہ درخواست کی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے انتخابات الگ الگ ہونے چاہئیں۔ یہ انجمن دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ چونکہ علی گڑھ کی تعلیمی تحریک اور اس سیاسی تحریک کو چلانے والے ایک ہی لوگ تھے۔ انہوں نے ساری توجہ تعلیمی کاموں کی طرف مبذول کر دی۔ اور ڈیفنس ایسوسی ایشن کسمپرسی کی حالت میں گر کر دنیا سے نابود ہو گئی۔

تقسیم بنگالہ

ڈیفنس ایسوسی ایشن ختم ہو گئی۔ مگر دنیا کے ہنگامے ختم نہ ہوئے۔ اور نہ کبھی ہونگے۔ ۱۹۰۵ میں لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی۔ ہندوؤں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے فساد شروع کر دیا۔ اگرچہ اس سرکاری کارروائی میں مسلمانوں نے کوئی حصہ نہ لیا تھا نہ ہی انہوں نے تقسیم بنگالہ کیلئے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی۔ مگر ہندوؤں نے ان پر تشدد شروع کر دیا۔ اور بنگال، بہار، اودھ

یوپی کے کئی اضلاع میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد ہوئے۔ اور بے قصور مسلمانوں کو ہندوؤں نے اپنا عناد نکالنے کے لئے بے عزت اور بدنام کیا۔ غرض ان فسادوں سے یہ تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ ہندو اس تقسیم سے ناراض ہیں وہ اس اظہار ناراضگی میں کامیاب ہو گئے اور ۱۹۱۲ء میں گورنمنٹ نے تقسیم بنگالہ کو منسوخ کر دیا۔ اور یہ ہنگامہ کچھ فرو ہو گیا۔ لارڈ کرزن کی تقسیم بنگالہ کی چال بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ ہندو مسلمانوں کا نفاق بہت بڑھ گیا۔ اور دونوں جماعتیں اپنے اپنے سیاسی حقوق طلب کرنے میں شدومد سے کوشش کرنے لگیں۔

مسلم لیگ

مسلم لیگ کا قیام

۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم لارڈ کرزن نے کی۔ ہندو مسلمانوں میں فساد ہوا۔ سیاسی بیداری تمام ہندوستان میں پیدا ہو گئی۔ اور دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے سیاسی حقوق طلب کرنے شروع کئے اسوقت سرکار انگریزی ہندوستانیوں کو کچھ سیاسی حقوق اور عطا کر رہی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ہندو جماعت ہمارے حقوق پر چھاپہ مارے۔ اور ہمیں حق سے کم حقوق ملیں۔ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کا خیال مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوا۔ چند مقتدر مسلمان اصحاب علی گڑھ میں جمع ہوئے۔ ان میں نواب وقار الملک اور سر آغا خاں بھی تھے۔ انہوں نے

۱۹۰۶ء کی یادداشت مسلمان الگ قوم ہیں

ایک یادداشت تیار کی۔ اور وائسرائے لارڈ منٹو کی خدمت میں اسے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو پیش کیا گیا۔ اس یادداشت میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کا تذکرہ تھا۔ اور یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ آئندہ اصلاحات میں کن حقوق کی نگرانی مسلمان ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس میں یہ ثبوت بھی دیا گیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ ہندوؤں سے جدا۔ اس لئے ان کو الگ سیاسی حقوق ملنے چاہئیں۔ اس یادداشت میں یہ عبارت بھی تھی۔ " . . . . جو طریقہ نیابت (قائم مقامی رعایا) کا یورپ میں رائج ہے وہ ہندوستان کے لئے بالکل جدید ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ ہماری یعنی مسلمان قوم کے دور اندیش افراد کا خیال ہے کہ اس طریقہ کو ہندوستان کی موجودہ تمدنی اور سیاسی حالات پر کامیابی کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے نہایت حزم و احتیاط اور مآل اندیشی سے کام لینا پڑے گا۔ جو اگر نہ لیا جا سکا تو منجملہ اور خرابیوں کے ایک بہت بڑی خرابی پیش آئے گی۔ کہ ہمارے قومی اغراض کا سیا

وسفید ایک ایسی جماعت (یعنی ہندو) کے حوالے ہو جائے گا۔ جسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے ۔ . . . .

قومی حیثیت سے ہم مسلمانوں کی ایک جداگانہ جماعت ہے۔ جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔ ہمارے اغراض و مصالح ایسے ہیں جن کا تعلق بلا شرکت غیرے ہماری ذات سے ہے۔ اور جن میں کسی دوسری قوم کا بالکل دخل نہیں ہے۔"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ قومیت کا یقین تھا۔ اور وہ اس بات کو بھی صاف کر دینا چاہتے تھے۔ کہ ووٹوں کے ذریعہ اگر ہندوستان کی جمہوری حکومت قائم کی گئی۔ تو ہندو قوم مسلمانوں پر غالب ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں کے حقوق کچل دے گی۔ اس لئے اس یادداشت میں مخلوط انتخابات کے نقصانات پر بحث کی گئی۔ اور اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ ہندو اور مسلمانوں کا انتخاب الگ الگ ہونا چاہیئے۔

یہ یادداشت تو چند صاحب دل مسلمانوں نے لکھ کر وائسرائے کی خدمت میں بطور ایڈریس پیش کر دی۔ مگر اس وقت مسلمانوں کی کوئی نمائندہ سیاسی جماعت نہ تھی۔ خیال ہوا کہ اگر گورنمنٹ ہند مسلمانوں کو اس یادداشت کا جواب بھیجے تو کس کے نام پر بھیجے۔ مسلمانوں کے نمائندے ڈھاکے میں جمع ہوئے۔ جلسہ کے صدر نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین تھے۔ اس جلسہ میں "مسلم لیگ" کے نام سے انجمن قائم کی گئی۔ جو مسلمانوں کی مرکزی سیاسی جماعت ہے۔

ہندو سبھا کی تشکیل

یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ ہندوؤں نے اسی وقت اپنی ایک نئی جماعت تشکیل کیا۔ اس کا نام ہندو مہا سبھا رکھا۔ اور اسے میدان میں مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کے خلاف کام کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اس سے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ دو جماعتیں اپنے قبضے میں رہیں جس رنگ میں چاہیں دونوں کا استعمال کریں۔ دوسری بات یہ کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی قومی جماعت ہے۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کی قومی جماعت مہا سبھا ہے۔ مگر آل انڈیا کانگرس تمام ہندوستان کی کانگرس ہے۔ یعنی اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ ہندو پارٹی اس بات کو دنیا پر واضح کرنا چاہتی تھی ظاہر ہے کہ کانگرس ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے ابتدا سے رہی ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گی۔ اس لئے اس کو تمام ہندوستان کا مشترکہ ادارہ ظاہر کرنا ایک سیاسی چال ہے۔ تاکہ ہمدردیاں اور خدمات تو تمام ہندوستان کی حاصل کریں۔ اور ان کو استعمال صرف ہندو جماعت کی بہبودی کے لئے کیا جائے۔

مسلم لیگ کا نصب العین

مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اور اس لئے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور بہبودی کا انتظام اس جماعت کا فرض ہے۔ ہندوستان کو نیم آزادی یا آزادی دینے کا اعلان سرکار برطانیہ بہت عرصے سے کر رہی ہے۔ اور آزادی کو کسی نہ کسی شکل میں حاصل کرنا ہندوستان کے باشندوں نے اپنا نصب العین بنا رکھا ہے۔ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں آباد ہیں۔ اب وہ آزادی حاصل کرنے کے لئے متحد ہو جائیں اور یکجا کوشش کریں تو یہ ایک ترکیب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں ہندوستان میں الگ الگ آزاد حکومتیں قائم کر لیں۔ اور نیک ہمسایوں کی طرح سے پہلو بہ پہلو رہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اور اپنے اپنے حلقے میں انتہائی ترقی کو پہنچیں۔ ہندو کانگرس اور مسلم لیگ میں اتحاد پیدا کرنے کے بہت سے طریقے اختیار کئے گئے۔ مگر یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔ ۱۹۱۳ تک مسلم لیگ کے کئی اجلاس ہوئے۔ کراچی۔ امرتسر۔ دہلی۔ ناگپور۔ ڈھاکہ۔ اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو گئی۔

مسلم لیگ اور کانگرس کا اتحاد

مسلم لیگ ۱۹۰۶ میں قائم ہوئی۔ ۱۹۱۶ میں لیگ کا وقار اس درجہ ہو گیا کہ آل انڈیا کانگرس نے لیگ کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کیا۔ لیگ کو مسلمانوں کا نمائندہ مانا گیا۔ اور ہندو جماعت نے مسلمانوں سے مل کر کام کرنے کی ترکیب نکالی۔ اس کا نام "میثاق لکھنؤ" (لکھنؤ پیکٹ) ہے۔ نومبر ۱۹۱۶ میں لیگ اور کانگرس کا متحدہ اجلاس کلکتہ میں سر سریندر ناتھ بنرجی کی صدارت میں ہوا۔ اور لیگ اور کانگرس ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو گئے۔ یاروں کی ریشہ دوانیاں۔ اغیار کی مہربانیاں اور ابرار کی کارستانیاں۔ سب کی آنکھوں میں لیگ کا وقار خار بن کر کھٹکا۔ غیروں کا تو کام ہی بگاڑنا ٹھہرا۔ مگر اپنوں نے بھی دور اندیشی سے کام نہ لیا۔ آپس کی پھوٹ سے لیگ کمزور ہو گئی۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس

۱۹۲۱ میں مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کا نفاذ ہوا۔ اس کے ماتحت وزارتوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کیا گیا۔ مسلمانوں میں سیاسی بیداری بڑھ گئی۔ اور انہوں نے اپنے مطالبات پر زور دیا۔ ہمیں ملک کے انتظام اور سرکاری ملازمتوں میں زیادہ حصہ ملنا چاہیئے۔ اس کام میں چند پرجوش اصحاب شامل ہوئے۔ مگر خیال

ہوا کہ جس ترکیب اور پروگرام کے ساتھ مسلم لیگ کام کر رہی ہے ۔ وہ غیر تسلی بخش اور ناکافی ہے ۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کو عمل میں آئے جب دس سال گذر جائیں گے ۔ (یعنی ۱۹۳۱) تو سرکار برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ہندوستانیوں کو اور حقوق دیں گے ۔ ان حقوق کا مطالبہ پوری طاقت سے کرنا چاہیئے ۔ اس لئے ایک اور انجمن ۱۹۲۸ میں بنائی گئی جس کا نام آل پارٹیز مسلم کانفرنس رکھا All Parties Muslim Conference کمیونل ایوارڈ شائع ہوا ۔ اور اس کو ۱۹۳۲ کی وائٹ پیپر سکیم آف ریفارمز میں شامل کر دیا گیا ۔ اس سے مسلمانوں کی سیاسی قوت بہت بڑھ گئی ۔

White Paper Scheme of Reforms

ایکٹ ۱۹۳۵ کے انتخاب میں لیگ کی کامیابی

۱۹۳۴ میں اسبات کے لئے کوشش کی گئی کہ مسلم لیگ میں جو تفرقہ پیدا ہو گیا ہے ۔ اس کو مٹا کر مسلم لیگ میں اتحاد پیدا کیا جائے ۔ اور ساتھ ہی مسلم لیگ اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کو یکجا کر کے ایک انجمن بنالی جائے ۔ تاکہ کام زیادہ سہولت سے ہو سکے ۔ دونوں انجمنوں کو ملا کر ایک کرنا تو ممکن نہ ہو سکا ۔ مگر لیگ کی قوت بڑھ گئی ۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کے ماتحت پہلی مرتبہ صوبجاتی اسمبلیوں میں ممبروں کا انتخاب ہوا تو مسلم لیگ کو بہت کامیابی ہوئی چونکہ مسلم لیگ کے بہت سے نامزد منتخب ہوئے ۔ مسٹر جناح لیگ کے صدر تھے ۔ اس لئے مسٹر جناح اور ان کے ماتحت کارکنوں کی بہت تعریف ہوئی ۔

۱۹۳۵ کے بعد سے لیگ کا اثر تمام ہندوستان میں بڑھ گیا ۔ اور مختلف علاقوں میں لیگ کی شاخیں قائم کی گئیں ۔ ۱۹۳۷ میں نئے دستور کا نفاذ ہوا جس کی رو سے صوبوں میں گورنر کے ساتھ ہندوستانی وزیر کام کرتے ہیں ۔ اور قانون ساز مجلس صوبے کے لئے قانون بناتی ہے ۔ گویا صوبہ اسطرح سے نیم خود مختار ہے بعض باتیں مرکز کے ماتحت ہیں ۔ مرکز کا انتظام یہ ہے کہ وہاں ایک قانون ساز اسمبلی ہے ۔ جس کے ممبروں کو صوبے اور دیسی ریاستیں انتخاب کرتی ہیں ۔ یہ مجلس تمام ہندوستان کے لئے قانون بناتی ہے ۔ اور وائسرائے کے ماتحت ہے ۔ مرکز میں بھی وائسرائے کے ساتھ ہندوستانی وزیروں کو رکھا گیا ۔ یہ وزیر مرکزی اسمبلی کے سامنے اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے بہت بڑی سیاسی اور قانونی طاقت ان اسمبلیوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے ۔

وہ جو قانون چاہیں بنا دیں۔ اور جسطرح سے چاہیں ملک کا انتظام کریں۔ اس نئے دستور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک بھر میں انتخابات ہوئے۔ ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگرس نے وزارتیں قائم کر لیں۔ کانگرس نے مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے کہ مسلمان قوم ہندو قوم کے ماتحت ایک جماعت ہو۔ کانگرس کے پیش نظر ویدک تہذیب اور ہندو قوم کی ترقی تھی۔ گویا مسلمان کو اگر مٹایا نہ جائے تو اس کی حیثیت غلام سے زیادہ نہیں رہتی (اس کا تذکرہ ہم نے الگ ایک مقالے میں کیا ہے۔ مقالہ ۱۰ صفحہ) مسلمانوں کے لئے یہ بات ناممکن تھی۔ کہ وہ اس صورت حالات پر راضی ہو جائیں۔ بھلا کون سا ایسا بشر ہے جو اپنی ہستی کو برباد ہوتے دیکھے۔ اور خاموش رہے۔ کون سا ایسا جگر ہے جو اپنے سرمایہ ہستی کو خاک و خوں میں غلطاں دیکھے اور اس میں گرمی پیدا نہ ہو۔ مسلمانوں نے تہیہ کر لیا کہ ہم برباد نہیں ہونگے۔ اس میں لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے قابل قدر کام کیا۔

تجویز پاکستان

مسلمانوں کے لئے اب صرف ایک ہی راستہ باقی تھا اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اپنی جماعت کی الگ تنظیم کریں۔ اور اس سے اسلامی نظریۂ زندگی کو زندہ رکھیں۔ مارچ ۱۹۴۰ میں لیگ کا اجلاس لاہور میں ہوا۔ وہاں ایک تجویز منظور ہوئی جس کو "تجویز پاکستان" کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کو ہندوستان کا الگ حصہ دے دیا جائے۔ اس کا نام پاکستان ہے۔ یہاں پر وہ اپنی سلطنت قائم کریں۔ مسلمان ہندوؤں کی بینارٹی نہیں ہیں۔ بلکہ ایک الگ قوم ہیں۔ ہندوستان کا دوسرا حصہ ہندو علاقہ ہوگا۔ اس کا نام بھارت رکھ لو۔ یہ دونوں ایک مرکز کے ماتحت ہونگے۔ اور آپس میں ربط و اتحاد رکھیں گے۔ ۱۹۴۱ میں مسلم لیگ نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ مسلمان ہندوستان میں بلا شرکت غیرے اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی قسمت کے خود مالک ہوں گے۔

کانگرس نے یہ خیال کیا کہ اگر حکومت کو ڈرائیں گے تو حکومت ہمیں مزید حقوق دے دیگی۔ کانگرس نے یہ سوچا کہ اگر ہم وزارتوں سے استعفے دے دیں گے۔ تو جنگی امداد میں کمی واقع ہوگی۔ جنگ کی حالت نازک ہو جائے گی۔ اور سرکار برطانیہ ہماری خوشامد کرنے پر مجبور ہوگی۔ کہ ہم پھر سے وزارتیں سنبھال لیں گے۔ اس لئے کانگرس نے وزارتوں سے نومبر ۱۹۳۹ میں استعفا دے دیا۔ مگر حکومت

گویا پاکستان کا نظریہ کسی ایک دماغ کی فوری تخلیق نہیں۔ بلکہ ایک فطری نتیجہ ہے۔ جس کی ابتدا ننھے سے بیج کی شکل میں ہوئی اور جس طرح سے ہندوستان کی فضا آئینی اور سیاسی حالات میں ترقی کرتی گئی۔ اسی طرح مسلمان بھی بیدار ہوتے گئے۔ حتےٰ کہ جب مسٹر گاندھی کی قیادت میں ہندو پارٹی نے تشدد کیا تو مسلمانوں نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ اسلامی ہندوستان الگ رقبہ ہوگا۔ جہاں مسلمان ہندو کے ماتحت نہیں رہیں گے۔ بلکہ خود اپنی قسمت کے مالک ہوں گے۔ اور اب تمام صائب الرائے لوگوں کی یہی رائے ہے کہ اگر ہندوستان خود مختاری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کی ترکیب صرف یہی ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو علیحدہ خود مختار حکومت قائم کرنے کا حق دے دیا جائے۔

سر ایولین ریچ ایک صاحب ہیں جو لنڈن میں کبھی اخبار سپکٹیٹر کے ایڈیٹر تھے۔ (Spectator)

Immortal year. Boole by Sir Everyn Wrench

ریچ ۱۹۳۷ - ۴۴ کے درمیان ہندوستان میں ۳۰ مہینوں تک امریکن ریلیشنز آفیسر کے عہدے پر معمور رہا۔ اس کا ایک بڑا مقصد یہ تھا۔ کہ ہندوستانی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہندوستان کو دستوری حکومت دینے کی کوئی تجویز نکالی جائے۔ ریچ ہندوستان میں تمام بڑے بڑے سیاسی لیڈروں سے ملا۔ غیر ملکی اور غیر متعصب صاحب قلم ہونے کی حیثیت سے ریچ کی رائے کو بہت وقعت دینی چاہیئے۔ واپس انگلستان جا کر ریچ نے ایک کتاب لکھی۔ اماٹل ئی آرز (غیر فانی سال) اس کی تمہید میں لکھا ہے۔ "میں اپنے دماغ میں اس بات کا پختہ یقین لے کر ہندوستان پہنچا تھا۔ کہ جس قدر جلدی ممکن ہو ہندوستان کو برٹش کامن ولیتھ کے اندر آزاد حکومت بنا دینا چاہیئے۔ تاہم جب میں نے آئینی مسئلے کا مطالعہ موقع پر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستان ایک اکائی نہیں ہے۔ اور جو کوشش بھی ہندوستان میں تمام علاقے پر یکساں یا بہت طاقتور مرکزی حکومت قائم کرنے کی کی جائے گی۔ اس کی قسمت میں ناکامی لکھی ہے۔ خانہ جنگی سے بچنے کا میرے خیال میں صرف ایک ہی طریقہ ہے ــــ اسلامی ہندوستان کے حق آزادی کو مان لیا جائے۔ جس طرح سے کہ حقیقتاً ہر ایسی مینارٹی کا حق تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جس میں معیّن شکل رکھنے والی مخصوص قومی روح پیدا ہو چکی ہو۔" اسی طرح سے امریکہ۔ انگلستان اور باقی دنیا کے سارے سیاست دان تو اب یہی کہتے ہیں کہ اسلامی ہندوستان کو اپنی آزاد حکومت بنانے کا حق حاصل ہے۔ چونکہ مسلم جماعت میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن سے قوم بنتی ہے۔ مگر مسٹر گاندھی اور ان کی پارٹی اب تک بآواز بلند یہی پکار رہے جاتی ہے۔ کہ تمام ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت ہو

جس کے واحد ٹھیکیدار ہم ہوں. قانون، حقوق، دوسروں کی ضروریات سے کوئی سروکار نہیں. اپنی حکومت قائم کرنے کے دھن ہے یہ ہے خود غرضی اور خود ستائی، خود نمائی اور اپنے منہ آپ میاں مٹھو. مگر وہ مسلمان نہیں کوئی بیوقوف ہوگا جو یہ کہے کہ میں غلام بن کر رہنا چاہتا ہوں. چونکہ اسلام قائم حریت پر. جو خود غلامی خریدے اور قیامت تک اپنی آنیوالی نسلوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھ جائے. وہ قرآن پاک اور شرع شریف کی رو سے مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں. تم جو جی چاہے اس کا نام رکھ لو. تم کم فہم سہی مگر ان نازائیدہ معصوموں نے تمہارا کون سا قصور کیا ہے.

ہندوستان کے صاحب فہم ہندو بھی معاملے کو سمجھنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے ہیں. کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی الگ آزاد حکومت ہونی چاہیئے. اسیطرح سے ہندوستان بہتر ترقی کر سکتا ہے. ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے (اخبار ٹریبون لاہور مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵) مسٹر سی راجا گوپال اچاریہ نے مقامی انجمن وکلاء میں تقریر کی. راجا گوپالا چاریا گاندھی جی کے اخبار ینگ انڈیا کا ایڈیٹر رہا. 1921 - ۲۲ میں کانگرس کا جنرل سیکرٹری تھا. ۱۹۳۵ تک کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر تھا جب کانگرس وزارتیں قائم ہوئیں تو صوبہ مدراس کا ۱۹۳۷ سے ۱۹۳۹ تک وزیر اعظم تھا. اس نے ۱۹۴۲ میں کانگرس کو چھوڑ دیا. ٹریبون یہ کہتا ہے. کہ "مقرر کا یقینی طور پر یہ عقیدہ تھا. کہ ان دو صورتوں میں سے. ملک کو تقسیم کر لو اور. ہندوؤں اور مسلمانوں کا ناکارہ اتحاد ۵۰ ، ۵۰ فیصدی کے اصول پر قائم کیا جائے. یہ بات بہت قابل ترجیح ہے. کہ ملک کو تقسیم کر لیا جائے. مسلم لیگ تعصب اور شبہات سے معمور ہے اور عام طور پر یہ فرقہ وارانہ معاملات میں تعصب پیدا ہو جاتا ہے. اور اس لئے مشترکہ گورنمنٹ صرف ایک برائے نام گورنمنٹ ہوگی. اپنی بہترین کیفیت میں یہ ایک منفی گورنمنٹ ہوگی" اس لئے پاکستان کا قیام ضروری ہو گیا ہے.

مقالہ ۱۰

کانگرسی راج کی تاریخ

دستور ۱۹۳۵ء

سرکار انگریزی ہندوستانیوں کو اقساط وار سیاسی حقوق عطا کر رہی تھی۔ ان حقوق کی ایک قسط گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کے ذریعہ سے عطا ہوئی۔ یہ دستور ۱۹۳۵ کہلاتا ہے۔ اسکے دو حصے ہیں۔ صوبوں کا انتظام۔ مرکز کا انتظام۔ ہر صوبہ گورنر کے ماتحت ایک نیم خود مختار حکومت ہے۔ ہر صوبے کی اپنی قانون ساز مجلس ہے اور صوبہ اپنی منشا کے مطابق قانون بناتا رہتا ہے۔ صوبے کے بہت سے شعبے تو صوبے کے سپرد ہیں۔ مگر کچھ شعبوں کا انتظام مرکز کے سپرد ہے۔ مرکز میں وائسرائے کے ماتحت ایک قانون ساز اسمبلی ہے جو سارے ہندوستان کے لئے قانون بناتی ہے۔ اس اسمبلی میں تمام صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندے شامل ہیں۔ مرکز میں جو وزیر سرکار ہند نے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ان کو اس مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دینا پڑتا ہے۔ صوبائی اسمبلی اور مرکزی اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب ووٹوں سے ہوتا ہے۔ ان ووٹوں کے ذریعہ ہندوستان کے باشندوں کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق مل جاتا ہے۔ وہ جس کو چاہیں انتخاب کریں۔ اور ان منتخب شدہ ممبران اسمبلی کی وساطت سے جو قانون چاہیں پاس کرالیں۔

صوبوں میں کانگرسی وزارتوں کا قیام

دستور ۱۹۳۵ کا نفاذ ۱۹۳۷ میں ہوا۔ انتخابات میں کانگرس اور لیگ دونوں نے حصہ لیا۔ ووٹوں کا نتیجہ برآمد ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے گیارہ برطانوی صوبوں میں سے کانگرس کو سات ۷ صوبوں میں اکثریت حاصل ہوگئی ہے۔ چار ماہ تک کانگرس نے وزارتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مسلم لیگ نے بھی ۴ اسلامی صوبوں میں اپنی وزارتیں نہ بنائیں۔ اس کے بعد کانگرس اور لیگ دونوں نے وزارتیں قبول کرلیں اور ہندوستان میں یہ پہلی سیاسی طرز کی ہندوستانی حکومت کام کرنے لگی۔ لڑائی ۱۹۳۹ میں شروع ہوئی (۱۹۳۹ - ۱۹۴۵ کی جنگ) تو کانگرس نے حکومت کے کاموں میں مین میخ نکالنی شروع کی۔ اور لڑائی کی کامیابی

کی رفتار کو بڑھنے نہ دیا۔ کانگرس نے یہ خیال کیا کہ اگر ہم حکومت کو ڈرائیں گے تو حکومت ہمیں مزید حقوق دیدیگی۔ کانگرس نے یہ سوچا کہ اگر ہم وزارتوں سے استعفادیدیں گے تو جنگی امداد میں کمی واقع ہوگی۔ جنگ کی حالت نازک ہوجائیگی اور سرکار برطانیہ ہماری خوشامد کرنے پر مجبور ہوگی۔ کہ ہم پھر سے وزارتیں سنبھال لیں گے۔ اس لئے کانگرس نے وزارتوں سے نومبر ۱۹۳۹ء میں استعفادے دیا۔ مگر حکومت نے اس کی پرواہ نہ کی۔ گورنر کے ساتھ مشیر مقرر کردیئے گئے اور وہ وزارتوں کا کام کرتے رہے۔ ایک سال تک کانگرس نے انتظار کیا اور مدعا حاصل نہ ہوا۔ اس کے بعد کانگرس نے انفرادی سول نافرمانی شروع کردی۔ گویا کانگرس نے ہندوستان کے ۷ برطانوی صوبوں میں کوئی ڈھائی سال تک راج کیا۔

ڈھائی سالہ حکومت

اس ڈھائی سال کی حکومت کے عرصے میں کانگرس نے بہت سی باتوں کو ثابت کیا۔ اور اپنے اعمال اور افعال سے بہت سی باتوں کی تردید کی۔ یہ ثبوت بھی بہم پہنچایا۔ کہ کانگرس کے قول اور فعل۔ نظریہ اور عمل میں کتنا فرق ہے۔ وہ پہلو دار الفاظ سے کیا معنی لیتے ہیں۔ اور وہ ہندوستان میں کسطرح کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت ہندوؤں کے قبضے میں آگئی۔ اور اُسے فی الفور یُوں معلوم ہُوا کہ وہ خواب سے جاگ اٹھا ہے۔ دیرینہ خواب جو صدیوں سے اس پر طاری تھا۔ قدرت نے اس کے پریشان خوابوں کا اجتماع کیا ہے۔ اور اُن کی تعبیر بھی کردی ہے۔ یعنی عملی طور پر حکومت کرنے کیلئے اس کو ہندوستان عطا کردیا ہے۔ ہندو کانگرس نے اپنا پروگرام تو بنایا ہُوا تھا۔ کانگرس کے ڈکٹیٹر۔ گرودیو۔ لیڈر۔ باپوجی مہاتما۔ جو کچھ کہو سب مسٹر گاندھی تھے۔ ان کے احکام سے کانگرس کا سارا کام چلتا تھا۔ کانگرس ہائی کمانڈ وار دھا میں تھی۔ اور وہ اس ہائی کمانڈ کے ہائی کمانڈر۔ اگر انتظام اور نتائج میں کوئی غلطی ہو تو کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس غلطی اور بے اصولی کا ذمہ دار کمانڈر کو کیوں نہ ٹھہرایا جائے۔

کانگرسی وزارتوں کی مُسلمانوں پر سختیاں اور اُن کا حل

ہندوستان کے گیارہ میں سے ۷ صوبوں میں کانگرس نے کوئی ڈھائی سال ۱۹۳۷ اور ۱۹۳۹ کے درمیان راج کیا۔ ان صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت تھی۔ کانگرسی حکومت نے مسلمانوں پر سختی کی شدت کی اور ظلم کئے اس کے خلاف مسلمانوں نے کئی طریقوں سے مظاہرے کئے اور آواز اُٹھائی۔ کانگرس کی کارستانیوں کی کہانی کا بیشتر حصّہ اسی

میں آجاتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء میں پہلی سندھ پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کے صدر مسٹر ایم اے جناح تھے۔ ہمیں کئی ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ ان میں سے ایک ریزولیوشن یہ تھا۔

ریزولیوشن نمبر ۵۔ فرقہ دارانہ مصالحت

"ہر گاہ کہ انڈین نیشنل کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ فرقہ دارانہ مصالحت کے متعلق گفتگو کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ اس سے کانگرس کا یہ منصوبہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان جماعت کو ہمیشہ کے لئے منقسم رکھ کر ان پر حکومت کی جائے۔ اس طرح سے ہندوستان کی میناریٹی جماعتوں کے سوال کو خوش اسلوبی اور صلح کے ساتھ حل کرنے کا سوال بھی ایک دفعہ پھر رد کر دیا گیا ہے۔ جس کے لئے لیگ نے گذشتہ ۱۵ سال تک رائیگاں کوشش کی ہے۔"

"ہر گاہ کہ کانگرس نے اپنے زبردست پریس اور فراواں دولت سے مسلم ماس کانٹکٹ Muslim Mass Contact کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ تاکہ اسلامی جماعت میں تفرقہ اور تفریق پیدا کی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کو چھل دے کر یقین دلایا جائے کہ کانگرس ہی تمام ہندوستان کا تنہا نمائندہ ادارہ ہے۔"

ہر گاہ کہ کانگرس نے بعض صوبوں میں ایسی وزارتیں قائم کرنے سے جن میں یا تو کوئی مسلمان وزیر نہیں ہے۔ یا ایسے مسلمان وزیر ہیں جن کو مسلمان ممبران کی حمایت حاصل نہیں۔ عمداً ہندو راج قائم کر رکھا ہے۔ یہ بات صریحاً اور اعلانیہ طور پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ اور دفعات دستور کے الفاظ اور تصور کے منافی ہے۔"

"ہر گاہ کہ اس طرح سے جو وزارتیں وجود میں آئی ہیں۔ انہوں نے کچھ اسطرح کا راج قائم کر رکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل میں خوف پیدا کیا جائے۔ اور ان کے اخلاق میں ابتذال پیدا کیا جائے۔ اسلامی تہذیب میں جتنے قابل قدر اور قوم کی تعمیر کرنیوالے عناصر موجود ہیں ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ مسلمانوں کی مذہبی رسوم اور دینی رواج دبا کر کمزور کر دیئے جائیں۔ اور مسلمانوں کو جو حقوق ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے حاصل ہیں۔ ان کو خارج کر دیا جائے۔"

"ہرگاہ کہ کانگرس نے جمہوری اصولوں کی اعلانیہ مخالفت کرتے ہوئے پیوستہ اسباب کی کوشش کی ہے: کہ مسلمان میجارٹی کی قوت کو شمال مغربی صوبے ۔ بنگال، پنجاب ۔ سندھ میں ناکارہ اور بے اثر بنا دیا جائے ۔ اس کا طریق یہ اختیار کیا گیا کہ یا تو کنگا جمنی وزارتوں کو برسر اقتدار لانے کی کوشش کی گئی ۔ یا ان کی حمایت کی گئی ۔ ایسی وزارتیں جنہیں نہ تو مسلم ممبران کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا ۔ اور نہ اس صوبے کے مسلمان باشندوں کا ۔"

"ہرگاہ کہ کانگرسی وزارتوں نے اپنے تمام کاروبار پر کانگرس ہائی کمانڈ کو مسلط کر رکھا ہے ۔ جو کہ ایک طرح کی فاسسٹ ڈکٹیٹرشپ ہے ۔ اس لئے پارلیمنٹری رسوم کی صحت مند نشو و نما اور قانونی روایات کا ارتقاء رک گیا ہے ۔ اس سے مسلمان اپنے جائز حقوق سے محروم ہو گئے ہیں ۔ اور کانگرس نے آئین کے مطابق نئے سرے سے ایسی وزارتیں بنانے سے انکار کر دیا ہے ۔ جن میں مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کی طرف جائز توجہ دی جاتی ۔"

"ہرگاہ کہ کانگرس نے فیصلہ کر دیا ہے ۔

کہ ودیا مندر سکیم ، اسلامی مخالفت کے باوجود بزور جاری کر دی جائے ۔

(ب) کہ مسلمان جماعت اور دیگر جماعتوں کو ، مسلمانوں کے جذبات سے قطعاً لاپرواہی برتتے ہوئے ، فریب دیکر بندے ماترم بطور قومی گیت اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے ۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ گیت نہ صرف بت پرستی کی تعلیم دیتا ہے ۔ بلکہ یہ کہ اپنی جبلت اور تصور کے لحاظ سے مسلمانوں سے نفرت کا گیت ہے ۔

(ج) کہ مینارٹی جماعتوں کی خواہشات اور اظہار نارضامندی کا ملاً مسترد کرتے ہوئے ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں ہندوستان کی قومی زبان بنا دیا گیا ہے ۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ ہندو مذہب کے خیالات فلسفہ اور تمدن کو دلوں پر نقش کیا جائے ۔ اور ہندوستان میں براہمنی تہذیب کا تسلط قائم کر دیا جائے ۔

(د) کہ اپنی میجارٹی کے زور پر لوکل باڈیز میں مشترکہ الیکشن جاری کیا جائے ۔ اور بزور اسے رواج دیا جائے ۔ اور اسطرح سے مسلمانوں کو انکی صحیح نمائندگی حاصل کرنے سے محروم رکھا جائے ۔

(ہ) کہ جہاں کہیں ممکن ہو اردو سکولوں کو بند کر دیا جائے ۔ اردو زبان کی تعلیم کو پست کر دیا جائے ۔ حتیٰ کہ اردو اسطرح سے نابود ہو جائے ۔

(ھ) کہ اقدام تشدد کو روکنے اور قانون و امن کو قائم رکھنے کے بہانے سے پریس کی آزادی، اور زبان اور قانونی اعمال کی آزادی کو مسترد کر دیا جائے۔

(ز) مسلمان جماعت کی قدیم مذہبی رسومات اور حقوق کو تلوار کے زور سے روک دیا جائے۔ اور اس معاملے میں تشدد سے کام لیا جائے۔"

"ہرگاہ کہ ہزارہا سال سے ہندوستان کی میجارٹی کمیونٹی نے شدید قسم کے ذات گوت کے نظام کی نشوونما کی ہے۔ اور اُسے قائم رکھا ہے۔ یہ ذات گوت کا نظام نفی ہے، قومیت، مساوات، جمہوریت اور ان تمام بلند تصورات کی جن کو جدید عہد پیش کرتا ہے۔ اور تمنا رکھتا ہے۔ اس نظام نے اس ملک کے ہزارہا افراد میں سماجی اور اقتصادی تفاوت پیدا کر دیا ہے۔ اور لاکھوں کو ناقابل ترمیم غلاموں کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اور ہرگاہ کہ متحدہ ہندوستانی قومیت اور واحد متحدہ ہندوستان کا پیدا کرنا ناممکن ہے۔ جس کی آرزوئیں مشترکہ ہوں اور نصب العین مشترکہ ہوں چونکہ میجارٹی کمیونٹی کی ذہنیت پر ذات گوت سوار ہے۔ اور ان کی پالیسی مسلمانوں کے خلاف ہے۔ اور اس سبب سے بھی کہ دونوں بڑی جماعتوں کے مذہب۔ زبان۔ رسم الخط۔ تمدن۔ سماجی قانون۔ اور نظریہ حیات میں شدید تفاوت ہے۔ اور بعض علاقوں میں نسل کا تفاوت بھی ہے۔ اس وسیع ہندوستانی براعظم کے مستقل امن۔ دونوں قوموں یعنی ہندو مسلمان کے پیوستہ تمدنی ارتقاء اقتصادی اور سماجی بہبودی اور سیاسی خودمختاری کے مفاد کے پیش نظر یہ کانفرنس نہایت ضروری سمجھتی ہے۔ کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو اسبات کی سفارش کرے۔ کہ وہ اس تمام سوال پر نظرثانی کرے۔ کہ ہندوستان کا بہترین نظام حکومت کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس کو نئے سرے سے مرتب کرے۔ ایسا نظام حکومت جو دونوں قوموں کو قابل احترام اور جائز منزلت عطا کرے۔ جو ان کا حق ہے۔ اور اس لئے یہ کانفرنس آل انڈیا مسلم لیگ کو سفارش کرتی ہے کہ وہ دستور حکومت کی ایسی سکیم تجویز کرے۔ جس سے مسلمانوں کو کامل آزادی حاصل ہو جائے۔"

"علاوہ ازیں یہ کانفرنس آل انڈیا فیڈریشن کی سکیم سے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ میں درج ہے۔ پرزور نارضامندی کا اظہار کرتی ہے۔ اور اسبات کے خلاف ہے کہ اسے رواج دیا جائے۔ اور برٹش گورنمنٹ سے یہ درخواست کرتی ہے۔ کہ اس کو عمل میں نہ لائے۔ چونکہ یہ سکیم ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کیلئے عموماً اور مسلمانوں کے مفاد کیلئے خصوصاً مضرت رساں ہے۔"

"مزید برآں یہ کانفرنس اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی کے بنائے ہوئے کسی نظام حکومت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ یہ مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق نہ ہو۔ اس کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مشورے سے بنایا جائے اور لیگ اس پر رضامندی ظاہر کرے۔"

کانگرس کے مظالم کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ

کراچی میں یہ پراونشل مسلم لیگ کانفرنس اس دوران میں منعقد ہوئی تھی۔ (اکتوبر ۱۹۳۸) جب کہ کانگرس وزارتیں اپنے پورے جوش میں تھیں۔ کانگرس نے مسلمانوں کے حقوق کو پامال کیا۔ مسلمانوں نے شور مچایا تو ان پر قانونی تشدد کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرسی صوبوں میں بلوے ہوئے۔ کشت و خون کی وارداتیں ہوئیں اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ مگر کانگرس اپنے رویئے پر اڑی رہی۔ مسلمانوں کی شکایات صدا بہ صحرا سے زیادہ ثابت نہ ہوئیں۔ اس لئے مسلم لیگ نے یہ ضروری سمجھا کہ ان معاملات کی پوری تحقیق کی جائے۔ لیگ نے تحقیق کیلئے ایک خاص کمیٹی بنائی جسکا نام پیرپور کمیٹی ہے۔ Pirpur Committee

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے بمقام دہلی اجلاس منعقدہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۸ میں مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کیا۔

"ہرگاہ کہ بے انصافی تکالیف اور سختیوں کی بے شمار شکایات مرکزی دفتر میں پہنچی ہیں۔ جو کانگرسی گورنمنٹ کے صوبوں میں مسلمانوں پر روا رکھی گئی ہیں۔ خاص طور پر ان اشخاص پر جو مسلم لیگ کے کارکن یا ممبر ہیں۔ کونسل یہ قرارداد پاس کرتی ہے۔ کہ ایک خاص کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو تمام اطلاعات جمع کرے۔ تمام ضروری چھان بین کرے۔ جو ترکیبیں مناسب معلوم ہوں اُن پر عمل کرے۔ اور یہ کمیٹی شدہ اپنی رپورٹ پریذیڈنٹ اور کونسل کے سامنے پیش کرتی رہے۔ اس کمیٹی کے مندرجہ ذیل ممبران ہونگے۔

راجہ سید محمد مہدی آف پیرپور۔ صدر۔ اسی نام سے یہ پیرپور کمیٹی کہلائی۔ مسٹر اے بی حبیب اللہ (سیکرٹری) خان بہادر حاجی رشید احمد۔ سید اشرف احمد۔ مولوی عبدالغنی۔ ایم۔ ایل اے۔ میاں غیاث الدین ایم ایل اے۔ سید ذاکر علی۔ سید حسن ریاض سید تقی ہادی نقوی۔"

پیرپور کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۱۵ نومبر ۱۹۳۸ کو پیش کردی۔ اس رپورٹ کی چند شکایات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(پیرپور رپورٹ صفحہ ۴۴) کانگرسی وزارتوں نے صوبے کی دیسی زبان میں تعلیم دینے کی ٹھان لی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بہت بڑی

تعداد اردو بولتی ہے اور ان کی مادری زبان اردو ہے۔ ان صوبوں میں جہاں مسلمان مینارٹی میں ہیں۔ مسلمان بچوں کو صوبے کی دیسی زبان میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ دیسی زبان وہاں کے مسلمانوں کی مادری زبان نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں میں تمدنی انحطاط شروع ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ زبان ان کی مادری زبان نہیں اس لئے ان لڑکوں کے مقابلے میں جن کی یہ مادری زبان ہے۔ مسلمان بچوں کو بہت نقصان رہتا ہے۔ اور وہ تعلیم میں پیچھے رہتے ہیں۔ اڑیسہ میں اڑیا زبان کو سرکاری طور پر رواج دیا گیا اور سی پی اور برار کے مرہٹی بولنے والے علاقوں میں مرہٹی کو۔ اردو میں یہاں تعلیم نہیں ہوتی۔ اور مسلمانوں کو صاف کہدیا گیا کہ اردو مسلمانوں کی مادری زبان ہو یا نہ ہو مگر انہیں انگریزی کے ساتھ صوبے کی دیسی زبان (اڑیا یا مرہٹی) پڑھنی پڑے گی۔ اور تعلیم دیسی زبان میں ہوگی۔ اس سے مسلمان بہت برافروختہ ہو گئے۔ (اس مضمون یعنی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے زیر عنوان جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ پیرپور کمیٹی کی رپورٹ کے صفحات ہیں۔

(صفحہ ۴۴) اگرچہ بعض شہروں میں طالب علموں کی تعداد اتنی تھی کہ وہاں اردو سکول کھول دیئے جاتے۔ مگر صوبائی حکومت اور لوکل باڈیز نے وہاں اردو سکول کھولنے سے انکار کر دیا۔

(صفحہ ۵۴) ساگر (سی۔ پی) اور منڈلا (برار) میں بھی اردو سکول موجود نہیں حالانکہ مسلمان لڑکوں کی تعداد بہت کافی ہے ہائی سکولوں میں ذریعہ تعلیم ہندی یا مرہٹی ہے۔ چند میونسپل بورڈوں نے اردو کی جماعتوں کو تخفیف کر دیا۔ اور ایک نے سیکنڈری اردو سکول کو گرانٹ دینے سے انکار کر دیا۔

(صفحہ ۹۳) کانگرسی وزارتوں سے پہلے سرکار انگریزی نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ ان کی سفارشات میں سے ایک یہ تھا کہ تمام سکولوں اور کالجوں میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اور اس سفارش پر عمل جاری ہو گیا۔ مگر کانگرسی وزارتوں نے بجٹ کے بہانے سے اس اسلامی مذہبی تعلیم کو بند کر دیا۔

(صفحہ ۹۴) سکولوں میں (پانڈھرنا ضلع چھندواڑا کا خاص ذکر ہے) دن کا کام شروع کرنے سے پہلے تمام لڑکوں کے لئے جنہیں مسلمان لڑکے بھی شامل تھے۔ یہ ضروری تھا کہ سرستی دیوی کی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں۔ اور "پرستھنا" پیش کریں۔ یعنی نیاز پیش کریں مسلمان لڑکوں کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اسلامی طریقے سے ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں۔ بلکہ ان کو نمستے اور رام جی کی جے کہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

(صفحہ ۹۳) بہت سے اسلامی سیکنڈری سکول ہیں جو صرف اس صورت میں اپنی حیات کو قائم رکھ سکتے ہیں کہ ان کو گورنمنٹ سے گرانٹ ملے۔ مدراس پریذیڈینسی میں ان سکولوں کی گرانٹ بند کر دی گئی ہے۔ حالانکہ اسی گورنمنٹ نے پچھورپس کالج Pachorppass College کئی لاکھ کی گرانٹ دی ہے۔ اور یہ خالصتاً ہندو کالج ہے جہاں ایک مسلمان بھی داخل نہیں کیا جاتا۔ مسلم یتیم خانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔

(صفحہ ۹۳) مدراس پریذیڈینسی میں آرٹ اور پروفیشنل کالجوں میں مسلمانوں کا داخلہ بہت مشکل تھا۔ اس لئے سرکار انگریزی نے انتخاب کرنے والی کمیٹی بنا دی تھی۔ جن میں مسلمان ممبر بھی تھے۔ اور اسطرح سے مسلمان طالب علموں کو ان کالجوں میں داخل ہونے کا موقع مل جاتا تھا۔ کانگرسی گورنمنٹوں نے ان کمیٹیوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور اس لئے اب مسلمانوں کا داخلہ کالجوں میں نہایت مشکل ہو گیا ہے۔

(صفحہ ۹۴) مالابار کی ڈسٹرکٹ بورڈ کی سٹینڈنگ کمیٹی نے ۱۵ راگست ۱۹۳۷ء کے اجلاس میں ۷۳ سکولوں کو بند کر دیا۔ اس حجت پر کہ ان پر اخراجات بہت آتے ہیں۔ ان میں سے ۵۸ موپلا سکول تھے۔

(صفحہ ۹۴) مدراس پریذیڈینسی میں گورنمنٹ نے ایک حکم شائع کیا۔ اس کی رو سے مالابار کی ڈسٹرکٹ بورڈ نے موپلا سکولوں میں کنڈکٹر (Conductor) اور کنڈکٹرس (Conduetness) کے عہدے تخفیف کر دیئے۔ یہ استاد سکول میں نیم وقت کام کرتے تھے۔ اور قرآن کا درس دیتے تھے۔ اس کے علاوہ مسلمان بچوں کو سکول میں داخل کرانے میں ممد تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مسلمان طالب علموں کی تعداد بہت کم ہو گئی۔

(صفحہ ۹۶) سکول میں فیس کی معافی کے لئے عموماً عرضیاں سال کے ابتدا میں لی جاتی ہیں۔ اور ایک سال کے لئے فیس کی معافی کا حکم دیدیا جاتا ہے۔ چلوڈلہ Chilodla ضلع احمد آباد میں جون ۱۹۳۷ء کیلئے معافی فیس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ ان میں کئی مسلمان لڑکے بھی تھے۔ جن کی فیس معاف تھی۔ ستمبر ۱۹۳۷ء میں اس علاقے میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ سکول نے حکم دیا کہ لڑکے نئے سرے سے معافی فیس کے لئے درخواستیں دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جتنے لڑکوں کی فیس معاف کی گئی وہ سب ہندو تھے۔ چونکہ ان کی عرضیوں پر سکول کے استادوں نے سفارش لکھ دی تھی۔ کسی مسلمان لڑکے کی فیس معاف نہیں کی گئی۔

(صفحہ ۹۶) سی۔ پی کے ضلع بیتول میں لازمی تعلیم جاری کیگئی۔ اور حکم یہ ہوا کہ ذریعہ تعلیم صرف ہندی ہوگا۔ اس طرح سے

تمام ضلع کی آبادی کو تدریجاً ہندی زبان بولنے پر مجبور کیا گیا۔

(صفحہ ۵۷) چھندواڑہ کے لوکل بورڈ کے صدر نے عام حکم جاری کر دیا کہ مہاتما گاندھی کے جنم دن تمام لڑکے مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا کریں۔ چنانچہ اردو سکول کے ہیڈ ماسٹر کو بھی یہی حکم ملا۔ جہاں مسلمان لڑکے پڑھتے ہیں کہ وہ گاندھی جی کی تصویر کی پوجا کریں۔

(صفحہ ۳۵) جتنی درسی کتب سکولوں میں مقرر کی گئی ہیں۔ ان سب میں ہندو دیوتاؤں اور سورماؤں کے قصے درج ہیں یہ کتابیں ان بزرگوں کے کارناموں سے معمور ہیں جن کی عزت ہندو کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ۔ تمدن اور مشاہیر کا ان میں کوئی ذکر نہیں۔ اسطرح سے نہ تو مشترکہ قومیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ اتحاد و محبت کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔

(صفحہ ۳۵، ۳۶) سنٹرل پراونس میں جو عرضیاں اردو میں لکھی ہوئی پیش کی جائیں ان کو میونسپل بورڈ رد کر دیتا ہے۔

(صفحہ ۳۵، ۴۳) بہار میں اردو رسم الخط کا استعمال کرنا سرکاری طور پر جائز ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام عدالتیں اسبات پہ اصرار کرتی ہیں کہ اردو عرضی کے ساتھ اسکی ایک نقل ہندی رسم الخط میں لکھی ہوئی موجود ہو۔

(صفحہ ۳۵، ۵۶) سنٹرل پراونس اور بہار کی لیجسلیٹو اسمبلی میں جو ممبران اردو میں تقریر کرتے ہیں ان کو رپورٹ میں یا تو ہندی رسم الخط میں لکھ دیا جاتا ہے۔ یا ان تقریروں کا ملخص انگریزی میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

یہ تو میں نے چند صفحوں کے حوالے دیئے۔ اگر ساری پیرپور رپورٹ کی چھان پھٹک کی جائے تو اس میں مندرجہ ذیل الزامات کانگرس حکومتوں کے خلاف لگائے گئے ہیں۔ ان کا ذکر ہم اختصار کے ساتھ کرتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے باز رکھا گیا۔ حالانکہ ان کے مذہب نے اسبات کی اجازت دی ہے۔ اور وہ صدیوں سے یہ قربانی کرتے چلے آئے ہیں۔

(۲) مسجدوں میں اذان دینے کو روکا گیا۔ یہ خدا کا نام ہر ہندو مسلمان کے کان میں پہنچتا ہے۔ مگر ہندوؤں کے کانوں پہ مسلمانوں کے خدا کا نام گراں گذرا اور انہوں نے کوشش کی کہ اذان نہ ہوا کرے۔

(۳) عمداً مسجدوں کے سامنے باجے بجائے گئے اور نماز میں خلل ڈالا گیا۔

(۴) اردو کی بجائے ہر طریقے سے ہندی کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ مقصد یہ رہا کہ اردو کو نابود کر دیا جائے اور ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان بن جائے۔

(۵) مسلمان لڑکوں کو بھی بندے ماترم گیت گانے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ یہ گیت اسلامی قومیت اور اسلامی مفاد کیخلاف ہے

(۶) کانگرس کے سہ رنگے جھنڈے کو ہندوستان کا قومی جھنڈا اپنایا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کے خیال میں یہ جھنڈا ہندوستان کا قومی جھنڈا نہیں ہے۔

(۷) مسلمانوں کے ساتھ یوں سلوک کیا جاتا تھا جیسے کہ وہ اچھوت ہوں۔

(۸) جب بلوے ہوئے۔ تو کانگرسی حکومتوں نے مسلمانوں کی مناسب حفاظت نہیں کی۔

رپورٹ میں مختلف طریقوں سے ان واقعات کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے جذبات ہندو حکومت کیخلاف مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جب ہندوستان کی حکومت ہندو میجارٹی کے قبضے میں آجائے گی۔ تو وہ ہم پر کسطرح کا راج کریں گے۔

کانگرس کے مظالم اور دستور سنہ ۱۹۳۵ء جمہوریت کے خلاف لیگ کا ریزولیوشن

ستمبر ۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جو حسب ذیل ہے۔

"جو حالات بھی اب تک پیش آئے ہیں۔ خاص طور پر وہ جو اس صوبائی آئین کے عمل میں آنے کے بعد واقع ہوئے۔ جو نام نہاد پارلیمینٹری نظام حکومت پر مبنی ہے اور دو سال سے زائد کے تازہ تجربات نے یقینی طور پر اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ صوبائی آئین کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک مستقل فرقہ وارانہ میجارٹی وجود میں آگئی ہے۔ اور ہندو مسلمان بنیارٹی پر مسلط ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی زندگی۔ آزادی۔ جائداد اور عزت خطرے میں ہے۔ بلکہ یہ کہ مختلف صوبوں میں جو کانگرس گورنمنٹ کے ماتحت ہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق اور تمدن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ اور انہیں نابود کیا جا رہا ہے۔"

"یہ مانا کہ اسلامی ہندوستان اس بات کی مخالفت کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کے باشندوں کو کوئی اپنے مفاد کے لئے کام میں لائے۔

اور کئی بار "آزاد ہندوستان" کی حمایت میں اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی ہندوستان اسی حد تک اس امر کے بھی خلاف ہے کہ مسلمانوں اور دیگر مینارٹیوں پر ہندو میجارٹی مسلط ہو جائے۔ اور اسلامی ہندوستان حلقہ بگوش غلام ہو کر رہ جائے۔ اسلامی ہندوستان کسی ایسے فیڈرل دستور کے اصل طور پر مخالف ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ جمہوریت اور پالیمنٹری نظام حکومت کے بہروپ میں میجارٹی کمیونٹی کی حکومت قائم ہو جائے۔ ایسا نظام اس ملک کے باشندوں کی جبلی ذہانت کے قطعاً خلاف ہے۔ یہ وطن کئی قوموں پر مشتمل ہے اور ایک قومی ریاست نہیں ہے"۔

اس طرح سے عمل نے یہ ثابت کیا۔ کہ مسلمانوں کا سیاسی اتحاد ہندوؤں سے نہیں ہو سکتا۔ سماجی مذہبی اور تمدنی طور پر تو وہ ہندوؤں سے مختلف ہیں مگر سیاسی طور پر بھی یہ دونوں قومیں متحد نہیں ہو سکتیں۔ اس کے بعد سے مسلمانوں نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ ہندوستانی مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ اور وہ ہندو میجارٹی کی ایک مینارٹی نہیں ہیں۔ لاہور میں مارچ ۱۹۴۰ء میں لیگ کا سشن ہوا۔ تو وہاں "پاکستان ریزولیوشن" پاس کیا گیا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مثلاً شمال مغربی سندھ۔ پنجاب وغیرہ اور بنگال آسام۔ ان کو یکجا کر کے اس علاقے کو الگ صوبہ قرار دیا جائے جس میں آزاد حکومت قائم کی جائے۔ اور یہاں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس نظام حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ گویا یہ اسلامی علاقہ ہو۔

مقالہ ۱۱

ہندو کا پروگرام

انسان کی ذہنیت کونسی چیز بناتی ہے

انسان ماحول کی پیداوار ہے۔ ہم جس ماحول میں پرورش پاتے ہیں اسی سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ ماحول کون سی چیزوں سے بنتا ہے۔ ملک کی جغرافی کیفیت۔ پہاڑ۔ دریا۔ میدان۔ بادل۔ بارش۔ گرمی۔ سردی۔ وہاں کی آب و ہوا۔ سیاسی حالات لڑائی فساد۔ امن، مذہبی حالات۔ مذہب کیا سکھاتا ہے۔ ایک خدا یا کئی خدا۔ ہر ایک سے ڈرو یا کسی سے نہ ڈرو۔ دشمن کو زیر کرنا اپنی زندگی کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ جو اسلام کہتا ہے۔ یا کسی جاندار کو خواہ وہ سانپ اور ملیریا کا مچھر ہو، ایذا پہنچانا گناہ ہے۔ جیسے کہ جین مذہب کہتا ہے۔ تعلیمی حالات۔ درسی کتب میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اور استاد کس طرح کے اخلاق شاگرد میں پیدا کرتا ہے۔ تہذیب و تمدن۔ کھانا۔ پینا۔ لباس۔ آداب و اخلاق۔ رہائش کے طریقے۔ یہ سب ماحول کا حصہ ہیں۔ غرض وہ تمام چیزیں جن سے انسان اپنی زندگی میں کسی نہ کسی طرح سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کا ماحول کہلاتی ہیں۔ ان کے زیر اثر وہ اپنی دماغی کیفیتوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ یہی اُس شخص کی ذہنیت کہلاتی ہے۔ ماحول کے ساتھ دوسری چیز جو انسان کی ذہنیت کو بناتی ہے۔ وہ وراثت ہے۔ یعنی وہ خیالات جو بزرگوں کے دماغ میں تھے۔ وہ بطور وراثت بچے کے دماغ میں از خود منتقل ہو گئے۔ پہلی نسلوں کی ذہنیت کو اُن کے ماحول نے بنایا تھا۔ اور اس طرح سے اس ماحول کا اثر بزرگوں کی وساطت سے منتقل ہو کر بچوں میں چلا آتا ہے۔ تو ماحول ہر حال میں غالب ہے۔ موجودہ ماحول یا قدیم ماحول۔

ہمارے ماحول کے بعض عناصر بدلتے رہتے ہیں۔ اور بعض قائم رہتے ہیں۔ یا کم بدلتے ہیں۔ یا یوں کہوں کہ بعض میں تبدیلی ہمارے بس سے باہر ہے۔ وہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں از خود ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً سیاسی حالات۔ بعض میں اپنی کوشش سے ہم تبدیلی کر سکتے ہیں۔ مثلاً تعلیم۔ بعض میں بڑی جد و جہد کے بعد تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ مثلاً مذہب کے بعض قوانین بعض مذہبی اہم اصولوں میں تبدیلی ناممکن نہیں۔

آب و ہوا میں بھی بڑی کاوش کے بعد کسی حد تک تبدیلی کا پیدا کرنا ممکن ہے۔ ماحول کے بعض عناصر ایسے ہیں کہ ان میں تبدیلی پیدا کرنا بالکل ممکن نہیں۔ مثلاً پہاڑ۔ دریا۔

انسان کی ضمیر اپنے ماحول کے ماتحت ایک خاص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی اسکی ذہنیت ہے۔ اور پھر ایک فرد یا جماعت ذہنیت کے مطابق اپنے پروگرام بناتی رہتی ہے۔ ذہنیت کے بنانے میں مذہب۔ تعلیم اور تمدن کو بہت دخل ہے۔

ہندو ذہنیت کا تاریخ کی رو سے تجزیہ

اس سے پہلے کہ ہم اس پروگرام کا تجزیہ کریں۔ جو ہندو نے دور جدید میں بنایا ہوا ہے۔ اور جس پر وہ عمل کر رہا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم گذشتہ تاریخ سے اس کی ذہنیت کا تجزیہ کر لیں۔ اس طرح سے ہمیں یقین ہو جائیگا۔ کہ جو کچھ وہ اب کر رہا ہے۔ وہ گذشتہ زمانے میں بھی کرتا آیا ہے۔ اور وہ اب اپنی فطرت۔ اپنی عادت۔ اپنی ذہنیت کے ماتحت یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اور اس لئے ہمارے نتائج بالکل درست ہیں۔ اس کا مذہب اور تمدن اب بھی وہی ہے۔ جو قدیم زمانے میں تھا۔ تعلیم کے واسطہ سے اس نے روزی کا ذریعہ بدل لیا ہے۔ اور انگریزی تعلیم وہ دنیوی کاموں کے لئے حاصل کر لیتا ہے۔ مگر دینی تعلیم جس پر روح پرورش پاتی ہے۔ اسکی وہی قدیم مذہبی کتابوں کی تعلیم ہے۔ ماحول کا باقی حصہ جغرافی کیفیت بالکل وہی ہے۔ جو عہد قدیم میں تھی۔ اور اسکو بزرگوں سے یہی ذہنیت وراثت میں ملی ہے جو اس کا پروگرام دور جدید میں مرتب کر رہی ہے۔

تاریخی واقعات پر کسی کو اختیار نہیں۔ اور ان کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ کون جانتا ہے کہ کس وقت کوئی چھوٹا سا واقعہ اتنی بڑی صورت اختیار کر لے۔ اور اس سے بین الاقوامی جنگ شروع ہو جائے۔ انسان کے ہر شعبے کی ترقی اسکی سیاسی تاریخ کے ماتحت رہتی ہے۔ امن و امان کے زمانے میں تمدن بلند رہتا ہے۔ علم و فضل کی ترقی ہوتی ہے جنگ اور فساد کے زمانے میں جب حفاظت جان کے لئے انسان مارا مارا پھرے بلند خیالات کیلئے اس کے دل میں جگہ ہی نہیں ہوتی۔ اگر انسان کو زندگی کی ضروریات میسر نہ ہوں تو اس کو اتنی تسکین قلب ہی میسر نہیں ہوتی۔ کہ وہ اپنے دماغ پر زور دے کر کوئی گہرا مسئلہ سوچ سکے۔ اگر اسکا سارا وقت روٹی اور کپڑے کی تلاش میں گذر جاتا ہے۔ تو عقلی اور علمی جستجو کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔ ماحول کے بنانے میں سیاسی حالات کا اثر ہر چیز پر غالب ہے۔ ہم اسباب کا تجزیہ کرینگے کہ سیاسی حالات جب بدلتے ہیں تو ہندو کی ذہنیت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ واقعات کا ردّ عمل

کیا کرتا ہے

فوقیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

فوقیت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) روحانی (۲) مادی

(۱) روحانی فوقیت ایک پیر یا گرو ہے۔ نہ اس کے پاس کوئی جاگیر ہے نہ دولت نہ حکومت۔ مگر مُرید اس کی عزت کرتا ہے چونکہ روحانی طور پر وہ اُسے بلند تر سمجھتا ہے۔ ہندوستان کا رہنے والا مسلمان، ہر شخص کو جو عرب میں رہتا ہے عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مدینہ اور مکہ کے رہنے والے کا تو وہ بہت احترام کرتا ہے۔ چونکہ روحانی طور پر وہ اس کو فائق سمجھتا ہے۔ اسی طرح سے شودر براہمن کی روحانی فوقیت کو مانتا ہے۔ بلا سبب کہہ لو۔ مگر مانتا ہے۔ بنارس اور ہردوار کے رہنے والے کا ہر ہندو قدر کرتا ہے۔ چونکہ وہ اُن مُتبرک مقامات پر رہتا ہے۔

(۲) مادی فوقیت۔ لشکر۔ توپ۔ بندوق۔ ہتھیار۔ آلات۔ زور۔ زر۔ اقتصاد۔ یہ سب فوقیت کے مادی عناصر ہیں جو زبردست ہوگا۔ وہی بازی لے جائے گا۔

روحانی فوقیت کو کم کرنے کیلئے ہندو کیا تدبیر اختیار کرتا ہے۔

پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو روحانی فوقیت کو کم کرنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مہاتما بدھ کی حیات کا زمانہ ۶۲۳ قبل مسیح سے ۵۴۳ قبل مسیح تک ہے۔ بُدھ کی پیدائش سے پہلے تمام ہندوستان میں ہندو مت جاری تھا۔ بدھ مذہب نے آہستہ آہستہ رواج پایا۔ ۲۰۰ قبل مسیح میں یہ شاہی مذہب بن گیا اور اس کا پرچار بڑے زوروں میں کیا گیا۔ ۵۰۰ سن عیسوی تک تمام ہندوستان بُدھ مذہب کا پیرو بن چکا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان میں ہندو کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ بلکہ یہ کہ ہندوؤں کی تعداد اتنی کم ہوگئی تھی، کہ نہ ہونے کے برابر۔ ہندو مت نے بدھ مذہب کو شکست دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ بُدھ مذہب کے اصُولوں کو ہندو مذہب میں شامل کر لیا۔ بدھ مذہب کے مشاہیر کو ہندو مذہب کا بزرگ قرار دیا۔ اور یہ بتایا کہ ہندو مذہب میں اس کے علاوہ بہت سی خُوبیاں موجُود ہیں۔ گویا بدھ مذہب، ہندو مذہب کی ایک شاخ ہے۔ بدھ کو بھی ایک ہندو دیوتا کہنا شروع کر دیا۔ ہندو مذہبی فلسفہ اور بدھ مت کے اصولوں کے امتزاج سے جین مت پیدا ہوا جو آجتک زندہ ہے۔ جسطرح سے کہ ہندو مت اور اسلام کے امتزاج سے سکھ مذہب پیدا ہوا۔ اس طرح سے بُدھ مذہب کے لوگ پھر ہندو مذہب کو اختیار کرنے لگے

جب لوگوں کی توجہ ہندو مذہب کی طرف ہوئی تو آٹھویں صدی عیسوی میں ہندو دھرم کے ریفارمر پیدا ہوئے۔ ان میں سے چار ہستیاں بہت معروف ہیں۔ شنکر آچاریہ۔ رامانج۔ مادھو آچاریہ۔ کمارل بھٹ۔ یہ لوگ بدھ اور جین دھرم کے لوگوں سے بحث مباحثے کرتے تھے۔ ہندو دھرم کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ مگر اس سے زیادہ دوسرے مذاہب کے عیب نکالتے تھے۔ اور ان پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہندوستان کے بہت سے لوگوں نے پھر ہندو مت قبول کرلیا۔

اسلام کی روحانی فوقیت کو کم کرنے کی تدبیر

دسویں صدی عیسوی میں اسلام کا اثر ہندوستان پر ہونا شروع ہوا۔ کچھ عرصہ تو مسلمان ہندوستان پر حملہ کرتے اور مالِ غنیمت لیکر واپس چلے جاتے۔ محمد غوری نے ۱۱۹۳ میں ترا وڑی کی جنگ فتح کی اور ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کرلی خاندانِ غلاماں۔ خاندانِ خلجی۔ خاندانِ تغلق۔ خاندانِ لودھی۔ نے ہندوستان پر ۱۵۲۶ تک حکومت کی۔ جب اسلام کو ہندوستان میں سلطنت قائم کرنے کے بعد کوئی دو سو سال کا عرصہ گذر گیا تو ہندو مت نے دیکھا کہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ مذہبی خوبیوں میں نہیں کرسکتے۔ اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ ہندوؤں نے ولائتی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر میدان میں شکست کھائی اور اکثر شکست بھی ایسی کھائی کہ مدتوں سنبھلنے کی طاقت نہ رہی۔ ہندو مذہب نے اپنے آپ کو قائم رکھنے کی وہی پرانی ترکیب نکالی جو اس نے بدھ مذہب کیخلاف استعمال کی تھی۔ اور اسے ہندوستان سے بالکل خارج کر دیا تھا۔

اس مذہبی تحریک کا نام جو ہندو مت نے اسلام کے مقابلہ میں پیدا کی بھگتی کی تحریک ہے۔ اسلام کے نمایاں اصول لے کر ان کو ہندو رنگ میں پیش کیا گیا۔ مثلاً خدا ایک ہے۔ وہ سب کا خدا ہے۔ اس کی نگاہ میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ اس کی بھگتی کرنا سب کا فرض ہے۔ انسان سب برابر ہیں۔ دنیا میں کوئی ذات پات نہیں۔ یہ سب ہمارے بنائے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ ہم اپنے اعمال سے اچھے برے بنتے ہیں۔ اپنے عملوں کے لئے ہم جواب دہ ہیں۔ وغیرہ۔ یہ اسلام کی نمایاں خصوصیات تھیں جن کی کشش سے ہندو اپنا مذہب تبدیل کر کے مسلمان بن رہے تھے۔ اب چونکہ ہندو مذہب نے وہی خوبیاں اختیار کرلیں اس لئے انہیں مسلمان بننے کی ضرورت نہ رہی۔ رامانند نے ذات پات کو مٹا دیا۔ اس کے چیلے کبیر کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ کبیر یہ کہتا تھا کہ رام اور رحیم کرشن اور کریم ایک ہی چیز ہے۔ تو پھر رحیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان ہونا کیا ضرور ہے جب رام اپنے پاس ہو۔ بنگال میں چیتنا نیہ نے ویشنو بھگتی کا پرچار کیا۔ پنجاب میں گرو نانک

رہیداس (۱۴۶۹) نے سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی حقیقت میں دیکھا جائے تو سکھ مذہب اسلام کے بہت قریب ہے۔ اور ہندو مت سے بہت دور۔ مگر سکھ سماجی لحاظ سے ہندوؤں کے ساتھ کھاتے پیتے اور ان سے شادیاں کرتے ہیں۔ چونکہ ابتدا میں ہندو افراد مذہب تبدیل کر کے سکھ بنے تھے۔ مہاراشٹر میں نندیو۔ شری دھر۔ تکارام۔ اور رام داس نے مرہٹوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مذہبی پرچار کے ذریعہ سے ان کو علیحدہ قوم ہونے کی تلقین کی اور انہیں اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا۔ گویا مذہبی رنگ میں سماجی اور سیاسی کام کیا۔ اس طرح سے سکھ اور مرہٹہ جماعتوں کو بہت اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور یہ اقتدار اسلام کے خلاف استعمال کیا گیا۔

ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ اکبری تعلقات

مغل حکومت کا زمانہ ۱۵۲۶ سے ۱۸۵۷ تک ہے اکبری دور کے اوائل میں بیرم خاں نے تمام دیسی ریاستوں کو زیر کر لیا۔ اور کسی کو مقابلے کی تاب نہ رہی۔ وہی خوف، جس کی بنا پر ناگ کو دیوتا بنا لیتا ہے۔ ہندو کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور چونکہ ہر جگہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت نے ہندوؤں کے کثیر لشکر کو شکست فاش دی۔ اس لئے برہمنوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ اسلام میں کوئی خوبی پنہاں ہے۔ جو اس کے ماننے والوں میں یہ طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر اپنی پرانی ہٹ دھرمی اور تنگ نظری کی بنا پر وہ تبدیل مذہب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہی پرانی ترکیب اختیار کی۔ ایک نیا دین نکالا۔ یعنی "دین الٰہی"۔ اکبر پیشر یا اللہ اکبر یا اوتار۔ یا دیوتا یا مہابلی قرار پایا۔ اس طرح سے ہندو ہندو بھی رہا۔ اور اسلامی ہمدردی اور روحانی قوت بھی اس نے حاصل کر لی تمام مغلیہ شاہی خاندان کے بادشاہوں کی مائیں سلیم (جہانگیر) سے لیکر بہادر شاہ ظفر آخری بادشاہ تک راجپوت شاہزادیاں تھیں سوائے اورنگ زیب کے جس کی والدہ نورجہاں کے بھائی آصف جاہ کی بیٹی ممتاز محل تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ شہزادہ خرم (شاہجہاں) اپنے خسر آصف جاہ کے زور پر جو ہندوستان کا وزیر اعظم تھا۔ اپنے باپ کی وفات پر شاہی تخت کا وارث بن گیا۔ شاہی رواج کے زیر اثر تمام مسلمان امرائے دولت میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ وہ مسلمان بیویوں کے ساتھ ساتھ ہندو بیویاں بھی اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ اُن کی اولاد مسلمان کہلاتی تھی۔ تو ان حالات میں جب تمام مسلمان برادری کا ہندو جاتی کے ساتھ داماد خسر کا تعلق ہو گیا کسی پر خاش کا موقع ہی نہیں نکلتا۔ اور فوقیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

راجہ بہاری مل ہندو جاتی کا بڑا محسن ہے۔ اکبر کو بعض ہندو برا کہتے ہیں۔ رانا پرتاب کی تعریف کرتے ہیں۔

اور اکبر کے خسر راجہ بہاری مل والئے اجمیر کی برائیاں۔ جہانگیر اس راجہ کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ اس کے بعد تمام راجپوت راجوں نے یکے بعد دیگرے مغل بادشاہوں کو ڈولے دیئے۔ سوائے رانا اودھے سنگھ والئے چتوڑ کے جو رانا سانگا کا بیٹا تھا۔ اس کا بیٹا رانا پرتاب تھا۔ پرتاب عمر بھر اکبر سے لڑتا رہا اور در بدر پہاڑوں میں مارا مارا پھرا۔ ہندوؤں کے نزدیک رانا پرتاب جاتی کو بچانے والا بڑا سورما ہے اور اس کی تعریف محفلوں مجلسوں مگر کیرتنوں میں سنی جاتی ہے۔ بلکہ بازاروں میں کھڑے کھڑے بعض ہندو لیکچر باز عوام کو اکسانے کیلئے اسطرح کے راگ شروع کر دیتے ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ ہندو جاتی کو بچانے والا اصل میں راجا بہاری مل اور دیگر راجے ہیں جنہوں نے مغلوں کو بیٹیاں دیں۔ اسلامی نکتہ نگاہ سے اکبر کی حماقت کہو یا اس کی نفس پرستی۔ یا راجپوتانے کے حسن کا بلند بخت۔ اگر خسر داماد کا تعلق اور دین الٰہی کا رواج شروع نہ ہوتا۔ تو آج مذہب کے لحاظ سے سارے شمال ہندوستان کی حالت بہت مختلف ہوتی۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔

کون کہتا ہے کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا ہے

اودھ کا علاقہ۔ دھلی آگرے کا خطہ جو اسلامی سلطنت کی راجدھانی ۱۱۹۳ سے ۱۸۵۷ تک رہا اور آج وہاں پر مسلمانوں کی آبادی صرف ۱۵ فیصدی ہے۔ کون کہتا ہے کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا۔ ان سب بادشاہوں کے ہاتھ میں شمشیر تو تھی۔ اسی کے زور پر انہوں نے ہندوستان فتح کیا۔ اورنگ زیب کے متعلق اس کے مخالفین نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ جب تک وہ ایک من زنار اپنے سامنے نہ رکھوا لیا کرتا۔ اتنے ہندوؤں کو مسلمان کیا گیا ہے۔ وہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ اگر یہ سچ ہو تو آج یوپی کے علاقے میں ایک ہندو نظر نہیں آنا چاہیئے۔ اپنی دلیل کو سچا ثابت کرنے کے لیئے اور اپنی جاتی کے دلوں میں دوسری جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیئے ہندو مت کے منتری ایسے کام کر لیا کرتے ہیں۔

عیسائیت کے خلاف ہندو دھرم کی تحریکات

اب یوروپائی اقوام کا دور آیا۔ ۱۴۹۸ میں واسکوڈے گاما اس امید کا چکر کاٹ کر ہندوستان آیا اور کالی کٹ کی بندرگاہ میں پہنچا۔ اسوقت سے یوروپائی اقوام نے ہندوستان میں تجارت کے لیئے آنا شروع کیا۔ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ میں بنی ۱۷۵۷ میں کلائو نے پلاسی کی جنگ فتح کی اور ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ انگریزوں نے دہلی پر ۱۸۰۳ میں قبضہ کیا

۱۸۵۷ کے فوجی ہنگامہ کے بعد ہندوستان کی حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھ سے نکل کر انگلستان کے بادشاہ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ۱۸۵۷ کے بعد سے انگریزوں کا تسلط پورا ہو گیا۔ اور مسلمان طاقت میدان سے نکل گئی۔

ابتدا میں اردپائی اقوام نے جنوبی ہندوستان میں اپنا تسلط جمایا۔ اور بنگال میں اپنی کوٹھیاں قائم کیں۔ یورپ والوں نے عیسائی مذہب کا پرچار کیا۔ اور بہت سے ہندو عیسائی بن گئے۔ چنانچہ آج بھی صوبہ مدراس میں عیسائیوں کی تعداد ۱۵۱۶۴ فیصدی ہے۔ اور نفوس کی تعداد ۷،۴ ۲۰ ہزار انسان۔ کوچین ریاست میں فیصدی نسبت ۷۹ ۶ ۲۸ ہے۔ اسکے خلاف ہندو دھرم نے نئی مذہبی تحریکات پیدا کرلیں۔ برہمو سماج۔ آریا سماج۔ تھیوسافیکل سوسائٹی ان تحریکوں میں مذہبی عنصر کی بجائے سماجی عنصر زیادہ تھا چونکہ یورپ کا طریق کار مذہبی نہ تھا۔ بلکہ سماجی۔ انہوں نے یورپ کے جمہوری اصول ان نئی تحریکوں میں داخل کر لئے۔ کچھ قدیم ہندو خیالات کو ترک کر دیا۔ مثلاً آریہ سماج میں مورتی پوجا کی بالکل اجازت نہیں۔ بالکل انکار۔ ان کے بعض پرچارک تو اپنے ویدک دھرم کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ اور بعض دوسرے مذاہب کی جھوٹی سچی برائیوں کے طومار باندھتے تھے۔

ہندو دھرم میں کئی متضاد فرقے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ اگر آج کسی ہندو سے یہ کہا جائے کہ تم ہندو مت کی تعریف کرو تو وہ نہیں کر سکتا۔ اس میں بیسیوں فرقے ہیں اور سب کے بنیادی اصول جدا جدا۔ کوئی آستک ہے (خدا کو ماننے والا) کوئی ناستک ہے (خدا کو نہ ماننے والا) کوئی مورتی پوجا کو مانتا ہے۔ بنگال کی درگا پوجا۔ پورب دیس کے مہادیو کے پجاری۔ کوئی مورتی پوجا کو بالکل غلط کہتا ہے۔ پنجاب کے آریا سماجی ہر فرقے کی مختلف مورتیاں ہیں۔ شوجی۔ وشنو وغیرہ۔ غرض سینکڑوں عقیدے اور ہزاروں توہمات

اس کے ثبوت میں ایک بہت تجربہ کار انگریز آئی سی ایس کا قول حاضر ہے۔ جس نے اپنی ساری عمر بنگال میں آئی سی ایس ملازمت میں گذاری۔ اب وہ کیمبرج یونیورسٹی میں بنگالی کے استاد ہیں۔ اسم گرامی جے۔ ڈی۔ اینڈرسن۔ ایم اے۔

Anderson, J. D., M. A., Teacher of Bengali in the University of Cambridge, I. C. S. Bengal retired.

P. 33

"میں نے ایک دفعہ سوگیانش نوبن چندر راسین سے جو اس وقت بنگالی کا سب سے ہردلعزیز شاعر تھا۔ پوچھا۔ آپ تعریف کرنے کی

کوشش کیجئے۔ ہندو کسے کہتے ہیں۔ اس نے بہت سی قیاس آرائیاں کیں مگر توہی امتحان کرنے پر سب کو ترک کرنا پڑا۔ آخر شاعر (یعنی نوین چندر اسین) اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندو وہ ہے جو (۱) ہندوستان میں پیدا ہوا ہو اور اس کے ماں باپ دونوں ہندوستانی ہوں اور (۲) جو ذات گوت کے قوانین کو مانتا ہو اور ان کی پابندی کرتا ہو۔"

اس سے پہلے کہ ہم ان تاریخی واقعات سے نتائج اخذ کریں۔ یہ بہتر ہوگا کہ سیاسی واقعات کا مطالعہ بھی ایک نظر سے کرلیں۔

ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی کوششیں

ترائن (تراوڑی) کی دوسری لڑائی ۱۱۹۳ میں ہوئی محمد غوری نے پرتھوی راج کو شکست دی اور اُس کی فوج کو بُری طرح کچل دیا۔ غوری نے دھلی اور اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ اور ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ پہلا موقع تھا ہندو جماعت کا مُسلمان کو مغلوب کرکے سارے ہندوستان پر راج کرنے کا خواب خاک میں مل گیا۔ غوری نے دوسرے سال جے چند کو شکست دی اور قنوج کو فتح کرلیا۔ راجپوتوں نے ان علاقوں سے ترک وطن کیا۔ جے چند کا پوتا مارواڑ چلا گیا۔ وہاں اُس نے شہر جودھپور بسایا۔ اور یہ آج تک اُس راجپوت ریاست کی راجدھانی چلا آتا ہے۔ دوسرے راجپوت سرداروں نے گجرات کے ناقابل تسخیر قلعے چتوڑ کو اپنا مرکز بنایا۔ جو آج بھی میواڑ ریاست کا دارالخلافہ ہے۔ پہلا مسلمان خاندان جس نے ہندوستان پر حکومت کی خاندان غلاماں کہلاتا ہے۔ ہندو ہندوستان کے دل میں سلطنت واپس حاصل کرنے کی کوشش ابھی موجود تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اپنی طاقت کو بحال کرنے کی تیاریاں کرتے رہے۔ غیاث الدین بلبن کا زمانہ (۱۲۶۶ - ۱۲۸۶) تھا۔ راجپوت راجوں نے بغاوت کی۔ بلبن نے اُن کو دبا دیا۔ میوات کے ہندو باشندوں نے سرکشی کی۔ بلبن نے ان کو نیک سبق پڑھا دیا۔ زبردست کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور راجپوتوں کو پھر اُس کے جیتے جی چھیڑ خانی کی جرأت نہ ہوئی۔ علاؤالدین خلجی (۱۲۹۵ - ۱۳۱۵) نے سارا راجپوتانہ فتح کرلیا۔ وہ پہلا مسلمان جرنیل تھا جس نے دکھن میں فاتحانہ قدم رکھا۔ اور پہلا بادشاہ تھا جس نے سارے ہندوستان کو فتح کیا۔ اس سے ہندو بالکل دب گئے اور زبردست سے ڈرتے رہے۔

مبارک شاہ خلجی ۱۳۱۶ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے خدمت گاروں میں گجرات کا ایک خوشرو ہندو لڑکا تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔

مُبارک شاہ نے اُسے خسرو خاں کا خطاب دیکر اپنا وزیر بنا لیا۔ مُبارک شاہ کا انتظام سلطنت ڈھیلا ہو گیا۔ تو ہندو خسرو خاں نے اپنے بادشاہ اور محسن کو قتل کیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ یہ ۱۳۲۱ کا واقعہ ہے۔ اسکی پشت پر ہندو جاتی کی جماعت اور اپنے کبنہ کے لوگ تھے۔ اس نے ہندو مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر جمع کیا خلجی خاندان کے سب دعویداروں کو بے دریغ تہ تیغ کیا۔ بچہ بوڑھا کوئی نہ چھوڑا۔ غازی بیگ پنجاب کا صوبیدار تھا۔ امرائے سلطنت نے اسے درخواست کی۔ غازی بیگ نے خسرو خاں پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا غازی بیگ نے غیاث الدین کا لقب اختیار کیا۔ اور تغلق شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ ہندو راج کو ہندوستان میں قائم کرنے کی دوسری کوشش تھی۔ مگر یہ خواب خاک میں مل گیا۔

تیمور نے ۱۳۹۸ میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس وقت محمود تغلق (۱۳۹۴ - ۱۴۱۲) ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ محمود تغلق کی سلطنت بھی کمزور تھی اور فوج بھی کمزور۔ مقابلہ تو اس نے کیا۔ مگر شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ تیمور نے دھلی میں شاہنشاہ ہند ہونے کا اعلان کیا۔ تیمور نے ہندوستان کے بے شمار آدمیوں کو قتل کیا۔ اور دولت لوٹ لی۔ دھلی کی سلطنت بالکل کمزور ہو گئی۔ ہندوؤں کو موقع ملا۔ اور انہوں نے اپنی ریاستوں کی طاقت کو بحال کر لیا۔

تغلق خاندان کے بعد لودھی خاندان نے ہندوستان پر حکومت کی (۱۴۵۱ - ۱۵۲۶) ۱۴۱۲ سے ۱۴۵۰ تک خاندان سادات حکمران رہا۔ مگر حکومت دھلی اور آگرے تک محدود تھی۔ بہلول لودھی نے ۱۴۵۱ میں نئے سرے سے دھلی کی سلطنت کو مضبوط کیا۔ اس کی سلطنت پنجاب سے بہار تک قائم ہو گئی۔ اس کے بیٹے سکندر لودھی (۱۴۸۸ - ۱۵۱۷) نے اپنا دارالخلافہ بدل کر دہلی سے آگرہ کیا۔ سکندر کا بیٹا ابراہیم لودھی ۱۵۱۷ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تند مزاجی نے امیروں کو اس کے خلاف کر دیا۔ راجپوت مطلق العنان تھے۔ مگر ان کو موقع ہاتھ آیا۔ کہ سارے ہندوستان پر راج کریں۔ اُنہوں نے بابر بادشاہ کابل کو ابراہیم کے خلاف جنگ کرنے کو اکسایا۔ ۱۵۲۶ میں پانی پت کی پہلی لڑائی ہوئی۔ بابر کی فوج بارہ ہزار تھی اور ہندوستان کے بادشاہ ابراہیم لودھی کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ۔ مگر بابر نے ایسی شکست فاش دی کہ لودھی کی ساری فوج غارت ہو گئی۔ اور ابراہیم میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ بابر نے بڑھکر دھلی اور آگرے پر قبضہ کر لیا۔

راجپوتوں کا اس منصوبے سے یہ ارادہ تھا۔ کہ لودھی اور بابر آپس میں لڑکر تباہ ہو جائیں گے۔ بابر پہلے کی طرح لوٹ مار کرنے کے

بعد ہندوستان سے واپس چلا جائے گا۔ اور راجپوتوں کو تمام ہندوستان پر حکومت کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر بابر نے ہندوستان میں اپنی مستقل حکومت جمالی۔ اس لئے بابر کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے راجپوتوں نے اپنی قوتوں کو جمع کرنا شروع کیا میواڑ کے رانا سنگرام سنگھ (رانا سانگا) کے زیر کمان فتح پور سیکری کے قریب کنواہہ کے مقام پر جنگ ہوئی راجپوتوں کا لشکر اسی ہزار تھا اور بابر کی اصل فوج بارہ ہزار۔ مگر شیر نے وہ شکست دی کہ اس سے زیادہ مکمل شکست نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان سے مسلمانوں کو خارج کرکے ہندو راج کا خواب تیسری دفعہ خاک میں مل گیا۔ اس کے بعد راجپوتوں کو متحدہ طور پر مغلوں کے خلاف میدان میں آنے کی ہمّت نہ ہوئی۔

بابر نے ۱۵۲۶ سے ۱۵۳۰ تک حکومت کی۔ ہمایوں نے ۱۵۳۰ سے ۱۵۵۶ تک ہمایوں کے عہد میں ۱۵۴۰ سے ۱۵۴۰ تک سوری خاندان ہندوستان پر قابض رہا۔ ہمایوں اس دوران میں کچھ عرصہ تو مارا مارا پھرتا رہا۔ اور اس نے باقی کے بارہ سال ایران میں گزارے، ہمایوں اور شیر شاہ دو مسلمان بادشاہوں کے آپس میں لڑنے کی صُورت نکل آئی تو ہندو حکومتیں خود مختار ہوگئیں۔ بقدر اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے جہاں حاکم کمزور ہوا ہندو نے خود مختار رہنے کی کامیاب یا ناکام کوشش کی۔

ہمایوں نے ایران سے واپس آکر اپنی سلطنت پھر قائم کرلی۔ اس کا بیٹا اکبر تخت نشین ہوا۔ (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵) پھر وہی پانی پت کا میدان اور ہندو مسلمان کی کشمکش۔ ہیمو بقال ریواڑی کا بنیا تھا۔ اسے عادل شاہ سوری (۱۵۵۳ - ۱۵۵۶) نے اپنا وزیر بنالیا۔ سور خاندان کمزور ہوگیا تھا۔ ہیمو نے فوجوں کو شکستیں دیں۔ دھلی اور آگرے پر قبضہ جمالیا۔ اس نے وکرماجیت کا لقب اختیار کیا۔ اور مہاراجہ بن گیا۔ ہیمو بقال نے راجپوتوں اور مغلوں کی بہت بڑی فوج جمع کی۔ مغلوں کی فوج بیرم خاں کے زیر کمان تعداد میں بہت کم تھی۔ مگر نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ ابتدائی فتوحات ہندو کے ہاتھ میں، اور آخری فتح مُسلمان کے ہاتھ میں۔ ہیمو قتل ہوا اور اس کی فوج برباد ہوگئی۔ چوتھی مرتبہ بھارت ورش میں ہندو راج کا خواب خاک میں مل گیا۔

اکبر کے عہد میں اسلامی سلطنت کو بہت ترقی ہوئی۔ اکبری اقبال اپنوں بیگانوں پر رعب بن کر چھا گیا۔ ہندو ڈر کر سہم گئے اکبر کو داماد بنالیا مغلوں کو بیٹیاں دیکر انہیں اپنا رفیق اور غمگسار بنایا بھگتی کی تحریک اور دیگر تحریکوں سے مذہبی بچاؤ کیا۔ جہانگیر شاہجہاں کا عہد اسلام کو سمجھنے اور اس پر قابو پانے کی ترکیبیں اختراع کرنے کے بچار میں گذرا۔ اورنگ زیب کے عہد تک ہندو ضمیر اور ہندو تلوار نے ہمّت

پیدا کر لی۔ اورنگ زیب کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں یا اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈا بادشاہ اور حکام کو بدنام کر کے پھیلایا گیا۔ وہ اورنگ زیب کی کمزور پالیسی یا لغزشوں کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ ہندو جماعت کا ترقی یافتہ قدرتی میلان تھا کوئی بادشاہ ہوتا ہندو جماعت اسی طرح سے سلوک کرتی۔ وہ مسلمان کی روحانی اور مادی فوقیت سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔ شمال میں سکھوں نے زور پکڑا۔ مغرب میں مرہٹے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ بیچ میں راجپوت خود مختار ہونے کو تیار ہو گئے۔ یہ ہندو ضمیر کی خاصیت ہے۔ اسی ضمن میں ۱۶۷۲ میں ست نامیوں نے شورش شروع کر دی۔ ست نامی فرقہ سادھوؤں کا ایک گروہ تھا جن کا مرکز نارنول تھا۔

۱۶۵۷ میں شاہجہان پر فالج گرا۔ اس کے چار بیٹوں، داراشکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد میں تخت نشینی کی جنگ شروع ہو گئی۔ آپس میں ان کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر اورنگ زیب کامیاب ہوا۔ راجپوتوں نے دیکھا کہ مسلمان فوجیں آپس کی لڑائی سے کمزور ہو گئی ہیں۔ انہوں نے پھر سر اٹھایا ان میں جسونت سنگھ والئے جودھ پور خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

جب اورنگ زیب تخت نشین ہو گیا اور حکومت مستحکم ہو گئی تو راجپوتوں نے دیکھا کہ پھر مسلمان ہم پر مسلط ہو گیا ہے۔ اودھے پور جودھ پور اور دیگر راجوں نے مل کر بغاوت کی۔ مگر شاہی فوج کے مقابل میں شکست کھائی۔ پانچویں مرتبہ مسلمان سے آزاد ہو کر ہندو راج کا خواب خاک میں مل گیا۔

اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ میں ہوئی۔ مرہٹوں کا عروج بڑھتا گیا۔ اس عہد تک اروپائی اقوام نے ہندوستان میں کافی دخل حاصل کر لیا تھا۔ ہندو کو موقع ملا کہ وہ مسلمان سے سر پھیر کر نئی قوت کو دیوتا بنا لے۔ ہندو کا خیال تھا کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو انگریز نے کمزور کر دیا ہے۔ اب اس کے لئے تمام ہندوستان پر قابض ہو جانے کا موقع ہے۔ مہاراشٹر میں سیواجی کی سرکردگی میں مرہٹوں نے سر اٹھایا۔ پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا۔ راجپوتانے کے راجے آزاد ہونے کے لئے بے چین ہو گئے۔ مرہٹوں نے اپنی فوج کو منظم کیا۔ اور فتوحات کے لئے مہاراشٹر سے باہر قدم نکالا۔ انہوں نے بنگال بہار سے چوتھ وصول کی۔ پنجاب میں بھی مرہٹہ فوجیں داخل ہو گئیں۔ اور انہوں نے اپنا جھنڈا اٹک کے قلعے پر گاڑ دیا۔ پیشوا باجی راؤ (۱۷۲۰ - ۱۷۴۰) کہا کرتا تھا کہ سلطنت مغلیہ کے قلب کو تباہ کرو۔ سارا ہندوستان قبضے میں آجائیگا۔ مرہٹوں نے چاہا کہ سارے ہندوستان پر ہندو راج قائم کیا جائے۔ مسلمان مقابل میں آ گئے۔ میدان جنگ وہی پانی پت رہا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی (۱۷۶۱) سارے ہندوستان کی مرہٹہ فوجیں پانی پت میں جمع ہو گئیں۔ سب مرہٹہ سردار اپنی اپنی فوج کی

کمان کرنے کے لیئے آگئے۔ ادھر احمد شاہ دُرّانی (ابدالی) والئ کابل اپنی فوجوں کو لے کر آگیا۔ مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی ان کے دو لاکھ سپاہی اور سب بڑے بڑے سردار میدان میں کام آئے۔ جو باقی بچے وہ بھیک مانگ کر واپس مہاراشٹر پہنچے۔ مہاراشٹر دیش کے کینے کینے میں مہینوں تک ماتم رہا۔ اس شکست کے بعد مرہٹہ طاقت کا شیرازہ ہمیشہ کیلیئے بکھر گیا۔ چھٹی مرتبہ ہندوستان میں ہندو راج کا خواب خاک میں مل گیا۔

انگریزی عہد میں ہندو کا رویّہ

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا کاروبار ۱۶۰۰ میں شروع کیا۔ کمپنی نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان ہندوستان کی سرزمین میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۷۶۰ میں وندواش کے مقام پر فرانسیسیوں کو آخری شکست ہوئی۔ اور ان کا اقتدار ختم ہوگیا۔ اسوقت تک انگریزوں نے ہندوستان کے سیاسی معاملات میں حصّہ لینا شروع کر دیا تھا۔ پلاسی کی لڑائی ۱۷۵۷ میں ہوئی اور بنگال کی حکومت عملی طور پر انگریزوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اگرچہ وہ نظری طور پر دیسی نواب کے ہاتھ میں رہی۔ انگریزوں نے اسوقت تک ہندوستان کی سیاست کو خوب سمجھ لیا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں دو طاقتیں ہیں۔ (۱) ہندو (۲) مسلمان ان دونوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دو تو ہندوستان پر ہمارا راج ہو جائے گا۔ چنانچہ اسوقت سے آجتک اقتدار بڑھانے کی یہی ترکیب استعمال کی جارہی ہے۔ تاریخ کے بعض محققین کا خیال ہے کہ پانی پت کی تیسری لڑائی میں انگریز کا دماغ کام کر رہا تھا۔ ہندو کو مسلمان کے ساتھ بھڑانے کی یہ ایک ترکیب تھی۔ تاکہ دونوں کمزور ہو جائیں۔ زمانے نے رنگ بدلا مغل شاہنشاہی ہندوستان سے رخصت ہوگئی۔ تمام ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ ہندو نے انگریز کی اطاعت شروع کر دی۔ اور انگریزی سرکار میں اپنا رسوخ بڑھا لیا۔

۱۸۰۳ میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اور مغل شاہنشاہ ان کا وظیفہ خوار بن گیا۔ اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑی طاقت انگریز تھے۔ انگریزوں کا اقتدار اس کے بعد بڑھتا گیا۔ اور وہ تمام ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ میں فوجی ہنگامہ ہوا تو انگریزی حکومت نے سمجھا کہ مغل بادشاہ تخت ہند پر پھر قابض ہونا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس میں زیادہ حصّہ پوربی سپاہی کا تھا۔ اور یہ سب ہندوستانیوں کی مشترکہ کوشش تھی کہ وہ غیر قوم کی حکمرانی سے آزاد ہو جائیں۔ مگر انگریزوں کا سارا غصّہ مسلمانوں پر نازل ہوا۔ اور اُنھوں نے سارے ہندوستان میں عام طور پر اور یوپی کے علاقے میں خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ بہت سختی کا سلوک کیا۔ ہندوؤں کو موقت

موقع مل گیا کہ وہ سرکار انگریزی میں رسوخ حاصل کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کرلی۔ اور انگریزی ملازمتوں پر قابض ہوگئے مسلمان انگریزی تعلیم سے متنفر تھا۔ کچھ اس لئے کہ ۱۸۵۷ کے ہنگامہ کے بعد انگریزوں نے سختیاں مسلمانوں پر کیں۔ کچھ اس لئے کہ انگریز نے ہندوستان کی حکومت اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔ کچھ اس لئے کہ مسلمان علما انگریزی تعلیم کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ انگریز کی حکومت بھی آئینی حکومت ہے۔ پڑھنے لکھنے کے بغیر کوئی ملازمت حاصل نہیں کرسکتا۔ اور جس کے ہاتھ اعلیٰ عہدہ ہو وہ بہت حد تک حکومت کو اپنی منشا کے مطابق چلاتا ہے۔ آخر سر سید نے علیگڑھ کالج قائم کیا۔ اور وہاں مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کی مگر ہندو اسوقت تک بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور حکومت کے تمام شعبوں میں ملازمتیں حاصل کرکے حکومت پر قابض ہوچکے تھے۔ ان کا یہ قبضہ آج تک چلا آتا ہے۔

انڈین نیشنل کانگرس ۱۸۸۵ میں قائم کی گئی۔ ہندوستانیوں نے اس کے ذریعہ سے آئینی حکومت میں اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا اس میں بھی ہندو پیش پیش رہا۔ ۱۹۰۵ تک انگریز کا ڈر ہندو کے دل پر بہت شدید تھا۔ آہستہ آہستہ یہ ڈر کم ہوگیا۔ اور اس نے پھر آزاد ہونے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ وہ اپنی فوج میدان میں نہ لاسکا۔ لیکن انگریزی تلوار کی وساطت سے ہندوستان پر آئینی قبضہ جانے کے لئے کمر بستہ ہوگیا۔ ہندوستان میں مسلمان بھی آباد ہیں۔ ہندو اپنی آئینی حکومت میں مسلمان کو شامل نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اس کو بطور رعیت ہندوستان میں رکھنا چاہتا ہے۔ گویا تمام ہندوستان کے سیاہ و سفید کا وہ خود مالک ہو۔ لیکن آخر مسلمان کی سمجھ میں آگیا کہ ہندو سیاسی چال سے اس کو اپنا شریک کار اس لئے بنا رہا ہے۔ کہ ہندوستان کی تمام حکومت ہندو کے ہاتھ میں آجائے۔ اس لئے مسلمان نے ۱۹۴۰ میں یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہندوستان میں پاکستان بنایا جائے۔ یعنی ایک ایسا حصہ ہو جس میں مسلمانوں کی آئینی حکومت ہو۔

تاریخی حقائق سے نتائج

ان تاریخی حقائق کو آپ نے سمجھ لیا۔ آؤ اب ان سے نتائج اخذ کریں۔ ان تاریخی حالات میں ایک بات صاف نظر آتی ہے۔ ہندو کو ہندوستان میں اکھنڈ بھارت بنانے کا ہمیشہ شوق رہا ہے۔ اس نے چھ دفعہ کوشش کی کہ ہندوستان میں رام راج قائم کردے۔ مگر ہر مرتبہ ناکام رہا۔ اس عہد میں بھی اس نے اکھنڈ بھارت کے سارے منصوبے مکمل کرلئے انتہائی کوشش بھی کی۔ مگر ناکام رہا۔ (۱۹۴۶ کی شورش)

ہندو ذہنیت ۔ ہمیں تاریخ کے اوراق میں بھی یہ دکھائی دیتا ہے۔ کہ ہندو حق و ناحق جائز اور ناجائز کی بھی زیادہ پروا

نہیں کرتا۔ جہاں حاکم کی سلطنت کمزور ہوئی اسے اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کی فکر ہوئی۔ مبارک شاہ خلجی کی سلطنت کمزور ہوئی تو ہندو خسرو خاں نے بغاوت کی اور اپنے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ محمود تغلق کی سلطنت کمزور ہوئی تو تمام ہندو ریاستیں مطلق العنان ہو گئیں۔ ہمایوں اور شیر شاہ آپس میں لڑے تو پھر ہندو راجے خود مختار ہو گئے۔ اکبر سے پہلے سلطنت کمزور تھی۔ ہیمو نے اکبر کا مقابلہ کیا۔ شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ ہوئی اور سلطنت کمزور ہوئی تو ہندو راجوں نے پھر مغل بادشاہ سے سر پھیر لیا۔ انگریزی عہد میں ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۵ کی جنگ کے دوران میں جب انگریزی سلطنت کمزور نظر آئی۔ تو ۱۹۴۲ء میں ہندو نے بغاوت کی اور ہندوستان میں اپنا راج قائم کرنے کی کوشش کی (دیکھو وزیر ہند مسٹر ایمری کی تقریر۔ مقالہ ۹۔ صفحہ ۱۲۴ اور لارڈ لوتھین کا بیان صفحہ)

مگر جہاں ہندو کو زبردست کا ہاتھ نظر آتا ہے وہ فوراً اس کے پاؤں پر گر جاتا ہے۔ اس کو دیوتا مان لیتا ہے۔ اور اس کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔ غیاث الدین بلبن نے تمام راجپوتانے اور دکن کو فتح کر لیا۔ ہندو بالکل دب گئے۔ اور شاہی خدمت میں شامل ہو گئے۔ اکبر کا زمانہ آیا تو انہوں نے دیکھا کہ اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اکبر کو اوتار بنا لیا۔ اور مغلوں کو بیٹیاں دیکر ان کے سمدھی بن گئے۔ اور رنگ زیب سے پہلے سر اُٹھایا تھا تو اورنگ زیب سے ڈر کر سہم گئے۔ ہندو دماغ دلیل اور حجت کو نہیں مانتا۔ زبردست دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔ جس کا مقابلہ وہ نہ کر سکے۔ اگر اس کو یقین ہو کہ میں مادی طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کر لوں گا۔ تو اُسے پھر اپنا جیسا انسان سمجھ کر اس کے خلاف دلیلوں کے طومار باندھ دیتا ہے۔ دلیلیں اور حجتیں جھوٹی یا سچی۔ درست یا غلط۔ مگر وہ پیدا کر لیتا ہے۔ اور اپنے غلط نظریہ کو نہیں مانتا۔ وہ اپنے دل میں خود کہتا ہے۔ کہ میرا فلاں اصول یا فلاں قانون یا فلاں مذہبی عقیدہ غلط ہے۔ مگر زبان سے اسکا اقرار نہیں کرے گا۔ پرائیویٹ اگر پوچھو تو مان بھی جاتا ہے۔ مگر پبلک میں اس کا اقرار نہیں کرتا۔ اس کا فلسفۂ ویدانت اسے دلیلیں تعمیر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کی ذات پات کی تنگ نظری حجت کو نہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس کے منوانے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کے سامنے دیوتا کی قوت اور جلال پیدا کرو۔ دور جدید میں مسلمان نے جب تک پنیارٹی کے تصور سے دلائل اور حجت سے کام لیا تو کسی نے نہ سنی۔ چونکہ ہندو کو معلوم تھا کہ مسلمان ضعیف ہے اور وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیگا۔ جب مسلمان نے پاکستان بنا لیا۔ اور اس کی جماعت میں قوت آگئی۔ تو سب ہندو فرقوں نے باری باری مان لیا کہ ہاں یہی نظریہ درست ہے۔

مگر جب وہ اپنے خود ساختہ دیوتا کے سامنے جھکتا ہے۔ اس کے چرن چھوتا ہے۔ جان سے عزیز دھن بھینٹ چڑھاتا ہے۔ تو یہ نہ سمجھو کہ

اس کی یہ اطاعت حقیقی ہے۔ اور وہ سچے دل سے یہ سب کام کر رہا ہے۔ وہ اسے بطور عادت کے کرتا ہے۔ اسے ریاکاری کہہ لو یا اس کی فطرت۔ وہ اپنے پتھر کی مورتی کو خود بناتا ہے۔ اس کو پوجتا ہے۔ اس سے دعائیں مانگتا ہے۔ مگر یہ جانتا ہے کہ اس میں کچھ قوت نہیں۔ میں جہاں رکھ دوں یہ مورتی وہیں پڑی رہتی ہے۔ تو گو یا خدا آسمانی اور روحانی قوت کا تصور اس کے ذہن میں اس طرح کا ہے جو اسے صرف نیم اطاعت اور اندرونی انحراف پر مجبور کرتا ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی زبردست انسان کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ تو اس کی حیثیت بھی اپنی بنائی ہوئی پتھر کی مورتی سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ ہندو دھرم کے مطابق خدا۔ روح اور مادہ تین چیزیں ازلی ہیں گویا خدا کو مادی اور روح پر اقتدار حاصل ہیں۔ اس لئے انسان بھی عالم کون ومکاں میں برابر کا شریک ہے۔ کچھ مدت کے بعد ہندو کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا خود ساختہ دیوتا تو میری طرح سے انسان ہے۔ اس کے دل میں چھپا ہوا انحراف اب ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ روحانی اور مادی فوقیت دونوں پر حملہ کرتا ہے۔ ان کو مٹانے کے نئے نئے طریقے نکالتا ہے۔ مہاتما بدھ کے بعد خاندان غلاماں کے آخری ایام میں۔ علاؤ الدین خلجی کے بعد۔ تیمور کے حملہ کے بعد۔ ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں۔ ہمایوں کی وفات پر اورنگ زیب کے بعد اور ۱۹۴۲ء میں انگریز کے ہندوؤں کو کافی آئینی حقوق دینے کے بعد وہ اکثر روحانی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نئی مذہبی تحریکیں اختراع کرلیتا ہے۔ بدھ مذہب کے بعد جین مت اسلام کے بعد سکھ مت۔ عیسائیت کے بعد برہمو سماج۔ ان نئی تحریکوں سے اس کا مقصد صرف مذہبی نہیں ہوتا۔ وہ ان سے سیاسی کام لیتا ہے۔ مرہٹے اور سکھوں نے حکومتیں قائم کرلیں۔ ہندو مذہبی رنگ میں سیاسی اور سماجی کام کرتا ہے یعنی مذہب کا نام رکھتا ہے۔ اور ان انجمنوں میں سیاسی اور سماجی لیکچر اور پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ انہیں کے واسطے سے وہ سیاسی حقوق طلب کرلیتا ہے۔ آج بھی سبھاؤں اور دیوی شالاؤں میں جاکر دیکھو تو وہاں مذہب کی نسبت سیاست اور سماج پر زیادہ بحث ہوتی ہے۔ دورِ جدید میں ہندو سبھا۔ اور آریہ سماج اسی طرح کی تحریکیں ہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اگر ہندو سبھا کو موقع ملے۔ تو وہ ہندوستان پر حکومت کرنے کی کوشش کرے۔

نام تو ان کا مذہبی تحریکیں ہیں۔ مگر کام ان کا سیاسی ہے۔ بنگال میں چیتنیہ۔ پنجاب میں گرونانک۔ مہاراشٹر میں نند دیو۔ شری دھر۔ تکارام۔ رام داس نے ہندو سماج کو نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ ان کو افراد کے نام نہ سمجھو۔ یہ تحریکیں ہیں جن میں بیسیوں آدمیوں نے حصہ لیا۔ دورِ جدید میں شدھی۔ سنگٹھن۔ آریا سماج۔ جاتیا سبھا۔ اور کئی مذہبی آشرم ہیں۔ جو مذہب کے نام پر سیاسی کام کر رہے ہیں ان اصل میں سیاسی اور از اہم مذہبی اداروں میں اپنے مذہب کا پرچار کم ہوتا ہے۔ مگر دوسرے مذاہب کے خلاف نفرت انگیز مواد پیش کیا جاتا

ہے چونکہ ہندو ، تو ہندو ہے ہی. اس کے دل میں دوسرے مذاہب سے نفرت پیدا ہو جائے . وہ تبدیل مذہب نہ کرے . اور نہ ہی دوسروں
سے تعاون کا امکان ہو. ان تقریروں کا بیشتر حصہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ خود ساختہ پروپیگنڈا پر مسیحیت کے خلاف سماجی جنگ
لڑنے کے لئے تھیوسافیکل لاج نے نیم مسیحی طریق اختیار کئے . جو یورپ کے طریق ہیں . دور جدید میں آریا سماج نے اسلام کے خلاف بہت
زہر اگلا. خواہ مخواہ کا جھگڑا . نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلمانوں کے فساد ہوئے. کئی آدمی قتل ہو گئے . بلا سبب ہندوؤں نے اسلام اور مشاہیر اسلام کی
توہین میں کتابیں لکھیں اور کسی سلام کے فدائی نے مصنف کو قتل کر دیا. لکھنے والے کا مقصد حل ہو گیا . ہندو جماعت کے دل میں اسلام اور
مسلمان سے نفرت پیدا ہو گئی . کانگرس کے ہاتھ میں حکومت آئی . تو ودیا مندر سکیم اور ہندو مذہب کی تعلیم جاری کر دی . اسکا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ
ہندو مسلمانوں میں کئی جگہ فساد ہوئے .

سارے ہندوستان پر راج کرنے کی انگریزی راج میں ہندو کی کوششیں

ہم نے تاریخی واقعات سے دیکھا ہے . کہ

ہندو نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کی چھ دفعہ کوشش کی . مگر ہر مرتبہ ناکام رہا . ہر مرتبہ ایسی ہزیمت اٹھائی کہ ہر تاریخ دان ہر جنگ کو دیکھ کر یہی
لکھتا ہے . آئندہ ہندو اس طرح کی کوشش نہیں کرے گا . مگر کچھ عرصے کے بعد وہ پھر تیار ہو جاتا ہے . ہندو کی ساتویں کوشش آئینی تھی . جمہوریت
کے قانون کے مطابق وہ اکثریت کے زور پر سارے ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا . مگر اس میں بھی ناکام رہا . ۱۹۴۰ میں مسلمانوں نے اعلان
کر دیا کہ وہ آئینی طور پر مینارٹی کی حیثیت میں ہندو کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے . بلکہ وہ ایک علیحدہ قوم ہیں . اس قوم میں قومیت کے
تمام عناصر موجود ہیں . اس لئے وہ اپنا وطن الگ چاہتے ہیں . جہاں یہ قوم پرورش پاکر پورے طور پر ترقی کر سکے . اس وطن کا نام
پاکستان ہے . اس ناکامی کا سبب وہی بدعنوانیاں ہیں . جنکا ارتکاب اس نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کیا . جیسے کہ وہ پہلے تاریخی ادوار میں کرتا
آیا ہے . ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی آٹھویں کوشش انگریز کے خلاف تھی . جب ۱۹۴۲ میں ہندو کانگرس نے یہ خیال کیا کہ انگریز کمزور
ہو گیا ہے . اور اسمیں ہمارے مقابلے کی ہمت نہیں ہے . تو ساری جاتی کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے . اور انگریزوں کو نوٹس دے دیا " ہندوستان خالی کرو "
مگر اسمیں بھی ہندو ناکام رہا . (دیکھو صفحہ ۱۲۴)

ہندو کی ناکامی کے اسباب . ہندو کی ناکامی کے بہت سے اسباب ہوں گے . مگر اس کے لئے بہت حد تک اس کی فطرت ذمہ دار

ہے، وہی فطرت جس کو مذہب سماج اور ماحول نے بنایا ہے۔ ہندو ہمیشہ ایسی تجویز سوچتا ہے جو عملی نہ ہو۔ اور پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے۔ نظری حدود میں بند رہنا اسے مذہب سکھاتا ہے۔ اس کے دینی اصول اور فلسفۂ مذہب اسقدر نظری اور خیالی ہے۔ کہ وہ عملی دُنیا سے بہت دور رہتا ہے۔ البتہ جن چیزوں میں وہ مذہب کو چھوڑ دیتا ہے وہاں اس کے حالات مختلف ہو جاتے ہیں ہندو کا دماغ جزرس تو بہت ہے۔ تفصیلات کو محنت کے ساتھ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ مگر کل کو بحیثیت مجموعی سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ اچھا ماتحت ہے مگر کمزور افسر حکم دیتے وقت اندر سے اسکا دل ہمیشہ خائف رہتا ہے۔ بیرونی طاقتوں کے ڈر سے لرزاں۔ مسلمان اچھا افسر ہے مگر نڈر ماتحت۔ افسر کی حیثیت میں مسلمان کی صدیوں سے تربیت ہوتی چلی آتی ہے جب مسلمان کے ہاتھ میں حکومت بھی تو اس کے آبا و اجداد پشتوں تک یہی کام کرتے رہے۔

ہندو کو تنگ نظری بھی اس کا مذہب اور سماج سکھاتے ہیں۔ ذات پات کی اس قدر شدت۔ چھوت چھات کا اسقدر پرہیز۔ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا تو درکنار، چھونا اور ہاتھ لگانا بھی گناہ ہے۔ بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے اس کا دل تنگ اور فکر بند رہتا ہے۔ اس میں وسعت پیدا نہیں ہوتی۔ ہندوستان سے باہر نکلنا اور غیر قوم کا پانی پینا، روٹی کھانا اس کو اپنے مذہبی وقار سے گرا دیتا ہے۔ شروع شروع میں اسی لئے کئی ہندو تعلیم کے لئے انگلستان نہیں جاتے تھے۔ اس فلسفۂ زندگی کا اثر ہندو کی فطرت پر ہوا۔ ساری تاریخ ہندوستان چھان ڈالو اس میں یہ آثار ہی نہیں کہ ہندو اپنے وطن سے باہر نکل کر دوسرے ممالک پر قبضہ جمانے کی کوشش کرے۔ یا ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ وہ تو اپنے گھر میں بند ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں صرف ایک مسلمان بادشاہ ہے۔ محمد تغلق (۱۳۲۵ - ۱۳۵۱) جس نے ہندوستان سے باہر کے ممالک۔ چین، بخارا وغیرہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ اور ہندوستان کے تاریخ نویسوں نے اس کو دیوانے کا خطاب دیا۔ کہ ایسی ناقابل تکمیل تجویزیں سوچتا ہے۔ جو مسلمان ہندوستان میں آئے، ہندوستان کی فضا سے متاثر ہو کر ان پر بھی ہندو ذہنیت کا زنگ چڑھ گیا۔ مغلوں کے ماتحت افغانستان اور بخارا تک کا علاقہ رہا۔ کچھ تو یہ اسلامی فطرت کا جوش تھا۔ اور کچھ یہ کہ مغلوں کا اصل وطن بخارا ہی تھا۔ ان کی فوج کے ایک شعبہ کے افسر اور سپاہی اسی وطن سے آتے تھے۔ اس لئے یہ علاقے ان کے ماتحت رہے۔

ہندو کے مندر میں جا کر دیکھو تو اس کی پوجا فرداً فرداً ہوتی ہے۔ دیول کے سامنے وہ اکیلا بھینٹ چڑھاتا ہے۔ اور ماتھا ٹیکتا

ہے ۔اس کے خلاف مسلمان سب مل کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے ہیں ۔ ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں ۔ یک زبان ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں ۔اس سے مسلمان کے دل میں جماعت کی ضرورت اور محبت ظاہر ہو جاتی ہے ۔ وہ امیر غریب کو برابر سمجھنے لگتا ہے اور تنگ نظری ذہن سے نکل جاتی ہے ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز   اقبالؔ

ہندو کا مذہب مسئلہ تناسخ میں محدود ہے ۔ ایک چکر ہے جو حرکت میں ہے ۔ اس لئے ہندو دماغ دائرے کی شکل میں سوچتا ہے ۔ گول گول ۔ زیر و بم اور سخت و نرم تو اس راستے میں آتے ہیں ۔ مگر چند نسلوں کے بعد پھر اسی مقام پر آ کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ عیسائی اور مسلمان کا دماغ خطِ مستقیم میں سوچتا ہے ۔ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس فکر میں رہتا ہے کہ گذشتہ سے آئندہ بہتر ہو ۔ مسلمان کا مذہب بھی اس کو یہی سکھاتا ہے ۔ کہ فطرت کی قوتوں کو تسخیر کر کے ان کو اپنے استعمال میں لاؤ ۔ اور بہتر ہوتے جاؤ ۔ دورِ جدید میں یعنی ۱۴۰۰ عیسوی کے بعد سے ۱۷۰۰ تک اسلامی دنیا میں فکر کا انحطاط ہوا تھا ۔ اس کا سبب مذہب نہ تھا ۔ بلکہ یہ کہ اسلام کے پیش نظر کوئی مقصد نہ رہا ۔ اب ہندی مسلمانوں کے پیش نظر پاکستان اور ہندوستان کی مسلمان قوم کو فروغ دینے کا مقصد موجود ہو ۔ تو وہ تفکر اور تعمیر میں خاطر خواہ ترقی کریں گے ۔ ہندو اپنے گذشتہ کی تعریف کرتا ہے ۔ اور یہ کہتا ہے ویدوں کے زمانے کی ہر چیز بہترین تھی ۔ وہ ست جگ تھا ۔ اب کل جگ ہے ۔ مسلمان اپنے بزرگوں کی تعریف تو کرتا ہے ان کے اخلاق کو معیار گردانتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ ہمیں ترقی کے میدان میں اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے ۔ علم اور عمل سے زندگی بنتی ہے ۔ ہر فرد اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے ۔

آخری فتح مسلمان کے ہاتھ میں رہتی ہے

ہندو کا یہ پرانا منصوبہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر کمزور کر دو ۔ لودھی اور بابر کو پانی پت کے میدان میں بھڑوا دیا ۔ دورِ جدید میں جمیعت العلما کو مسلم لیگ کے خلاف اور مدنی کو اقبال کے خلاف کھڑا کرنا کانگرس کا مشغلہ ہے ۔ ہندو نے اتنی مرتبہ خاک ہند میں مسلمان کے خلاف جنگ کی مگر ہر مرتبہ ناکام رہا ۔ بھارت بھومی کو ملیچھوں سے پاک کرنے کی خواہش پرانی ہے ان تمام لڑائیوں میں جو ہندوستان کی تاریخ میں درج ہیں ۔ مسلمانوں کی تعداد کم اور ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ تمام

شروع میں بیشتر موقعوں پر ہندوؤں کو کامیابی ہوئی۔ یعنی میدان میں لڑائی شروع ہونے پر یہ دکھائی دیتا تھا۔ کہ ہندوؤں نے میدان مار لیا فتح پر سکی ہی۔ پانی پت کی تیسری لڑائی۔ مگر یہ موقع پر آخری فتح مسلمان کے ہاتھ میں رہی۔ دور جدید میں بھی یہی ہوا ابتدا میں کانگرسی ہندو میدان میں فتوحات حاصل کرتے رہے۔ مگر یقین جانئے کہ آخری فتح مسلم لیگ کے ہاتھ رہے گی۔ ہندو کے دل میں ہر وقت ایک ڈر لگا رہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہندوستانی مسلمان، ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو اپنی امداد کیلئے بلائے گا۔ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے مقابلے کے لئے آگیا تھا۔ ہندوؤں کا یہ ڈر درست بھی ہے۔ تو کیوں ہندو حق پرستی اور راستبازی سے کام نہیں لیتا ہے۔ کہ مسلمان کی توجہ ہی اسطرف نہ ہو۔ ہندو کو چاہیئے کہ وہ مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھے جس سے ہندوستانی مسلمان غیر ہندوستانی مسلمان کی نسبت ہندو سے زیادہ محبّت کرے۔

دور جدید میں ہندو کا پروگرام

یہ تو ہندو کے فطری رجحانات تھے۔ جو اسے وراثت میں پہنچے۔ اگر عہد قدیم میں اس نے یہ پروگرام بنایا۔ تو دور جدید میں بھی وہ یہی پروگرام بنانے کی کوشش کرے گا۔ اگر دور جدید میں ہندو نے اسی سے ملتا جلتا پروگرام مرتب کیا ہو۔ اور اس بات کا ثبوت ہندو کے افعال واقوال سے ہو جائے تو اس امر کے باور کرنے سے کسی صاحب فہم کا دماغ انکار نہیں کرے گا۔ کہ ہندو کا پروگرام حقیقتاً یہی ہے۔ ہندو نے جو پروگرام اپنے ذہن میں بنایا تھا۔ اس کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

مسلمان غیر قوم ہے۔ یہ لوگ ہندوستان کے باہر سے آئے ہیں۔ ہندوستان صرف ہندو کی ملکیت ہے۔ اسلئے مسلمان کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ اس قوم کا فرد فرد خارج کر دیا جائے۔ اس کے ثبوت میں سپین کی مثال پیش کی گئی۔ کہ اندلس میں سینکڑوں سال حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں کو نکال دیا گیا۔ عیسائیوں نے تمام مسلمانوں کو یا تو جزیرہ نمائے اندلس سے خارج کر دیا۔ یا انکو عیسائی بنا لیا۔ اسی طرح سے مسلمانوں کی بیشتر تعداد کو ہندوستان سے خارج کر دیا جائے۔ اور جو مجبوری یا اتفاق سے ہندوستان میں رہ جائیں ان کو ہندو کر لیا جائے۔

جب یہ پروگرام کامیاب نہ ہوا تو ہندو نے پر یہ پروگرام بنایا کہ مسلمان کو اپنا غلام بنا کر رکھو۔ اس کی ترکیب یہ نکالی جمہوریت کا اصول ہے۔ حکومت میجارٹی کیا کرتی ہے۔ مینارٹی ہمیشہ میجارٹی کے تابع ہوتی ہے۔ مسلمان کو مینارٹی بنا کر رکھو۔ ہندو نے اپنی

تمام کوششیں جمہوریت کی قانونی میجارٹی بننے کے لئے صرف کرنی شروع کیں۔ شدھی، سنگٹھن، مہاسبھا، یہ سب تحریکیں مسلمانوں کے خلاف میجارٹی بننے کے لئے تھیں، چونکہ ہندوستان میں اور کوئی جماعت ایسی نہیں، سوائے مسلمان جماعت کے، جو ہندو میجارٹی کا مقابلہ کرسکتی۔ اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملایا گیا تاکہ تعداد بڑھ جائے۔ سکھوں کو بھی ترغیب دی گئی۔

اب یہ فرض کرلیا کہ ہندو کو میجارٹی مل گئی۔ مرکز اور صوبوں میں حکومت اس کے ہاتھ آگئی۔ تو اس کا پروگرام یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی تہذیب کو مٹایا جائے۔ ان کو زندہ رکھا جائے۔ مگر ان کا دماغ اور ضمیر اس درجہ مسخ کردیا جائے کہ وہ ہندو جماعت کا حصہ بن جائے نام اگرچہ ان کا مسلمان ہو، مگر ان کا دل و دماغ ہندو۔ جس طرح سے کسی سرمایہ دار کی میراث میں بھیڑ بکریاں شامل ہیں۔ اسی طرح سے مسلمان بھی محنت مزدوری کرنے کے لئے زندہ رہے۔ حکومت، زور اور زر تمام ہندو جماعت کے قبضے میں رہے۔ مسلمان کو اس اور شودر کی شکل مل جائے گی۔ اچھوت اور ہریجن جماعت تو ہندو تہذیب کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ مسلمان ملیچھ تو ہیں ہی۔ ایک اچھوت جماعت یہ بھی ہندوستان میں جاتی ہندو کے ماتحت رہے گی۔

ہندو کی زبان سے اس پروگرام کا ثبوت

اس پروگرام کا ثبوت اب مختلف ہندو جماعتوں کی زبانی سُنئے۔ جس طرح سے ۱۹۴۲ء میں ہندو کانگرس نے گاندھی جی کے زیر کمان، انگریز کو نوٹس دے دیا تھا۔ Quit India ہندوستان خالی کرو۔ اسی طرح اس ہنگامے سے بہت پہلے ہندو جماعت نے مسلمان کو نوٹس دیا تھا۔ "ہندوستان خالی کرو" اس تحریک کے بانی زیادہ تر لاہور کی آریہ سماج جماعت اور لالہ لاجپت رائے لاہوری تھے۔ اس تحریک کو کامیابی تو کیا ہوسکتی تھی۔ آخر سارے برّاعظم ہندوستان سے (۲۸،۴۲۹،۸۹ء و ۹ نفوس مردم شماری ۱۹۴۱ء) ۹ کروڑ مسلمانوں کو نکال دینا کوئی کھیل تو ہے نہیں۔ اور مسلمان کے پاس بھی ریاستیں، جاگیریں، زور، زر دماغ، قلم موجود ہے۔ کوئی بیچارہ اور ناکارہ جماعت نہیں۔ مگر ہندو کا پروگرام ہی کچھ ایسا ہوتا ہے، جس کو آخر میں کامیابی نہ ہو۔ اس کا دماغ نظری ہے اور وہ ہر معاملے کو نظری نقطہ نگاہ سے دیکھنے کے بعد اس پر فیصلہ دے دیتا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں موجود ہے مگر اس تحریک کا چرچا ہر جگہ ہوگیا۔

سپین کی مثال ایک نظری دھوکہ ہے۔ ایک فریب۔ وہاں ایک طرف سارا عیسائی یورپ تھا۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان

ان کا انحطاط ہو چکا تھا۔ ہجرت کرنے کو شمالی افریقہ موجود تھا۔ اس کے برخلاف ہندو یورپ کی طرح وسیع ہونے کی بجائے خود محدود ہے۔ اور مسلمان، ایشیا اور افریقہ کا مسلمان ہونے کے سبب وسیع۔ ۹ کروڑ تعداد ان کی اپنی ریاستیں۔ اور تنظیم۔

ہندوستان میں مصر کا ایک ادیب فتح اللہ انطاکی آیا۔ اس نے ۱۹۳۸ - ۱۹۳۹ کا موسم سرما ہندوستان میں گزارا۔ اکتوبر ۱۹۳۸ سے آگے آٹھ مہینے۔ ہندوستان میں ہر جگہ گھوما اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملا۔ فتح اللہ انطاکی قاہرہ (مصر) کے ہفتہ وار جریدہ "العمران" کا ایڈیٹر ہے۔ اس نے اپنی کتاب "الھند کما رأیتھا" ہندوستان جیسے کہ اسے میں نے دیکھا" میں ہندوستان کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ مگر اسی جلد میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ فتح اللہ انطاکی لکھتا ہے۔

صفحہ ۱۰۵۔ باب "ہندوستانی مسلمان، ہندوستان میں پردیسی ہیں"۔ "جب میں گذشتہ مرتبہ ہندوستان آیا تھا۔ تو میں نے کئی ہندو بھائیوں کی زبانی ایسے ریمارک سنے جو ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مفاد کے لئے مہلک ہیں۔ وہ ریمارک یہ تھے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں غیر ملکی ہیں۔ اور ان کو ہندوستان کے باشندے شمار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے ثبوت میں جو دلیل وہ اپنے دل سے پیش کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان اپنے اصل میں غیر ملکی ہیں۔ وہ یا تو عرب ہیں۔ یا ترک۔ یا منگول یا افغان یا کوئی اور بیرونی نسل۔ ہندو مشاہیر، لیڈروں، حکمرانوں اور مفکرین کی بڑی تعداد اسی خیال پر قائم ہے۔ وہ اسبات کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے"۔ یہ ۱۹۳۸ کا ذکر ہے۔ مگر اس سے بہت پہلے ہندو جاتی نے ڈنکے کی چوٹ سے مسلمان جماعت کو یہ نوٹس دیدیا تھا۔ کہ ہندوستان خالی کر دو اور یہ خیال اسی وقت سے ہندو فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔

ایک جماعت کو کسی وطن میں رہنے کا حق کون سی چیز عطا کرتی ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہندو یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ "مسلمانو ہندوستان خالی کرو" ہندو اسبات میں کامیاب ہوا یا نہیں۔ یہ اور سوال ہے۔ لیکن اس کے پاس اگر طاقت ہو تو وہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا دے۔ ایک جماعت کو کسی وطن میں رہنے کا حق کون سی چیز عطا کرتی ہے؟ اگر غیر ملکی اور غیر قوم کا ہونے کا سوال ہے تو بھارت دیس میں آریہ نسل کے ہندو بھی پردیسی اور غیر ملکی ہیں۔ آریا لوگوں کے گروہ در گروہ دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر کوئی ۶۰۰ سال قبل مسیح تک آتے رہے۔ تمام شمالی ہند میں اس وقت دراوڑ لوگ آباد تھے۔ اور

باقی ہندوستان کا بیشتر حصہ ان کے قبضے میں تھا۔ آریاؤں نے دراوڑی لوگوں کو نیچے دھکیل دیا۔ اور شمالی ہندوستان پر خود قبضہ جمالیا۔ دراوڑ لوگ اب جنوبی ہندوستان میں آباد ہیں۔ اور شمالی ہندوستان میں آریا نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے دراوڑ نسل کے لوگ بھی غیر ملکی ہیں چونکہ تاریخ اسبات کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ کہ دراوڑ نسل کے لوگ آریا لوگوں سے بہت پہلے ہندوستان کے شمال مغربی دروں سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ اور انہوں نے سارے ہندوستان کے میدانوں میں اپنی آبادیاں قائم کرلی تھیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ بلوچستان میں ایک قطعہ ہے۔ وہاں بروہی لوگ رہتے ہیں۔ ان کی مادری زبان دراوڑ زبان کے خاندان سے ہے اور ان کے اوضاع اور اطوار دراوڑیوں کے قریب ہیں۔ تو اس دلیل کی بنا پر اگر مسلمان عرب اور ایرانی ہونے کے سبب غیر ملکی ہیں۔ تو آریا بھی بحر کیسپین کے مشرقی کنارے کے باشندے ہونے کے سبب غیر ملکی ہیں۔ چونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آریا لوگوں کا اصل وطن بحیرۂ خضر کے قریب کہیں تھا مشرقی۔ شمالی یا مغربی کنارے۔ مگر آریوں نے ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد یہاں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ انہوں نے شمشیر کے زور سے یہاں کے پہلے باشندوں (دراوڑوں) کو نیچے کی طرف دھکیل دیا اسی بھارت دیش میں ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ جو اس عہد کے ہندوستان کی خالص تہذیب ہے۔ یہاں باغ اور کھیتیاں آباد کیں جن سے خشک صحرا ہنستے ہوئے گلزار بن گئے۔ یہی حق ہے جس کی بنا پر ہندو بھارت دیش کو اپنا دیش کہتے ہیں۔ اور جس کے سبب وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان ہمارا ہے۔

اب مسلمانوں کے متعلق سوچو تو انہوں نے بھی ہندوستان میں وہی کیا جو ہندوؤں نے کیا تھا۔ جس طرح سے آریا لوگوں نے دراوڑ کو ہندوستان کے بعض رقبوں سے خارج کردیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی اسی طرح سے بعض علاقوں (پنجاب) پر قبضہ جما لیا۔ اور ہندو راجوں نے راجپوتانے میں اپنی حکومتیں قائم کرلیں۔ دراوڑ لوگوں نے ہندو مذہب قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ آج سارا جنوبی ہندوستان جہاں دراوڑ لوگ آباد ہیں۔ ہندو مذہب کو مانتا ہے۔ مسلمانوں کے زیر اثر ہندوستان کے بعض ہندوؤں نے اسلام قبول کرلیا۔ اور ان علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی۔

مسلمانوں نے ہندوستان کے چپے چپے پر اپنا خون بہایا ہے۔ اس کو شمشیر کے زور سے فتح کیا ہے۔ یہی حق ہے۔ جس کی بنا پر فاتح مفتوح پر حکومت کرتا ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی اور بڑی شان سے حکومت کی۔ آج بھی کئی مسلمان ریاستیں

ہندوستان میں موجود ہیں ۔میدان جنگ میں خون کے بدلے کسی ملک کی حکومت خریدی جاتی ہے ۔ اور مسلمانوں نے ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ اس عمل کو دہرایا مسلمانوں کے بزرگوں نے باغِ ہند کی آبیاری اپنے خون سے کی ہے۔ اور اب ان کی اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ بطور حاکم نہیں تو بطور ملکی باشندوں کے ہندوستان میں زندگی بسر کریں ۔

مسلمانوں کے عہد میں ہندوستانی تہذیب و تمدن میں ترقی ۔

مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستانی تہذیب و تمدن میں نمایاں ترقی کی ۔ ہندو اور مسلمان تہذیبوں کے امتزاج سے نئی زبان پیدا ہوئی جس کا نام اردو ہے ۔ نئی طرز تعمیر وجود میں آئی جس کا نام مغلئی طرز تعمیر ہے ۔ نیا لباس وجود میں آیا جس کا نام دھلی اور لکھنؤ کے شرفا کا لباس ہے ۔ آج بھی اچکن اور چوڑی دار پاجامہ تمام سرکاری اور غیر سرکاری محفلوں میں ہندوستانی لباس کا معیار ہے ۔ اسی طرح سے آداب و اخلاق ۔ طرز رہائش ۔ کھانے اٹھنے بیٹھنے کے طریقے ۔ سب ہندوستان میں رائج ہو گئے ۔ "آداب عرض" نہ نمستے ۔ نہ سلام علیکم ۔ گویا صحیح معنوں میں ہندوستانی تہذیب کو فروغ ہوا ۔ عہد جدید میں ہندو نے اس سے بغاوت کر کے اپنی ذہنی فوقیت قائم کرنے کے لئے اپنی قدیم آریائی تہذیب کو رواج دے دیا ہو تو یہ حکمران مسلمان کا قصور نہیں ۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلمان کے عہد حکومت میں ہندوستان نے تہذیب و تمدن کی کئی منزلیں طے کیں ۔ جو خالص ہندوستانی تہذیب ہے ۔ اس لحاظ سے بھی کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں ایک مخصوص اور نئے تمدن کو جنم دیا مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کا حق حاصل ہے ۔ چونکہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کا وطن بن چکا ہے ۔ جو طرز تعمیر ۔ موسیقی ۔ مصوری ۔ لباس ۔ کھانے ۔ زیورات ۔ وغیرہ اسلامی عہد میں وجود میں آئے ۔ وہ سب خالص ہندوستانی ہیں ۔ اور دنیا میں کسی اسلامی ملک میں اس شکل وصورت میں اس وقت موجود نہ تھے ۔ نہ اب ہیں ۔ تو کیا یہ مسلمانوں کا ہندوستان پر احسان عظیم نہیں کہ انہوں نے بھارت ورش کے لئے ترقی اور فروغ کا ایک عہد پیدا کر دیا ۔ ہندو بڑا احسان فراموش ہو گا اگر وہ تہذیب و تمدن کے ان احسانوں کو فراموش کر دے جو مسلمانوں نے بھارت ورش پر کئے ۔ یہ احسان تو دنیا کی تہذیب اور بنی نوع انسان کی ترقی پر ہیں ۔ جو اسلام نے خاکِ ہند کے رہنے والوں پر وارد کئے ۔ ان احسانوں کو بھی چھوڑ دو جو اسلام نے ہندو مت پر افراد اور جماعتوں کے لحاظ سے کئے ۔ آج ہندوستان میں جتنی ہندو ریاستیں ہیں ان میں سے کئی مسلمان

بادشاہوں کے پروردہ رئیس ہیں۔ یہ مغلوں کی بخشی ہوئی سندات ہیں جن کے زور پر وہ آج جائز حکمران کہلاتے ہیں وہ اپنے ناموں کے ساتھ سپہر سلطنت عظیم الاقتدار۔ رفیع الشان۔ امیر الامرا لکھنا جو مغلوں کے دیئے ہوئے خطابات ہیں فخر سمجھتے ہیں۔

مُسلمان حُکمرانوں کے ہندوجاتی کے بزرگوں پر احسانات

ان بزرگوں کے تاریخی حالات بھی سُن لیجئے گا جن کو ہندو جاتی فخر قوم کہتی ہے اور ہندو دھرم کا رکھشک قرار دیتی ہے۔ پہلے سیواجی کو لیجئے گا۔ ایک مرہٹہ سردار مالوجی احمد نگر کی مسلمان ریاست میں ملازم تھا۔ اس کے ہاں اولاد نہ تھی۔ ایک مسلمان بزرگ شاہ شریف تھے۔ ان کی دعا سے مالوجی کے گھر میں دو بیٹے پیدا ہوئے (یہ بھی مسلمانوں کا قصور) شاہ صاحب کی یاد میں مالوجی نے ایک بیٹے کا نام شاہ جی رکھا اور دوسرے کا نام شریف جی۔ شاہ جی پہلے تو احمد نگر (نظام شاہیہ (۱۴۹۸ - ۱۶۰۰) کی مسلمان ریاست میں ملازم رہا پھر بیجاپور کی اسلامی ریاست میں اُس نے ملازمت اختیار کر لی جسِ خدمت کے صلے میں اسکو بیجاپور کے مسلمان سلطان نے جاگیر عطا کی (یہ بھی مسلمانوں کا قصور) سیواجی اسی شاہ جی کا بیٹا ہے۔ ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔ سیواجی نے سلطنت بیجاپور کے چند قلعے اپنے قبضے میں کر لئے۔ توان جیرہ دستیوں کو دیکھکر بیجاپور کے سلطان نے سیواجی کے باپ شاہ جی کو قید کر لیا۔ سیواجی نے شاہجہاں شاہنشاہ ہند کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور اس کی سفارش سے اپنے باپ کو قید سے چھڑایا۔ (یہ بھی مسلمانوں کا قصور)

مگر سیواجی قتل وغارت سے باز نہ آیا۔ اورنگ زیب کے وقت میں شاہی فوج نے سیواجی کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ سیواجی اورنگ زیب کے دربار میں آیا اور اُسے پنج ہزاری امیر بنایا گیا۔ جو عام امرائے شاہی کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ سیواجی ناراض ہو کر واپس مہاراشٹر چلا گیا۔ اورنگ زیب نے ۱۶۶۹ میں سیواجی کو راجہ کا لقب عطا کیا۔ اور برار میں ایک جاگیر عطا کی (یہ بھی مسلمانوں کا قصور) لیکن سیواجی نے ۱۶۷۴ میں اپنی تاجپوشی کی رسم رائے گڑھ میں ادا کی اور مغل شاہنشاہ سے منحرف رہا۔ اس کی وفات ۱۶۸۰ میں ۵۳ برس میں ہوئی۔ اب بتایئے مسلمانوں کے اتنے احسانوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی منحرف ہو جائے۔ اور اپنے ولی نعمت کو مطعون کرے۔ تو اس کی فطرت کا قصور سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ مسلمانوں کے احسانوں کا۔

اب سکھوں کا حال سن لیجیئے گا۔ چوتھے گورو رام داس جی (۱۵۷۴ - ۱۵۸۱) اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اکبر نے ایک جاگیر دی۔ پانچویں گورو ارجن دیو جی (۱۵۸۱ - ۱۶۰۶) حضرت شیخ میاں میر لاہوریؒ کے عزیز دوست تھے۔ امرتسر میں پانچویں گورو نے دربار صاحب کا تالاب بنوایا تو اس کا سنگِ بنیاد حضرت میاں میرؒ نے رکھا۔ چھٹے گورو ہر گوبند جی شاہجہان کے عہد میں شاہی فوج کی طرف سے باغی سرداروں کے خلاف لڑتے رہے۔ اورنگ زیب کے عہد میں گورو گوبند سنگھ جی دسویں گورو نے کئی پہاڑی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ شاہی فوج نے انہیں شکست دی۔ تو گورو جی نے سلوہ (تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر) کے قاضی پیر محمد کے ہاں پناہ لی۔ یہ قاضی گورو جی کے استاد تھے۔ اورنگ زیب کا جانشیں بہادر شاہ گورو جی کی بہت عزت کرتا تھا۔ مغلوں نے سکھوں کی کئی متبرک جگہوں کو جاگیریں دیں۔ اب بتایئے اتنے احسانات کے بعد جو مسلمان بادشاہوں اور اسلام کو برا کہے وہ تاریخ فراموش بلکہ احسان فراموش نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ انہیں کی مہربانیوں کا نتیجہ تھا۔ کہ مرہٹے اور سکھ اپنے اپنے میدان میں ترقی کر سکے۔

اس لئے مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کا حق حاصل ہے

کیا ہندو کو اب بھی یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ مسلمان غیر ملکی ہے۔ اور بدیشی۔ اس کو ہندوستان چھوڑ جانا چاہیئے۔ اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھو۔ اگر اسلام کے اتنے احسانات ہندو جاتی پر نہ ہوتے تو آج ہندو قوم اور بھارت دیش کی حالت بالکل مختلف ہوتی۔ خود غرضی اور ناحق شناسی کا جواب استقلال اور حق پرستی سے دیا جاتا ہے اور مسلمان کو ہندو جاتی نے اپنی کرتوتوں سے مجبور کر دیا کہ وہ پاکستان بنا لے۔

اسلام کے ہندو جماعت پر احسانات

اسلام کے ہندو جماعت پر احسانات یہیں پر ہی ختم نہیں ہو جاتے۔ اسلام نے ہندو جماعت میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ایک نیا طریق کار سکھایا۔ اور انہیں دنیا میں کامیاب ہونے کے زیادہ قابل بنا دیا۔ اسلام سے پہلے ہندو ہندوستان نیم خوابیدہ حالت میں خاموش زندگی بسر کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے آنے سے ہندوستان کی روح بیدار ہو گئی۔ موسیقی، مصوری، تعمیر۔ سب میں تازہ روح پیدا ہو گئی۔ مذہبی خیالات نے نیا چولا پہن لیا۔ اسلام کے پسندیدہ اصول ہندو مت نے اختیار کر لئے۔ اور بھگتی کی تحریک شروع ہو گئی۔ یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے ہندو مت کو بہتر سانچے میں ڈھال دیا۔ اور ہندو کا تصور عملی زندگی کے زیادہ قریب آ گیا۔ ہندو دھرم نے

اس کو بھی ضروری سمجھا کہ مذہبی اصولوں کے ساتھ اسلام کے سماجی اور اخلاقی اصول بھی اختیار کر لے۔ شدھی شروع کر دی۔ تبلیغ تو اسلام کا اصول ہے۔ سنگٹھن بنالی۔ اخوت تو اسلامی اصول ہے۔ ذات پات توڑ دی۔ مساوات تو اسلامی اصول ہے۔ ستی ترک کر دی عورتوں کو حقوق دیئے۔ بیوگاں کی شادی شروع کی۔ توحید سیکھ لی۔ اسی طرح سے اور کئی اصول اختیار کر لئے۔ اسلام نے ہندو میں ذہنی تبدیلی پیدا کر دی۔ اس کو زیادہ مہذب انسان۔ زیادہ عملی ہستی اور زیادہ مرد میدان بنادیا۔ کیا اب بھی ہندو دماغ کو یہ جرأت ہوتی ہے۔ کہ وہ مسلمان قوم یا مذہب اسلام کی بُرائی کرے۔ اتنے احسانوں کے بعد اسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھے اور یہ کہے کہ مسلمان بدیشی ہیں۔ وہ ہندوستان سے چلے جائیں۔ اگر اسقدر نمایاں دلائل کے بعد بھی کوئی ہٹ دھرم اپنے مسئلے پر اڑا رہے۔ تو صاحب بصیرت یہی کہے گا کہ اس کی تربیت میں کچھ سقم ہے۔ یا ذہنیت میں عیب۔

ہندو کا پروگرام ظاہر ہے

مسلمان ہندوستان میں مہمان کی طرح ہیں

ہندو کا پروگرام تو یہی تھا۔ کہ مسلمان کو ہندوستان سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی آرزو دل میں رہی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ دسمبر ۱۹۳۵ میں مہاسبھا کا اجلاس پنڈت مالویہ جی کے زیر صدارت ہوا۔ ذاتی تحفظ اور مسلمانوں کی مخالفت میں کئی ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ بھائی پرمانند نے یہ چیلنج دیا۔ "ہندوستان ہندوؤں کا وطن ہے مسلمان، عیسائی، دوسری قومیں جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ وہ بطور مہمان ہیں۔ اور اسی وقت تک رہ سکتے ہیں جبتک کہ وہ مہمان کی حیثیت سے رہیں"۔ گویا سارا زور تو یہ تھا کہ مسلمان کو بھارت بھومی سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن یہ کام ہم سے نہیں ہو سکا۔ خیر اگر مسلمان اور دوسری قومیں ہندوستان میں ہیں۔ تو وہ اب مہمان کے طور پر رہ سکتی ہیں۔ جسطرح سے ہندو چاہیں۔ مسلمانوں کو ماننا پڑے گا۔

مسلمان بیمارٹی ہے

اگر مسلمان کو ہندوستان سے خارج کر کے تمام ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنا ممکن نہیں تو مسلمان کے ہوتے ہوئے سارے ہندوستان پر ہندو راج قائم کر لیا جائے۔ دور جدید میں اس کی ترکیب یہ ہے کہ ہندو میجارٹی بنائی جائے۔ آجکل جمہوریت کا زمانہ ہے۔ جس طرف ووٹ زیادہ ہوں گے۔ اس کی قوت زیادہ ہوگی۔ اس لئے سرکار انگریزی پر اسیات کا زور دیا جائے۔ کہ ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت ہو۔ اور ایک شخص کا ایک ووٹ

ہو۔ ہندو سارے ہندوستان میں ۶۵ فیصدی ہیں۔ تو ان کی بھاری اکثریت تو خواہ مخواہ ہو گئی۔

آل انڈیا ہندو مہاسبھا کا سلور جوبلی سیشن امرتسر میں منعقد ہوا۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۳ء اس میں کئی ریزولیوشنوں کے ساتھ یہ بھی پاس ہوا۔

مسلمان کو میناریٹی بنانے کی ترکیب

"یہ کانفرنس ایک دفعہ پھر یقین دلانا چاہتی ہے۔ کہ یہ ہندوستان کی وحدت کی حفاظت کے اصول پر قائم ہے۔ اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہندوستان میں جاری ہونیوالے آئین میں فیڈریشن قائم کی جائے جس کا مضبوط مرکز ہو۔ یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے۔ کہ انڈین فیڈریشن سے علیحدہ رہنے کی اجازت کسی صوبے یا جماعت یا فرقے کو نہیں ملنی چاہیئے۔ یہ اس بات کا بھی مطالبہ کرتی ہے کہ مرکز اور صوبوں میں نمائندہ اسمبلیاں جائنٹ انتخابات کے اصول پر بنائی جائیں۔ اور ایک آدمی کو ایک ووٹ حاصل ہو۔"

"ہندو سبھا نے میناریٹیوں کو جو یقین دلایا تھا۔ اس کا ایک دفعہ پھر اعادہ کرتی ہے۔ کہ میناریٹیوں کے مذہب اور تمدن کی پوری حفاظت کی جائے گی۔"

میناریٹی سے ہندو کا سلوک

یہ تو ہم پہلے ہی مقالہ "کانگرسی راج کی تاریخ" میں دیکھ چکے ہیں۔ کہ ہندو کانگرس نے مسلمانوں کے مذہب۔ اور تمدن کی کس طرح سے حفاظت کی اور اس حفاظت سے ان کا مطلب کیا ہے۔ تاہم یہ صاف ہو گیا کہ ہندو کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے مرکز میں ایک ہندو آئینی حکومت قائم ہو جائے جس طرح سے چاہے یہ مرکزی حکومت قانون بنالیا کرے۔

ہندو جماعت کو میجارٹی بنانے کی ترکیب

میجارٹی بننے کے لئے ہندو جماعت نے بہت سے طریقے نکالے۔ شدھی کی تحریک شروع کی۔ حالانکہ ہندو مت کے اصولوں کے مطابق وہی ہندو ہے۔ جو ہندو مذہب میں پیدا ہوا ہے۔ اور پارسی تو یقینی طور پر صرف وہی ہے۔ جو پارسی ماں باپ کی اولاد ہو۔ یہ صرف اسلام ہے جو تبلیغ کرتا ہے۔ ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور لوگوں کو کہتا ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ مگر اب ہندو نے بھی یہی کرنا شروع کر دیا۔ مہاسبھا بنائی۔ تاکہ سب ہندو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ ان میں یک جہتی پیدا ہو اور انہیں اپنے

خیالات کے اظہار کا موقع ملے سنگھٹن کی تحریک شروع کی۔ (شدھی اور سنگھٹن کی تعریف کے لئے صفحہ ۶۸ ملاحظہ کیجئے) تاکہ وہ سب فرقے جو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں ایک جماعت بن جائیں۔ اسی لئے ہندی کی تحریک شروع کی۔ تاکہ وہ ہندو میجارٹی کی مخصوص زبان ہو۔ اسی لئے اپنی پرانی ویدک تہذیب کا پرچار نئے سرے سے شروع کر دیا۔ تاکہ ہندو جماعت کی ایک مخصوص تہذیب ہو۔ کوئی جماعت اُس وقت تک قوم بن سکتی ہے۔ (جیسا کہ مقالہ ۲ 'قومیت کے عناصر' میں تذکرہ کیا گیا ہے) جبکہ نسل۔ مذہب۔ زبان۔ تہذیب روایات۔ تمدن وغیرہ اس جماعت کا اپنا ہو اور وہ اسی جماعت کے لئے مخصوص ہو۔ اگر ہندو مسلمان کی مشترکہ زبان اور مشترکہ تمدن ہو تو وہ تو مشترکہ ہوا، سارے ہندوستان کا۔ یعنی ہندو مسلمان دونوں کا۔ اس لئے ہندو جماعت نہ ایک الگ قوم بنی نہ و میجارٹی اور نہ مسلمانوں کو مینارٹی کہنے کا حق پیدا ہوا۔ یہ سب جنجال ہندو کانگرس کے جگت گرو اور اس کے چیلوں نے پرکھ پرکھ کر نکالے تھے۔ تاکہ آئینی حکومت میں ہندو میجارٹی ہو اور حکومت کاملاً ہندو کے ہاتھوں میں آجائے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ ہندو جب ہندوستان میں میجارٹی بن گیا۔ تو اس میجارٹی کی مینارٹی کون سی جماعت ہوگی۔ یہ بھی ہندو جماعت کی زبانی سن لیجئے گا۔

The Indian Annual Register, 1941, Vol. I, P. 279.

متحدہ ہندو پارٹی کی تعریف مہا سبھا کی زبانی

آل انڈیا ہندو مہا سبھا اپنی ہندو پارٹی کی تعریف یوں کرتی ہے۔ " اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ ہندو مہا سبھا کے لیڈر یہ توقع نہیں رکھتے کہ قانون ساز اسمبلیوں میں مہا سبھا کی کوئی الگ پارٹی ہوگی۔ وہ یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ ایک متحدہ ہندو سنگھٹنی پارٹی ہوگی۔ اس میں سکھ سناتنی، آریا سماجی، نیشنل ہندو۔ وغیرہ سب شامل ہونگے۔ شری وی ڈی ساورکر نے اس منصوبے کو ہندو مہا سبھا کے سالانہ اجلاس میں احمد آباد۔ ناگ پور۔ کلکتہ میں ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹ میں کئی بار بیّن طور پر بیان کیا۔ ۱۹۳۷ میں احمد آباد کے سشن میں اس نے کہا۔

" ان تمام کو یہ چاہیئے کہ وہ قانون ساز اسمبلیوں میں متحدہ ہندو پارٹی بنا لیں۔ ورنشرا ما سوراجیا سنگھ۔ ہندو مہا سبھا۔ آریا سماجی شرومنی سکھ سبھا۔ ڈیموکریٹک سوراج پارٹی کی سیاسی انجمن۔ جن کا مقصد یہ ہے۔ کہ ایک مؤثر اتحاد پیدا کیا جائے اور ایسی حکومت

قائم کی جائے جو حقیقی معنوں میں ہندوستانی قومی حکومت ہو۔ اس ہندو پارٹی میں مہاسبھا، آریہ سماج، ہندو مہاسنگھ اور جیتیا سبھائیں سب شامل ہوں جنہوں نے "ہندتوا" کو اپنی اساس بنایا ہوا ہے۔ (ہندتوا سے مطلب ہندوپن) ہندوستانی قومی حکومت سے ساورکر کا مطلب ہندو قومی حکومت ہے۔ چونکہ اس میں مسلمان کے سوائے سب بڑی جماعتیں شامل ہیں۔

مسلمان ہندو کی مینارٹی ہے۔

ان سب جماعتوں نے مل کر میجارٹی بنالی۔ انہیں سکھ بھی شامل ہیں۔ تو باقی رہ گئے مسلمان اور عیسائی۔ عیسائی اتنی اقلیت میں ہیں کہ انکا ہندو کے مقابلے میں آنیکا کوئی موقع نہیں۔ اسلیئے مسلمان میدان میں رہ گیا۔ گویا میجارٹی بناکر زور لگانے کا کام مسلمانوں پر کیا جائے گا۔

شاید اب بھی آپکے دل میں کوئی شک باقی ہو۔ اس شک کو ساورکر کی ایک اور تحریر رفع کردیتی ہے۔ آل انڈیا ہندو مہاسبھا کا سالانہ اجلاس بھاگلپور میں ہوا۔ وہاں پر ۹ دسمبر ۱۹۴۱ کو مسٹر وی ڈی ساورکر نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا۔ (اگرچہ یہ خطبہ کسی وجہ سے پڑھا نہ گیا مگر چھپ گیا۔)

"بحیثیت دعی اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے مسلمان ہموطن اس بات کو سمجھ لیں کہ ان کا اپنا مفاد اسی میں ہے کہ وہ اٹل کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔ اور ہوائی بے ثبات چیزوں سے اپنا دل خوش کرنا چھوڑ دیں۔ ان کو یہ اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ مینارٹی ہیں ہیں۔ اور اب اُن کے لیئے کوئی خفیف ترین موقع بھی نہیں رہا۔ کہ وہ موجودہ ہندو میجارٹی میں کسی قابل اعتنا حد تک تخفیف پیدا کرسکیں قانون ساز اسمبلیوں یا گورنمنٹ کیبنیٹوں میں اس نسبت سے جتنا ان کو آبادی کے شمار کے لحاظ سے حق پہنچتا ہے۔ ایک زائد نشست کی بھی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ جہاں تک اسبات کا تعلق ہے کہ پنجاب اور دوسرے صوبوں کو ہندوستان سے علیحدہ کرکے ان سے پاکستان بنا لیا جائے! تو اس کے ممکن یا غیر ممکن ہونے کے متعلق انہیں یہی سمجھنا چاہیئے۔ جتنا کہ ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ وہ ایک دفعہ پھر افغانستان کو ہندوستان کے ساتھ شامل کرلیں۔ اور ہندوستان کی سرحد کو تا بہ ہندوکش، وسیع کردیں" لیجیئے معاملہ صاف ہوگیا۔ مسلمان کی انفرادی طور پر کوئی حیثیت نہیں ہندوستان کا مسلمان ہندوستان کے ہندو کا ایک جزو ہے۔ اور میجارٹی جسطرح سے چاہے گی مسلمان مینارٹی کا استعمال کرے گی۔

گویا مسلمان نہ کوئی مستقل جماعت ہے۔ اور نہ اسے اپنے حقوق مانگنے کا حق ہے۔ اسبات کا دعویٰ کانگرس نے کیا اور معاملہ صاف

کردیا۔ ۱۹۳۶ء میں فیض پور خاندیس میں کانگرس کا اجلاس ہوا۔ اس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو تھے۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا۔ "آج ہندوستان میں دو طاقتیں ہیں ایک کانگرس جو ہندوستانی قوم پرستی کی نمائندہ ہے۔ اور دوسری برطانوی طاقت ان کے علاوہ سب کو کسی ایک کے ساتھ رہنا پڑیگا۔" (محمد امین زبیری، مسلمانان ہند کی سیاست وطنی، عزیزی پریس آگرہ صفحہ ۱۵۵)

ہندو آئینی میجارٹی کس طرح کے قانون بنائے گی

ہندو کے دل میں خیال پیدا ہوگیا۔ کہ وہ میجارٹی ہے وہ ہندوستان پر آئینی قبضہ حاصل کرلے گا۔ وہ ایسے قانون بنائیگا جو ہندو جاتی کے لئے مفید ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایک قوم کا فائدہ دوسری ہمسایہ قوم کا نقصان ہے۔ جب ہندو ایسے قانون بنائے گا کہ وطن کی دولت اور وقار اس کے ہاتھ میں چلا جائے۔ تو لامحالہ مسلمان ان چیزوں سے محروم رہ جائیگا۔ جب وہ ایسے قانون بنائے گا جو ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے مطابق ہوں تو امکان ہے کہ ان میں سے بعض اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف ہوں۔ چونکہ دونوں تہذیبوں کا تضاد ہو رہا ہے۔ (مقالہ ۶ صفحہ ۵) اسکا ثبوت بھی سن لیجئے گا۔ پنڈت سیتا دیو گانبھی جی کا دست راست ہے۔ اس نے ۲۷ نومبر ۱۹۲۰ء کو متھرا میں ایک تقریر کے دوران میں کہا۔

"جب ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوگا جس قدر قوانین ہم بنا سکیں گے بنائیں گے۔ گاؤکشی کا مسئلہ ہندوستان میں اہم مسئلہ ہے۔ ہماری متواتر درخواستوں کے باوجود اس بارے میں گورنمنٹ نے کچھ نہیں کیا۔ تنہا کاٹھیاواڑ میں ہی بہت سی گائیں ذبح ہوتی ہیں۔ جب قانون سازی کی قوت ہمارے ہاتھ میں آئے گی۔ تو ہم فوراً یہ طے کردیں گے۔ کہ ہندوستان کے اندر گائے کی قربانی نہ ہو۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم دنیا بھر میں گاؤکشی روک سکتے ہیں۔ تم میں قوت ہے کہ جو چاہو کر ڈالو۔ اگر تم اپنے لیڈروں پر بھروسہ کرو تو تم ضرور ہندوستان کا راج حاصل کرلو گے۔ (زبیری۔ صفحہ ۶۰)

لیجئے۔ اسلام گائے یا بھینس یا اونٹ حلال کرنے اور ان کی قربانی دینے کی اجازت دیتا ہے۔ اور ہندو حکومت اسے حکماً بند کرتی ہے چونکہ گئو رکھشا ہندو دھرم کا ایک اصول ہے۔ اسی طرح سے وہ تمام قوانین بنالئے جائیں گے۔ جو ہندو کانگرس نے اپنی حکومت کے زمانے میں صوبوں میں بنائے۔ اذان مت دو۔ ہندو پبلک کے کانوں پر گراں گزرتی ہے۔ اور فساد کا اندیشہ ہے۔ سب لڑکے مدرسے میں سرسوتی کی مورتی کی پوجا کرو۔ چونکہ اس سے ودیا میں ترقی ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو عملی طور پر مسلمان نے ہندو مذہب اختیار کرلیا

اگرچہ وہ نام سے مسلمان ہی رہا

سارے ہندوستان میں ہندو تہذیب کو رائج کیا جائے اور اسلامی تہذیب کو خارج کر دیا جائے

یہ بات ہندو جماعت کے ذہن میں ہے کہ سارے ہندوستان میں ہندو تہذیب کو رواج دیا جائے۔ اور اسلامی تہذیب کو مسمار کر دیا جائے۔ اسکا اظہار ہندو مہاسبھا نے کئی دفعہ کیا ہے 1941; The Indian Annual Regi[illegible]er, Vol. I, pages 280-81

ہندو مہاسبھا کوئی مذہبی انجمن نہیں۔ 'ہندُتوا' یا ہندو دین جس میں آریا، سکھ، برہمو، بدھ اور جین سب شامل ہیں مذہب نہیں بلکہ قومیت ہے۔ ہندُتوا کسی خاص روحانی دین یا مذہبی نظام فلسفہ پر مبنی نہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے آنے سے پہلے تمام ہندو فرقہ دارانہ ادارے، روایات اور رسوم "ہندو" تھیں۔ چونکہ وہ ہندوستانی یا انڈین تھیں۔ اگر ایک سناتنی ہندو۔ آریا یا برہمو ہو جائے تو ہندو اسبات کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ وہ پھر تبدیلِ مذہب کر کے سناتنی ہو جائے ایک ہندو کا تبدیلِ مذہب کر کے مسلمان یا عیسائی ہونا اس لئے خطرناک نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کہ اس کے مذہبی مسلک میں تبدیلی آگئی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ ہندُتوا کو الگ کر دیتی ہے جو ایک قومیت ہے۔

ہندو قومیت، اپنے انتہائی تجزیہ میں، حقیقی ہندوستانی قومیت کا محض دوسرا نام ہے۔

ہندُتوا کے فرقہ دارانہ اور قومیت کے معنوں میں، اس ملک کے تمام عیسائی اور مسلمان، ہندو عیسائی اور ہندو مسلمان ہونے چاہیئں۔ حال ہی میں بہت سے عیسائیوں نے یہ کہدیا ہے۔ کہ مذہب کے لحاظ سے تو وہ عیسائی ہیں۔ مگر تمدن اور قومیت کے لحاظ سے وہ ہندو ہیں۔

یہ مذاہب ہندوستان کے باہر سے آئے اور اپنے ساتھ غیر ہندو (یعنی غیر ہندوستانی) تمدن اور رسوم لائے۔ ان مذاہب کے اختیار کرنے کا اثر قومیت کو توڑتا ہے۔ ہندوستان میں اور ہندوستان کی قومیت ہندُتوا ہے۔ ہندو مہاسبھا ہندو مذہب پر قائم نہیں بلکہ ہندو قومیت پر۔ اور یہ مہاسبھا مذہبی انجمن نہیں بلکہ قومی انجمن ہے۔"

مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی قومیت کی حفاظت کرے

لیجیے معاملہ صاف ہو گیا۔ اب کچھ کہنے کی ضرورت

ہی نہیں رہی۔ ہندوستان میں صرف ایک ہی قومیت ہے۔ اور وہ ہندو۔ اس اعلان کے بعد مسلمان کو پورا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی قومیت کی حفاظت کرے۔ اور تہذیب کے تحفظ میں کوشاں ہو۔ اگر اس کے بازو میں ہمت۔ دماغ میں عقل اور خزانے میں دولت ہے۔ تو وہ عملی طور پر یہ ثابت کرے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی جداگانہ اور مخصوص تہذیب ہے۔ اس جماعت میں وہ تمام عناصر موجود ہیں۔ جو قوم بناتے ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں الگ قوم قرار دینا ضروری ہے۔

قوم وہی زندہ ہے جس کی تہذیب زندہ ہے

" قوم وہ زندہ نہیں جس کے افراد زندہ ہیں۔ بلکہ وہ قوم زندہ ہے جس کی مخصوص تہذیب۔ روایات اور رسوم زندہ ہوں۔ دورِ جدید میں انگریزی تہذیب۔ تاریخ اور روایات نے ہندی مسلمان پر اس لحاظ سے نامناسب اثر ڈالا ہے۔ علامہ اقبال کا خیال ہے۔

" موجودہ نسل کا نوجوان مسلمان، قومی سیرت کے اسالیب کے لحاظ سے ایک بالکل نئے اسلوب کا حاصل ہے۔ جس کی عقلی زندگی کی تصویر کا پردہ اسلامی تہذیب کا پردہ نہیں ہے۔ حالانکہ اسلامی تہذیب کے بغیر میری رائے میں وہ صرف نیم مسلمان بلکہ اس سے بھی کچھ کم ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کی خالص دنیوی تعلیم نے اس کے مذہبی عقائد کو متزلزل نہ کیا ہو۔ اسکا دماغ مغربی خیالات کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ اور میں علی رؤس الاشہاد کہتا ہوں۔ کہ اپنی قومی روایات کے پیرایہ سے عاری ہو کر اور مغربی لٹریچر کے نشہ میں ہر وقت سرشار رہ کر اس نے اپنی قومی زندگی کے ستون کو اسلامی مرکز ثقل سے بہت پرے ہٹا دیا ہے۔ بلاخوفِ تردید میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے ایسی اعلیٰ اور قابل تقلید مثالیں اپنے افراد میں پیدا نہیں کیں جیسی ہماری قوم نے۔ لیکن بایں ہمہ ہمارے نوجوان کو جو اپنی قوم کی سوانحعمری سے بالکل نابلد ہے۔ مغربی تاریخ کے مشاہیر سے استحساناً اور استشہاداً رجوع کرنا پڑتا ہے۔ عقلی ادراک کے لحاظ سے وہ مغربی دنیا کا غلام ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکی روح اس صحیح القوام خودداری کے عنصر سے خالی ہے۔ جو اپنی قومی تاریخ اور قومی لٹریچر کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی تعلیمی جدوجہد میں اس حقیقت پر جس کا اعتراف تجربہ آج ہم سے کرا رہا ہے۔ نظر نہیں ڈالی۔ کہ اغیار کے تمدن کو بلا مشارکت احدی اپنا ہر دقیقہ کا رفیق بنائے رکھنا گویا اپنے تئیں اس تمدن کا حلقہ بگوش بنا لینا ہے۔ یہ وہ حلقہ بگوشی ہے جس کے نتائج کسی دوسرے مذہب کے دائرے میں داخل ہونے سے بڑھ کر خطرناک ہیں۔ " (ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر۔

مترجمہ ظفر علی خاں۔ اقبال اکیڈیمی لاہور صفحہ ۲۰)

غدار مسلمان

اگر کسی مسلمان کے دل میں اب بھی یہ خیال ہو کہ ہندو مہا سبھا اور ہندو کانگرس کا نقطۂ نظر درست ہے یعنی مسلمانوں کو اپنی تہذیب چھوڑ کر ہندو تہذیب اختیار کر لینی چاہیئے۔ تو ایسے مسلمان کا دل ہندو ہے۔ اور اس کا نام مسلمان۔ ایسے شخص کے لیئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنا نام بھی بدل لے تاکہ اس کا ظاہر باطن ایک ہو جائے۔ وہ عبدالرب کی بجائے ایشور داس کہلائے۔ اس کا ظاہر باطن یکساں ہونے کے بعد دنیا اسے نہ ریاکار کہے گی نہ دروغ گو۔ ایک فائدہ اس شخص کو اس تبدیلی سے اور بھی ہوگا۔ ہندو جماعت اب اس مسلمان کو ملیانٹی کا فرد قرار دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بے جا سلوک روا رکھتی ہے۔ ہندو ہو جانے کے بعد یہ دھبہ بھی دھل جائے گا۔ اور وہ آزادی سے وہی کچھ کر سکیگا جو اس کا جی چاہتا ہے۔ البتہ مسلمان جماعت کو بھی ایک فائدہ ہوگا۔ وہ یہ کہ غدار جماعت سے خارج ہو جائیں گے۔ اور مسلمان اپنی تنظیم بہتر طریق پر کر سکیں گے۔

کانگرس مہا سبھا اور دیگر ہندو اداروں کا پروگرام ایک ہے

ہندو مہا سبھا اور عہد جدید کی ہندو کانگرس دو ادارے نہیں ایک ہی ہندو جماعت کے دو گروہوں کے دو نام ہیں۔ ایک تلوار جس کے دونوں رخ پر دھار ہو۔ پروگرام کانگرس کا بھی وہی ہے جو مہا سبھا یا دیگر ہندو جماعتوں کا ہے۔ مگر کانگرس ذرا رکھ رکھاؤ سے گفتگو کرتی ہے۔ کام سب کا ایک ہے۔ کانگرس نے ان صوبوں میں کیا کیا جہاں کانگرسی وزارتیں قائم ہوئیں اس کا ذکر ہم پہلے مقالہ ۱۰۔ " کانگرسی راج کی تاریخ " میں کر آئے ہیں۔ اور کانگرس کا پروگرام بالکل وہی ہے جسکا بیان ہم نے اوپر کیا ہے۔ اس سے اب کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ ہندو کا پروگرام کیا ہے۔

ہندو کا پروگرام آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے کئی کتابوں کے پڑھنے اور کئی مضامین کی چھان پھٹک کے بعد اسکو سمجھا کہ ہندو کا آخر مدعا کیا ہے۔ اور آپ کے سامنے دلائل حوالوں اور اقتباسات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تاکہ آپ کو کوئی شبہ نہ رہے یہ نتائج میری ذاتی تحقیق پر مبنی ہیں۔ بعد میں مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اور کئی مسلمان مفکر کے بعد کچھ اسی طرح کے نتیجے پر پہنچے ہیں۔ میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی جوبلی کے موقعہ پر مسلم لیگ کا بھی اجلاس ہوا۔ اس کے صدر سر عبدالرحیم مرکزی اسمبلی کے صدر تھے۔ اس خطبۂ صدارت میں انہوں نے کہا۔

ہندو پروگرام کے متعلق دیگر مسلمانوں کے خیالات

"میں آپ کی توجہ شدھی مہاسبھا اور سنگھٹن تحریکوں کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اول الذکر کا مقصد لاکھوں مسلمانوں کو ہندو کرنا ہے۔ اور آخر الذکر کا مدعا یہ ہے کہ ہندوؤں کو مدافعت اور حفاظت کا اہل بنایا جائے۔ اور مہاسبھا ایک ایسی انجمن ہے۔ جو تمام کاروائیوں پر حاوی ہے۔ مسلمان ان تمام تحریکوں کو جو لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند جیسے راہنمایان کی سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی ہیں۔ ایک اہم ترین مذہبی چیلنج تصور کرتے ہیں۔ جو اُس عیسائی جہاد سے مہلک اور خوفناک ہے۔ جو صدیوں پیشتر ارض فلسطین میں برپا ہوا تھا۔ یہ چیلنج صرف مذہبی نہیں۔ بلکہ ایک بڑا خطرہ ہے۔ جو سیاسی میدان میں ترقی کرنے سے مانع ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ مجھے یقین ہے ہندوستان کی تاریخ میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی ہندو اور مسلمانوں میں اس قدر کشیدگی اور بدمزگی پیدا نہیں ہوئی۔ سچ ہے کہ بعض ہندو لیڈروں نے علی الاعلان مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کا ذکر کیا ہے۔ جس طریقہ سے اسپین سے مسلمان خارج کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ بقول ان کے لازم آئیگا۔ کہ مسلمان شدھ ہوکر ہندو بنیں۔ اور ان کے سیاسی پروگرام کے ہم نوا ہوں۔ ایسی حالت میں ہمیں ایرانی فلسفی کا قول یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ

"دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد"

ہم کو یہ یاد کرنا پڑے گا۔ کہ ابنائے وطن ہم سے زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔ حتیٰ کہ انگریز بھی ان کے زہریلے پروپیگنڈے سے خائف ہو چکے ہیں۔ جو ایک ایسا آلۂ حرب ہے جس کی گرم بازاری جنگ عظیم کے زمانہ میں مہلک گیس اور ہوائی جہازوں کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی۔ اور جو یورپین قومیت کی برکات میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ مسکین اور معصوم صورت حضرات برابر کام میں مشغول ہیں ان کی ایک جماعت نے خود اسلام اور اسلامی مجالس پر حملہ کرنے میں ید طولیٰ حاصل کر لیا ہے۔ دوسری جماعت تاریخ کے صفحات کو مسخ کر رہی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی جستجو میں ہے کہ اسلام سے ہندوستان کو کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اور یہ کل حضرات یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ مسلم قوم ناکارہ ہے۔ اور ایسے افراد سے مرکب ہے جو مبتذل ترین ہندوؤں کے بھی ہم پلہ نہیں ہیں۔ وہ ہمارے بہتر سے بہتر پبلک افراد کی تذلیل کرنے پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ سوائے ان چند حضرات کے جو سیاسی عقائد میں ان کے ہمنوا ہیں۔ اس تبلیغ اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا لازمی نتیجہ کیا ہے۔ فسادات اور تنازعات اور وہ حضرات رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش ہوتے ہیں

جب کوئی مسلمان غصہ سے مجبور ہو کر دیوانہ وار بدلہ لیتا ہے۔ کیونکہ ان کو ایسا زریں موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ کہ وہ مسلمان کی مذہبی دیوانگی اور مذہبی جوش و خروش کو بدنام کر سکیں۔ اس طریقہ سے ابنائے وطن نے کون سی سُرخروئی حاصل کر لی ہے۔ یہ سرخروئی صفر سے زیادہ بے وقعت اور حقیر ہے۔ انہوں نے اپنے جارحانہ طرزِ عمل سے صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمان کبھی ان کو اپنی قسمت کا فیصلہ سپرد نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہم کو مدافعت اور تحفظ کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرنا چاہیئے۔ ہم مسلمانوں کو ان مدبّروں سے نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہیئے۔ کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہندوستان محض ہندوؤں کی ملکیت ہے۔ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔"

مقالہ ۱۲

سیاسی فریب کاریاں

سیاسی پراپیگنڈے کی ترکیب

سیاسی پراپیگنڈے کا ماہر دنیا میں عجیب دماغ لے کر آتا ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں سوچتا۔ نہ ہی عام اخلاقی اصولوں پر چلتا ہے۔ وہ اپنے دلائل تلاش کر لیتا ہے اور ان کو ایسی شکل میں پیش کرتا ہے کہ سننے والا جھوٹ مان لیتا ہے۔ سیاست دان کے بیان میں ریاکاریاں بھی پنہاں ہوتی ہیں۔ غلط بیانیاں بھی۔ دلفریب فریب کاریاں تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اور پہلو دار چرب زبانیاں اس کی تربیت کا نتیجہ۔ اس لیے سیاسی پراپیگنڈا کرنے والے کا ہر لفظ صحیح نہیں ماننا چاہیئے۔ نہ ہی اسے اس شکل میں فوراً قبول کر لینا چاہیئے۔ بلکہ اس پر فکر اور غور کرنا چاہیئے۔ اس کی صحت اور سقم کی تحقیق کرنے کے بعد کوئی نتیجہ نکالنا چاہیئے۔

البتہ ایک بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیئے۔ ایک قوم یا فرقے کا لیڈر۔ بلکہ یوں کہو لیڈروں کی ایک جماعت بہت طویل عرصے تک اگر ایک بات کہتی رہے تو وہی اس قوم کے حق میں درست ہوگی۔ لیڈروں کی یہ جماعت ایسی تجاویز سوچے گی جو ان کی قوم کے لئے مفید ہوں۔ یہ ظاہر ہے۔ ورنہ نہیں تو وہ جماعت اپنی قوم کی غدار ہے۔ اور غدار بہت عرصے تک فروغ نہیں پا سکتا۔ اگر ہندو لیڈر ہیں تو وہ ہندو قوم کے مفاد اور مصلحت کی بات سوچیں گے۔ اگر مسلمان لیڈر ہیں تو مسلمانوں کی بہتری کی تجاویز پر فکر کریں گے۔ کانگرس ہندو جماعت ہے اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اس میں ہندو کی اکثریت اور زور اظہر من الشمس ہے۔ ہندو مہاسبھا اور دیگر ہندو جماعتیں تو کہتی ہی اپنی آپ کو ہندو ہیں۔ وہ کانگرس کی ریاکاری سے کام نہیں لیتیں۔ اگر کانگرس میں چند مسلمان بھی شامل ہو گئے تو وہ محض ہندو جماعت کے امدادی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کانگرس کی پالیسی ان کی شمولیت سے بدل جاتی ہے۔ بلکہ یہ کانگرس کی ہندو جماعت اپنے مفاد کیلئے ان مسلمانوں کو استعمال کرتی ہے۔ اگر مسلم لیگ ہے تو یہ ظاہر رہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کے لئے کام کرے گی چونکہ وہ مسلمان جماعت ہے۔ اور اس کے پیش نظر مسلمانوں کا مفاد ہے۔ اگر کسی مسلمان کے ذہن میں اس وقت یہ مفاد نہ بھی آئے۔

یا کسی خاص وجوہات کی بنا پر یہ مفاد اس مسلمان کو اسی وقت نظر نہ آئے تو بھی ایسے مسلمان کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔ چونکہ یہی صورت حالات اور لائحہ عمل مسلمانوں کے لئے بہترین ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔

سیاست دان اور سائنس دان کے نظریہ حیات میں فرق

سائینسدان اور سیاست دان کے نظریہ حیات میں بڑا فرق ہے۔ سائینس دان کسی خاص علم کے شعبے کے حقائق کو یلو کرتا ہے۔ ان کو تجربات کے بعد تحقیق کر لیتا ہے۔ اور پھر پبلک کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ صرف پیش کرتا ہے۔ مگر ماننے نہ ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ کہتا ہے۔ انکار ہو تو خود تجربہ سے تحقیق کر لو۔ یہ کچھ میری عقل کی اختراع نہیں بلکہ فطرت کے حقائق ہیں۔ اس کے برخلاف سیاست دان اپنی آرام کرسی میں بیٹھ کر ایک نظریہ اختراع کرتا ہے۔ جو اس کی ذات کے لئے مفید ہو یا اس کی پارٹی کا پروگرام ہو۔ پھر اس نظریہ کے حق میں جھوٹے سچے دلائل گھڑ لیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ کسی طرح یہ نظریہ صحیح ثابت کرتا ہے۔ وہ اپنے بیانات میں ریاکاری اور دروغ بافی سے کام بھی لیتا ہے۔ چونکہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ وہ دھوکہ دینے والی حجت سے کام لیتا ہے۔ جسے منطق کی اصطلاح میں "مغالطہ" کہتے ہیں۔ اس کی دلیلیں بظاہر تو کچھ اور دکھائی دیتی ہیں۔ مگر اصل میں ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ مثلاً جانوروں کی مثالیں دیتا ہے۔ گھوڑا۔ کتا۔ شیر یہ کرتا ہے۔ اس لئے انسان کو بھی یہی کرنا چاہیئے۔ انسان کوئی حیوان تھوڑے نہیں۔ جو حیوانوں کے قوانین پر چلے۔ سمندر اور بادل کی مثال دیتا ہے۔ اس کے اصول اور اخلاق اپنے ہیں۔ کبھی یورپ کی مثالیں دیتا ہے۔ کہ یورپ کی آزاد ریاستوں میں چونکہ اس طرح سے ہے اس لئے آزاد ہندوستان میں بھی یوں ہونا چاہیئے۔ یورپ کے حالات اور ہندوستان کے حالات میں زمین آسمان کا بل ہے۔ سماجی حالات۔ اخلاقی حالات۔ قومی حالات۔ ان مثالوں کو حرف بحرف صحیح مان لینا حماقت کی دلیل ہے۔ اور ہندوستان میں ایک بڑا مرض ہے۔ ہر تحریر جو ہندوستانی کے سامنے پیش کی جائے وہ اسے صحیح مان لیتا ہے۔

سیاسی فریب کاری کی پہلی مثال۔ انگریزوں کو پہلے نکالو

میں سیاسی فریب کاریوں کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں کانگرس نے ایک بہت بڑی دلیل جو مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے فضا میں چھوڑی۔ یہ تھی کہ انگریز غیر قوت ہے۔ اس کو پہلے میدان سے

خارج کر دو۔ پھر ہندوستان کا فیصلہ ہم آپس میں کر لیں گے۔ یہ تو گھر کی بات ہے۔ بہت سے مسلمانوں نے اس کو جائز اور درست اور قابل عمل لائحہ عمل مان لیا اور کانگرس میں شامل ہو گئے۔ سرحد کے پٹھان بھی اسی بنا پر کانگرس میں شامل ہو گئے۔ اصل میں شمال مغربی سرحدی صوبے میں مسلمان کا اس قدر زور ہے۔ اور ان کی میجارٹی اس درجہ نمایاں ہے کہ وہاں ہندو کے بالادست ہونے کا کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے پٹھان اس بات کو نہیں سوچ سکتا کہ جس صوبے میں ہندو میجارٹی ہو وہاں پر مسلمان کی کیا حالت ہوگی۔ سرحد اور گردو نواح میں اس معاملے پر گفتگو کرنے کا مجھے بھی موقع ملا ہے۔ جو لوگ اس وقت برسراقتدار ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم تو ہر حال میں برسراقتدار رہیں گے۔ گورنمنٹ کانگرس کی ہو یا انگریز کی۔ چونکہ حکومت بدل رہی ہے اور کانگرس کے برسرکار آنے کا خیال ہے۔ اس لئے ہم اسکے ساتھ ہیں۔ اگر کانگرس نہیں تو جو حکومت بھی قائم ہو گی ہم اسکے ساتھ ہیں۔ اس شرط پر کہ ہمارا اقتدار اور سالاری قائم رہے۔

سرحد کے مسلمانوں کی سیاسی حالت باقی ہندوستان سے مختلف ہے۔

اپنی قومیت، قوت اور حکومت پر پورے یقین کا ثبوت سرحدی مسلمانوں کے اس تاریخی واقعہ سے ملتا ہے۔ فروری ۱۹۲۸ میں حکومت برطانیہ نے سر جان سائمن کی صدارت میں ایک کمیشن ہندوستان بھیجا۔ تاکہ یہ کمیشن اس بات کی تحقیق کرے کہ ہندوستان کہاں تک سیلف گورنمنٹ کا اہل ہو چکا ہے۔ اس بنا پر ہندوستانی سیاسی فضا گرم ہو گئی۔ کئی جلسے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ ہندو مسلمان سب کی انجمنوں نے اپنے اپنے اجلاس کئے۔ آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس بھی کئی بار ہوا۔ ایک کمیٹی مئی ۱۹۲۸ میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں مقرر ہوئی تاکہ ہندوستان کے جمہوری آئین کو مرتب کرے اور پھر سب پارٹیاں اس پر بحث کریں۔ یہ مسودہ آئین اگست ۱۹۲۸ میں لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش کیا گیا اور اس پر ہر فرقے کے نمائندوں نے بڑی شدومد کے ساتھ بحث کی۔ اس اجلاس میں صوبۂ سرحد کے سیاسی آئین پر بحث ہوئی۔ مالویہ جی نے ہندوؤں کی طرف سے مطالبات پیش کئے تو سرحد کے مسلمان نمائندے نے کہا۔ آپ کے جو مطالبات ہیں ان کو آپ بند لفافے میں پیش کریں۔ چنانچہ مالویہ جی نے بند لفافہ پیش کیا۔ مسلمان نمائندے نے بغیر کھولے اور بغیر دیکھے اس پر لکھ دیا "منظور ہے"۔ خان کو اپنی قوت پر پورا بھروسہ ہے۔ کاغذی کارروائی ہندو کچھ کرلے۔ سرحد میں وہی ہو گا جو خان چاہتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ

سرحدی پٹھان ہندوستان کے مسلمان کا ایک بازو نہیں۔ خان کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑے گا
تاکہ وہ زندہ رہے اور ترقی کرے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس بند لفافے میں کیا تھا "ہندو مینارٹی کو ۵۰ فیصدی نمائندگی
حاصل ہوگی۔ دوسرے۔ دیوانی اور فوجداری کے وہ مقدمے جن میں کوئی فریق ہندو ہو۔ وہ صرف انگریز یا ہندو جج کے سامنے پیش ہونگے"
موتی لال نے اس لفافے کو پڑھا اور چاک کر دیا۔ اس سیاست دان نے صحیح سمجھا نہیں تو ان صوبوں میں جہاں مسلمان مینارٹی ہے وہ بھی
حقوق طلب کرتا۔

اس دلیل میں مغالطے

اس دلیل میں مغالطہ انگیز پہلی شق تو یہ ہے۔ کہ کیا انگریز اس آسانی کے ساتھ نکل جائیں گے
جیسا کہ اس نظریہ کی بنا پر فرض کیا جاتا ہے۔ دوسری شق یہ کہ اس کے بعد ہندو مسلمان کو آپس میں
فیصلہ کرنے کا اس طرح سے صاف موقعہ ملے گا۔ جس طرح سے یہ دلیل فرض کرتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انگریز بالادست قوت ہے۔
اور اس کے طریقے ایسے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان کو آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔ جب وہ سیاسی طاقت کا کچھ حصہ ہندوستانیوں کو
تفویض کرے گا۔ تو اسطرح سے ترتیب دیگا۔ کہ انگریز۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ پارسی وغیرہ سب اس وطن میں ہیں۔ آرام اور
چین سے رہیں اور کوئی ایک دوسرے کو برباد نہ کر سکے۔ مگر انگریز کی حکومت غیر ملکی حکومت ہے اور شاہنشاہی جس میں
جمہوریت کا امتزاج اس حد تک ہے۔ کہ دونوں میں سے کسی کو حسب منشا اور حسب ضرورت استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تو انگریز
کی حکومت اس طرف جھک جاتی ہے۔ جسطرف سے زور زیادہ پڑتا ہے۔ انگریز اپنی کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سے
"کمترین مدافعت کی لکیر" پر عمل کرتا آیا ہے۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن   مصلحت بیں و کار آساں کن

اسے اپنے راج کو قائم رکھنے کی زیادہ غرض ہے۔ اور اس کی کم غرض کہ ہندوستان میں غالب عنصر کون بنتا ہے۔ تاوقتیکہ یہ
عنصر انگریز کے ماتحت رہے۔ ہندو کے ہاتھ میں کانگرس۔ اور کانگرس کا انگریز پر دباؤ۔ اس دباؤ کے زیر اثر وہ کانگرس
کو مراعات دینا چاہتا ہے۔ جب سیاسی اقتدار ہندوستانی کو ملے گا۔ تو چونکہ کانگرس کی متحدہ پارٹی ہی سب کچھ ہے اسلئے
یہ اقتدار عملی طور پر ہندو کو ملے گا۔ انگریز کہے گا میں اب کیا کروں۔ میرا کیا قصور۔ یہ سب کچھ تمہارے کہنے کے مطابق ہوا۔ تمہاری

منشا یہی تھی۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں ؎

خود کردہ را علاجے نیست

ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم ہوگی۔ اور اس کی بنا دوٹوں پر منحصر ہوگی۔ ہندو جب صوبوں اور مرکز میں اپنی اکثریت قائم کرے گا۔ حکومت اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ تو مسلمان کیا کر سکے گا۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ ایسا ہی اقتدار کے منتقل ہونے سے پہلے تمام معاملہ صاف کر لیا جائے۔ اور جو بات جھگڑے کے ساتھ بعد میں طے ہونی ہے وہ پہلے ہی کر لی جائے۔

جس کے ہاتھ میں حکومت ہوتی ہے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے

جس جماعت کے ہاتھ میں حکومت ہوتی ہے۔ ان کے قبضہ میں ایسی مشینری موجود ہوتی ہے جس کے زور پر وہ ایسے امور کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ جو بظاہر محالات سے معلوم ہوتی ہیں۔ قانون کا بنانا اور کسی خاص ضرورت کے لئے بنانا۔ ان کے ہاتھ میں اس قانون کو چلانا اور بزور نافذ کرنا ان کے ہاتھ میں، پولیس، فوج، عدالتیں، سب ان کے حکم پر کام کرتی ہیں۔ اگر ان ماتحت افسروں میں سے چند یا بعض حکومت کی پالیسی کے خلاف بھی ہوں تو اول تو وہ افسروں کے حکم سے سر نہیں پھیر سکتے۔ اگر کہیں حکم سے روگردانی کرتے ہیں یا بدعنوانی دکھاتے ہیں۔ تو حکومت اور رزق دونوں ہاتھ سے جاتے ہیں۔ اس لئے پابدست دگرے، دست بدست دگرے۔ ماتحت افسر ناک کی سیدھ میں چلا جاتا ہے۔ وہی پالیسی اسے اختیار کرنا پڑتی ہے۔ جو حکومت کی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی ذاتی ہمدردیاں اس پالیسی سے مختلف ہوں۔ ایک حد تک یہی درست ہے کہ انفرادی طور پر کسی افسر کی بُرائی کرنا لاحاصل ہوتا ہے۔ چونکہ وہ تو ایک مشین کا پرزہ ہے۔ اور جس طرح سے مشین چلتی ہے اسے چلنا پڑتا ہے۔ تمام حکومتیں ذمہ دار عہدے جن پر نظم ونسق کا انحصار ہے۔ ہمیشہ اپنے آدمیوں کو دیتی ہیں۔ وہ آدمی جو اپنے آپ کو حکومت کا ایک رکن سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے کاملاً اس پالیسی پر چلتے ہیں۔ جو حکومت کی پالیسی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ہی پالیسی کو بناتے ہیں۔

Theory of Specialisation of functional productive activity.

دوسری مثال۔ نظریۂ اختصاص

نظریۂ اختصاص یا مخصوص پیداداری فاعلیت کا نظریہ۔

یورپ میں، ملوکیت۔ شاہنشاہی اور کالونیز پر حکومت، نظامِ کارخانہ داری کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ گویا یہ اس درخت کا پھل تھا۔ اس کے بعد سے یورپ نے ہر ممکن تدبیر اختیار کی کہ تمام دنیا کے کارخانے یورپ کے ہاتھ میں رہیں۔ یعنی یا تو سوائے اروپائی ممالک کے کہیں دنیا میں کارخانہ ہی نہ ہو۔ اگر ہو تو وہ اروپائی سرمایہ سے ہو اور وہاں یورپ کے متخصص کام کرتے ہوں۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت سی ترکیبیں ایجاد کی گئیں۔ ان میں سے ایک نظریۂ اختصاص ہے۔ اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر ملک کے قومی ذرائع وہاں کی قدرتی پیداوار پر منحصر ہیں۔ کسی ملک میں کارخانے بنانے کے لئے صدیوں کے تربیت یافتہ کاریگروں کی ضرورت ہے۔ اور یہ صرف یورپ میں ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کئی نسلوں کے تجربہ سے تجارت کا صحیح طریقہ انسان کی سمجھ میں آتا ہے۔ اور یہ صرف یورپ کو یاد ہے۔ تجارت اور کارخانوں کے لئے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ جو یورپ کے سوا اور کہیں میسر نہیں آتا۔ بین الاقوامی تجارت کے لئے ضروری ہے۔ کہ بہت بڑے سمندری جہازوں کے بیڑے کے ساتھ بحری جنگی بیڑہ بھی موجود ہو اور قوم کی زبردست فوج بھی ہو تاکہ ان معاہدوں کو جو دو قوموں کے مابین کئے جائیں توڑنے والے کو مناسب سزا دی جاسکے۔ یورپ نے علمی اعلان کر دیا۔ کہ ہر قوم صرف اپنی قدرتی پیداوار کے مطابق ترقی کر سکتی ہے۔ اصول یہ بنایا۔ دنیا کے بعض ممالک قدرتی طور پر زراعتی ملک ہیں۔ چونکہ قدرت نے ان کو ایسا بنایا ہے۔ اور بعض دیگر ممالک (یورپ کے) قدرت نے آب و ہوا اور پیداوار کی بنا پر ایسے بنائے ہیں جو کارخانہ دار ممالک ہیں۔ اور پھر انسان کی فراست اور محنت نے ان کو کامل کارخانہ دار بنا دیا ہے اس لئے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ سفید یورپ کے آزاد ممالک کارخانہ دار ملک قرار پائے۔ اور محکوم ممالک جہاں رنگین قومیں آباد ہیں۔ زراعتی ملک قرار پائے۔ ان محکوم زراعتی ممالک کی زندگی کا مقصد یہی قرار دیا۔ کہ وہ خام اجناس اور خام پیداوار یورپ کے صنعتی ممالک کو مہیا کرتے رہیں۔ وہاں سے مصنوعات تیار کر کے واپس محکوم ممالک کو بھیجی جاتی ہیں۔ یورپ امیر کا امیر رہتا ہے۔ اور یہ محکوم ممالک غریب کے غریب۔ دلیل یہ دی جاتی ہے۔ کہ خام پیداوار کے عوض میں صنعتی پیداوار حاصل کرنا کوئی برا سودا نہیں۔ اور اس طرح سے غیر مہذب زراعتی ملک مہذب ہو جائیں گے۔ یورپ بڑے خروش کے ساتھ پکارتا ہے۔ کہ انسانیت اور بنی نوع آدم کی بہبودی اور بہتری اسی انتظام میں ہے۔ اس طرح سے یورپ نے ان تمام ممالک کا جو منطقہ حارہ پر واقع ہیں خون نچوڑ لیا۔ اور ان غریبوں کو بے جان کر دیا۔ اس طرح سے یورپ اپنی ملوکیت برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ فرمائیے یہ نظریہ کون

سی حدیث کا حرف ہے مگر اپنی شاہنشاہی قائم رکھنے کے لیے یورپ کے فاضلوں نے گھڑ لیا ہے۔ ہر ملک کارخانہ دار بن سکتا ہے لیکن جب اسباب کا موقعہ نہ دیا جائے۔ تو کارخانہ داری کے فروغ کا موقعہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہندوستانی کی قابلیت موجود ہے مواقع موجود نہیں۔

اگر ہندوستان میں اکھنڈ بھارت قائم ہو جائے تو یقین جانو کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت بھی ہندوستان کو دو قسم کے رقبول میں تقسیم کرے گی۔ کارخندار صوبے وہ ہونگے جہاں ہندو اکثریت ہے۔ بمبئی۔ گجرات۔ مدراس وغیرہ۔ زراعتی صوبے وہ ہوں گے جہاں مسلمان اکثریت ہے۔ پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ کشمیر وغیرہ

فریب کاری کا ایک اور طریقہ۔ حکومت کرنے والے اداروں کی پارٹیاں

جمہوریت کے کاروبار کیلئے حکومت کرنیوالے ادارے بنائے جاتے ہیں۔ اس کا نام پارلیمنٹ رکھو۔ امریکن کانگرس رکھو یا اسمبلی۔ اس اسمبلی کے ممبر ملک کے نمائندے ہوتے ہیں۔ جو ووٹوں سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ فرض کیجئے اسمبلی میں سو نمائندے ہیں۔ پچیس پچیس نمائندے مل کر ایک پارٹی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح سے تمام اسمبلی کی تین چار پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام قدامت پسند پارٹی رکھ لو۔ دوسری کا نام ترقی پسند پارٹی۔ تیسری کا نام متحدہ پارٹی چوتھی کا نام صلح جو پارٹی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ہیں تو ایک ہی ملک کی پارٹیاں اور ایک ہی ملک کے باشندے اور سب اپنے ملک۔ ملت اور حکومت کی فلاح اور بہبودی چاہتے ہیں۔ صرف ہر ایک نے اپنے لئے الگ الگ راستے نکالے ہوئے ہیں۔ کام سب کا ایک ہے۔ فرض کرو ایک پارٹی یعنی ترقی پسند پارٹی کسی خاص زمانے میں برسر اقتدار ہے۔ جب کام بگڑتا نظر آتا ہے۔ تو اس پارٹی کی حکومت توڑ دی جاتی ہے۔ اور دوسری پارٹی فرض کرو کہ قدامت پسند پارٹی برسر اقتدار آجاتی ہے۔ اس سے تمام پالیسی بدل جاتی ہے۔ حکومت کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ پرانے خیالات۔ وعدے۔ اور قول و قرار سب بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور برسر اقتدار پارٹی جس طرح سے اسکی سمجھ میں آتا ہے کرتی ہے۔ اگر ایک پارٹی زبانی زبانی یا نیم تحریری وعدہ بھی کر لیتی ہے۔ تو دوسری پارٹی اس کا پورے طور پر ایفا نہیں کرتی۔ اس لئے عقلمندی اسی میں ہے کہ انسان وعدوں میں زندگی برباد نہ کرے۔ بلکہ خود قوت اپنے ہاتھ میں لے۔ اور جو اس کے لئے بہترین ہو وہ کرے۔

یورپ کا مذہب ملوکیت ہے

یورپ کی تجدید فراست پندرھویں صدی میں ہوئی۔ اور وہاں نئے خیالات پیدا ہو گئے۔ یورپ نے اٹھارھویں صدی میں کارخانے قائم کئے اور ساری دنیا پر اپنا راج قائم کر لیا۔ یورپ کے مذہبی، سیاسی، سماجی نظریوں میں انقلاب واقع ہو گیا۔ یورپ کی اقوام پرستشاہی، حکومت اور ملوکیت کا جنون سوار ہو گیا۔ اپنی سلطنت اور اقتدار کو وسیع کرنے کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار ہو گئے۔ حتیٰ کہ مذہب، روحانی قوت اور مادی سوخ سب کچھ اس کام میں استعمال کر دیا۔ یورپ کا نظریہ حیات بالکل بدل گیا۔ ان کے پیش نظر اب صرف ایک ہی مقصد رہ گیا ہے۔ اور وہ حکومت، دولت، اقتدار۔ ان کو حاصل کرنے کے لئے کوئی واسطہ کوئی ذریعہ کوئی طریقہ استعمال کیا جائے۔ سب کچھ جائز ہے۔ رنگا دلی کا پرنس پرنسپے گویا یورپ کا مذہب ملوکیت بن گیا۔ جب ان کا تنہا نصب العین ملوکیت ٹھہرا تو باقی کی تمام انسانی قوتیں اس جذبے کے تابع ہو گئیں۔ ان کا مذہب عیسائیت ہو مگر اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ ملوکیت کے اقتدار کے لئے۔ سائنس، علم رسوخ سب اس کام کے لئے برتے جاتے ہیں کہ ملوکیت قائم رہے۔ یورپ کی عیسائی اقوام بقول ان کے غیر مہذب ممالک میں خیراتی ہسپتال یا مدرسے کھولتی ہیں۔ ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہاں جگہ بنائی جائے۔ لوگوں کے دلوں میں رسوخ پیدا کیا جائے۔ حکمران سے مراعات حاصل کی جائیں۔ اقتصادی طور پر حکمرانی حاصل کی جائے۔ اور اگر موقع میسر آئے تو سیاسی طور پر حکمران ہو جائیں۔ پادری۔ ڈاکٹر۔ پروفیسر۔ مذہبی پیشوا۔ فاضل۔ مصنف۔ سب اسی کام میں شامل ہیں۔ نام الگ۔ اور کام الگ الگ شعبوں میں کرتے ہیں۔ مگر مقصد سب کا ایک ہے۔ ملوکیت قائم رہے۔

یورپ کی کوئی قوم جہاں کہیں سلطنت جمائے گی۔ وہ اسی نظریہ کو پیش نظر رکھے گی۔ اگر یورپ کے اصولوں پر چلنے والی کوئی قوم مثلاً ہندوستان کی ہندو جاتی حکومت کرے گی۔ تو وہ بھی انہیں اصولوں کے پیش نظر رکھے گی۔ اس لئے ہندو حکومت کے ماتحت مسلمان کا حال بحیثیت مسلمان ہونے کے ابتلا ہو جائے گا۔

یورپ کا اصول حکمرانی

اروپائی اقوام کا حکمرانی کا اصول

بلیاں دو ایک روٹی ۔ لڑ پڑیں تقسیم پر   کوئی بھی تیار ہوتی ہی نہ تھی۔ تسلیم پر

پا کے موقع ایک بندر نے کہا، آکر جناب — اس ترازو سے اجازت ہو۔ تو میں کردوں حساب
رکھّے دو پلڑوں میں ٹکڑے اور سر خم کر لیا — جس طرف بھاری ہوا۔ کھا کر اسے کم کر لیا
دونوں ٹکڑے کھا گیا۔ باقی رہے خالی ظروف — رہ گئے مُنہ دیکھتے۔ دو لڑنے والے بیوقوف

اسطرح قوموں کو یورپ، روٹیوں کی آڑ میں — گھیر کر لاتا ہے بندوقوں کی سیدھی باڑ میں
دو دھڑے کرتا ہے۔ دے کر دم دلاسا خوشگوار — پھر کراتا ہے لڑائی۔ اور خود دونوں کا یار
پہلے مُنصف، پھر شیرکار۔ اور پھر حکمران — حرف پہلو دار اور حکمت کو رکھتا ہے جوان
اس کی حکمت کاٹ کرتی ہے سوا شمشیر سے — روح انساں اور وطن کھاتا ہے اس تدبیر سے
ڈاکٹر، تاجر، ملازم حرف دائم جن کا ٹھیک — پادری میمیں[1] مُعلّم۔ سب چڑھائی میں شریک
اس کی توپیں۔ اور تجویزیں بلاشک زوردار — کون کرتا ہے دگرنہ، خود غلامی اختیار
دخل دینے کیلئے، لیکن بہانہ چاہیئے۔ — پالیسی بازی میں، مطلب کا زمانہ چاہیئے
زور اور دھوکا ہے رن میں کامرانی کا اصول — تفرقے پیدا کرو۔ ہے حکمرانی کا اصول

حُسن میں کالے نے گورے کا نہ پہچانا مزاج
چھا گیا، اس طرح سے دنیا پہ افرنگی کا راج

ناموس

سیاسی فریب کاری کی تیسری مثال 'سیاست کو مذہب سے پاک رکھو'

کانگرس اور اس کے ملحقات کا سیاسی نعرہ ہے۔

سیاست کو مذہب سے پاک رکھو، اسی صورت میں ہندوستان سیاسی ترقی کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے۔ تم اپنی مسجدوں۔ نماز۔ روزے۔ پہ زور نہ دو۔ ان کو بطرف کردو۔ سیاسی حقوق پہ زور دو۔ ہندو مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان دونوں کو مل کر انگریز کے خلاف کام کرنا چاہیئے۔

[1] میم کی جمع

اب ذرا حقیقت ملاحظہ فرمایئے. مسلمان کو مینارٹی اس بنا پر بنایا گیا. کہ وہ مسلمان ہے. چونکہ اس کا مذہب مختلف ہے تو جب یہی اساس ہے. اس کے مینارٹی شمار کئے جانے کا تو وہ اپنے مذہب کو کسطرح سے ترک کر دے. یہی چیز جو اس کو مینارٹی بناتی ہے. وہ ہر وقت اس کے پیش نظر رہے گی. مسلمانوں کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اپنے مذہب. تہذیب. رسم الخط پر زیادہ زور مت دو بلکہ مشترکہ ہندوستان بناؤ. جس میں ہندو مسلمان کی یہ سب باتیں مشترکہ ہوں. مگر ہندو خود کیا کر رہا ہے. ویدوں کے عہد کے مرے ہوئے مُردے اکھاڑ رہا ہے. ان کو نیا لباس پہناتا ہے. اور ان کو زندہ ہوستی بنا کر علم کے بازاروں اور سیاست کے اکھاڑوں میں کھینچ دیتا ہے. آریا تہذیب پر زور دیا جاتا ہے. ہندی پر جو سنسکرت پر مبنی ہو زور دیا جاتا ہے. ان قصے کہانیوں پر جو کبھی ہندوستان میں وقوع پذیر ہوئیں نہ ہوئیں. عہد قدیم کی تاریخ اتنے قلیل مواد سے تعمیر کی گئی ہے. کہ اس میں سچ کی نسبت جھوٹ زیادہ ہے. یہ سب ۱۹۰۵ کے بعد کی کاروائی ہے. اس علمی کام میں حقیقت کی نسبت پروپیگنڈا زیادہ ہے. تو مقصد یہ ہوا کہ مسلمان کو اپنی تہذیب اور مذہب سے علیحدہ کر دیا جائے. اور اس پر ہندو تہذیب مسلط کر دی جائے. ہندو کو اپنے مذہب کی زیادہ پرواہ تو ہے نہیں. اور وہ عملی طور پر اس کو چھوڑ چکا ہے. چونکہ اس میں کچھ ہے ہی نہیں. جس کو قائم رکھا جائے. ہندو مذہب اب ایک سماج ہے. سوشل سسٹم. مذہبی نظام نہیں ہے. اس کے برخلاف اسلام انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہے. اور اس کو عمدہ زندگی گذارنے کی راہ بتاتا ہے. گویا اسلام شریعت ہے. قانون بھی. اور روحانی رہنما بھی. اس لئے مسلمان کسطرح سے اسلام کو چھوڑ سکتا ہے. اس سے ہندو جماعت کو ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے. کہ غیر ہندوستانی مسلمانوں سے ہندی مسلمانوں کا واسطہ چھوٹ جاتا ہے اور ہندوستانی مسلمان، ہندو کے پورے طور پر ماتحت ہو جاتے ہیں.

سیاسی فریب کاری کی چوتھی مثال۔ کانگرس صرف ضروریات ملکی سے تعلق رکھتی ہے حسین احمد کی زبانی

مولانا حسین احمد دارالعلوم دیوبند کے صدر ہیں. اور دیوبند ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی مذہبی درسگاہ ہے مگر کسی وجہ سے حسین احمد ہندو کانگرس کے ہمنوا اور شیر کار ہیں. ایک رسالہ ان کی قلم سے نکلا ہے. "متحدہ قومیت اور اسلام" ناشر مجلس قاسم المعارف دیوبند. قیمت ۸ر صفحہ ۵۷ پر لکھا ہے. (یہ رسالہ ۱۹۳۲ کے حدود میں نشر ہوا)

"خود کانگریس بھی جس متحدہ قومیّت کو ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں چاہتی جس سے اہلِ ہند کے مذاہب یا ان کے کلچر و تہذیب اور پرسنل لا پر کسی قسم کا ضرر رساں اثر پڑے۔ وہ فقط انہی امور کو درست کرنا اور سلجھانا چاہتی ہے۔ جو کہ مشترک مفاد اور ضروریاتِ ملکیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کو پردیسی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے کر عام باشندگانِ ہند کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ عموماً یہ امور وہی ہیں جو کہ ٹاؤن ایریا۔ نوٹیفائڈ ایریا۔ میونسپل بورڈوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ کونسلوں۔ اسمبلیوں وغیرہ میں داخلی اور خارجی حیثیات سے طے کئے جاتے ہیں۔ ان میں کسی قوم یا مذہب کا دوسری قوم یا مذہب میں جذب ہو جانا ملحوظ نظر نہیں ہے۔

کانگرس نے اسبات کا انتظام کیا کہ دیوبند کی سب سے بڑی اسلامی مذہبی درسگاہ کے پرنسپل، اس طرح کے خیالات کا اظہار کریں۔ یہ انتظام کسی ترکیب سے کیا گیا ہو۔ اس سے ہمیں بحث نہیں مگر یہ بیّن ہے کہ حسین احمد کو ایسے سانچے میں ڈھالا گیا۔ کہ ہمکا قلم یہ الفاظ لکھے۔ اس پر افتخار کرے اور اصرار کرے۔ مجھے اسبات کا حق پہنچتا ہے کہ میں حسین احمد کے خلاف بہت شدید الفاظ استعمال کرتا۔ اور اتنے بڑے ذمہ دار عہدے پر فائز ہوتے ہوئے دین اسلام میں خیانت مجرمانہ کا مرتکب قرار دیتا۔ چونکہ اس کا صاف ثبوت حسین احمد کے اپنے الفاظ میں موجود ہے۔ اب فیصلہ آپ خود صادر فرمایئے۔

حسین احمد نے ایک خط مولانا شوکت علی کو ستمبر ۱۹۲۸ میں لکھا (رزبیری۔ مسلمانانِ ہند کی سیاست وطنی صفحہ ۹۹) جس کا ایک حصّہ حسب ذیل ہے۔

"۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آنجناب کی توجہ ایک خاص طریقہ پر مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آزادی کامل ہمارا مذہبی سیاسی۔ وطنی۔ نصب العین ہے۔ اور ہر حیثیت سے ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہم اپنے مذہب و قوم کو ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ آزادی کو بذہب اور قوم کی وجہ سے ڈھونڈتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ مذہب برباد ہو جائے۔ اور مسلمان فنا ہو جائیں تو ایسی آزادی سے کیا فائدہ ہے۔

چونکہ مسلمان ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ اور ہندو اکثریت میں اور ان کی اکثریت بھی غیر معمولی ہے۔ اور تین اور ایک کی نسبت ہے۔ اور ان کی یہ حالت ہے کہ آج تک ڈاکٹر مونجے بھی فرما رہے ہیں کہ۔

ہر زمین کسی مسلمان یا کسی فرقہ کی سرزمین نہیں ہے۔ یہاں جو راج قائم ہوگا۔ وہ ہندو راج ہوگا۔ مجھے کئی کروڑ ہندو رضا کاروں کی ضرورت ہے۔" (دیکھو خطبۂ صدارت ڈاکٹر مونجے در سندھ)

جو مظالم آئے دن دفاتر میں۔ شہروں میں اور ریاستوں میں کئے جا رہے ہیں۔ اور جس تعصب اور عدم رواداری کا ثبوت حسب تصریح جناب "ہندو دیوتا" گاندھی جی اور نہرو صاحب نے دیا ہے۔ ان کی بنا پر ہم کسی طرح بھی اپنے ابنائے وطن کے ساتھ متحدہ قومیت کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ بلاشبہ متحدہ قومیت عمدہ اور اعلیٰ چیز ہے۔ اور حصولِ آزادی کے لئے کارآمد نسخہ ہے۔ مگر افسوس کہ ہندوانی اکثریت نہایت تنگ دل ہے۔ اور پھر ہم سے بدرجہا بہتر منظم اور تعلیم یافتہ ہے۔ تعصب اسمیں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ پھر اقلیتیں، بالخصوص مسلم اقلیت کس طرح مطمئن ہو سکتی ہے۔

متحدہ قومیت کے راگ الاپے گئے۔ مسلمانوں کو اس طرف کھینچا گیا۔ مگر ابنائے وطن نے کوئی بھی ثبوت رواداری اور متحدہ قومیت کا دیا ہے؟" . . . .

ان دونوں تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۸ اور ۱۹۳۳ کے درمیانی عرصہ میں مالدار اور بارسوخ کانگرس نے حسین احمد کے دل۔ دماغ اور قلم کو خرید لیا ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ حسین احمد کے خاکی بدن کا حصّہ ہوں مگر وہ حقیقتاً کانگرس کی ملکیت ہیں۔ یہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں (مقالہ ۱۰۔ کانگرسی راج کی تاریخ' صفحہ ۱۲۹) کہ ہندو وزارتوں نے صوبوں میں مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب کو کسطرح سے مٹا دینے کی کوشش کی۔

اب فرمایئے یہ کہنا کہ "کسی قوم یا مذہب کا دوسری قوم یا مذہب میں جذب ہو جانا ملحوظ نظر نہیں ہے"۔ سیاسی فریب ہے یا نہیں۔

اکھنڈ بھارت کا فریب

ہندوستان کی ہر زمین میں کسی زمانے میں بھی زندگی کے کسی شعبے میں وحدت پیدا نہیں ہوئی۔ سیاسی۔ سماجی۔ تمدنی۔ لسانی ہر شعبے میں کئی متقدر جماعتیں ہندوستان میں موجود تھیں۔ اور ان سب میں کم و بیش اختلاف تھا۔ قدیم ترین تاریخ سے لیکر آج تک جو کچھ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مرکزیت کی مشکلات کے متعلق رشبروک ویمز کی رائے سُنئے۔ (ہندوستان۔ رسالہ صفحہ ۱۱)۔ تاریخ کے

مطالعہ سے ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ہندوستان میں کبھی بھی کوئی حکومت ایسی نہیں تھی جس نے کسی ایک واحد مرکز (دارالخلافہ) سے حکمرانی کی ہو۔ کسی اور حکمران کی نسبت انگریز لوگ اس مقصد کے زیادہ قریب رہے ہیں۔ لیکن آج بھی وہ مرکزیت کے نصب العین کو پورے طور پر حاصل نہیں کر سکے۔ جب کہ حکومتِ ہند ملک کے ۲/۳ سے بھی کم حصے پر حکمران ہے۔ اور باقی حصوں میں جدا جدا راجہ اور نواب حاکم ہیں۔ جنہیں انگریز انڈین پرنسز (ہندوستانی شہزادے) کہتے ہیں۔

ان حکومتوں کو تمام ملک کا بلاواسطہ انتظام کرنے میں، کس چیز نے روکے رکھا ہے؟ یہ ایک ضروری سوال ہے! کیونکہ اگر وہ قوتیں جو ایک واحد سول (دیوانی) حکومت کی صورت اختیار کرنے میں ہندوستان کی نشو ونما کو خراب کرتی رہیں۔ اب بھی اپنا عمل کر رہی ہیں۔ تو وہ مشکلات بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ جو ہندوستان کو برطانوی جمہوریت کے ایک خود اختیاری حکومت کرنے والے رکن کی حیثیت سے As a self-governing member درجۂ نوآبادیات Dominion Status حاصل کرنے میں درپیش ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہ مشکلات ناقابل حل ہی ثابت ہوں لیکن مذکورہ بالا سوال کا بالتفصیل جواب دینے کے لئے بہت سے صفحے درکار ہیں۔ اس مختصر سی کتاب میں اس کی گنجائش نہیں، اتنا بتا دینا کافی ہوگا۔ کہ گذشتہ زمانے میں مرکزی حکومت مقامی جذباتِ حب الوطنی کے باعث ناکام رہی۔ ان جذبات کی بنا تاریخی حالات کی وجہ سے قومی، تہذیبی اور زبانوں کے اختلافات پر قائم رہی ہے۔"

(صفحہ ۱۲) "اگرچہ عہد حاضر کے مسائل پر گذشتہ زمانے کا بلاواسطہ اثر، اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ تاہم ہندوستان کا ماضی، اس کے زمانۂ حال کے لئے قیمتی اسباق سے بھرا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر یہ امر عیاں ہے۔ کہ اب یہاں کسی واحد متحد قوم کا بننا ایک مشکل امر ہے۔ مختلف قومیں اور نسلیں جنہیں سماجی نظام نے محنت سے محفوظ رکھا ہے۔ اپنے مختلف رسم ورواج کی وجہ سے عرصہ دراز سے علیحدہ اور اپنی ہستی میں مگن رہی ہیں۔ اس لئے مستقبل کے کسی سماجی اجتماع میں ان مختلف عناصر کے لئے الگ الگ جگہ مہیا کرنا لازمی ہو گیا ہے۔ پس اگر ہندوستان کو کوئی سیاسی وحدت حاصل کرنی ہے تو اسے قومی اختلافات کے حسب حال کوئی صورت اختیار کرنی ہوگی۔ چنانچہ ۱۹۳۵ کے حکومت ہند کے قانون کے مطابق، حکومت کے لئے وفاقی (فیڈرل) اصول کو حق بجانب تسلیم کر لینے کی یہی سب سے بڑی اور اہم دلیل ہے۔"

اکھنڈ بھارت کا نعرہ پہلے ہندو کانگرس اور اس کے بعد ہندو مہا سبھا نے بلند کیا۔ اس کے لئے بہت سی دلیلیں پیش کی گئیں۔ ان میں کیمیاگری، ملمع کاری اور چرب زبانی کو بہت دخل تھا۔ حقیقت تو آپ مشہور پروفیسر شبروک ولیمز کی زبانی سن چکے ہیں۔ اب اس حقیقت پر چاہے جس رنگ کا غلاف چڑھا لو۔ ہندوستان کے اتحاد۔ اور مختلف شعبوں میں وحدت کی بہت سی دلیلیں پیش کی گئیں۔ غرض یہ تھی کہ ہندوستان میں ایک مرکزی جمہوریت قائم ہو جائے۔ جمہوری اصولوں کی رو سے اس میں ہندو کی اکثریت ہوگی اور ہندو سارے ہندوستان پر راج کرے گا۔ اس کے لئے سیاسی پراپگنڈا کے ماہر نے دلیلیں اپنے کارخانۂ فریب کاری میں گھڑ لیں۔ ہندو میں اس کو بڑا فائدہ ہے۔ وہ آقا اور مسلمان غلام۔ ۲۵ فیصدی آبادی تو یہ اچھوت جماعت ہوئی۔ باقی ہریجن پارسی اور دیگر اقوام جاتی ہندوؤں میں سے بھی پنڈت اور ایک مخصوص حلقہ ہے جو برسر اقتدار ہوتا۔ ساری حکومت اور قوت اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں ہوتی جنہوں نے اکھنڈ بھارت کا ڈھونگ رچایا۔ اور ساری ہندو جاتی کو اپنے ساتھ ہم نوا کر لیا چونکہ تمام جاتی کا اسمیں فائدہ ہے کہ وہ حکمران جماعت ہو۔

اب مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے دیکھو تو اکھنڈ بھارت کا قیام ان کی جماعت کے لئے سیاسی موت ہے مسلمان منیارٹی بن کر (جیسا کہ مقالہ ۱۴۔ اکھنڈ بھارت میں مسلمان منیارٹی کی حالت میں بیان کیا گیا ہے) غلامی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور قانون اس کی کوئی امداد نہیں کرتا۔ چونکہ منیارٹی کے مسلمہ قوانین کی رو سے، مجارٹی کو منارٹی کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہیئے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو منارٹی بن کر ہندوستانی مسلمان، یا تو مسلمان نہیں رہتا۔ وہ تہذیبی تمدنی اخلاقی طور پر ہندو ہو جاتا ہے۔ اور علامہ اقبال کے الفاظ میں (صفحہ ۱۸۱) "یہ وہ حلقہ بگوشی ہے جس کے نتائج کسی دوسرے مذہب کے دائرہ میں داخل ہونے سے بڑھ کر خطرناک ہیں"۔ یا ہندو جماعت اور مسلمان جماعت کا آپس میں مخالف ہو کر بُرے نتائج پیدا کرنا ظاہر ہے۔ اور چونکہ ہندوستان کی مسلمان جماعت تعداد، ہمت اور اسباب کے لحاظ سے مقتدر جماعت ہے۔ اور اس میں اپنی قومیت کے علیٰحدہ ہونے کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب مسلمان جماعت کا ہندو میجارٹی میں مدغم ہو جانا ناممکن ہے۔ بعد میں جو تصادم ہوگا اس کے امکانات کو برطرف کرنے کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ ہندوستان کی مختلف قومیں اپنی اپنی جمہوریتیں قائم کر لیں اور ایک متحدہ ہندوستان (جو رقبے میں بہت چھوٹا ہو) بیرونی معاملات اور آپس کے تنازعات کے لئے قائم کر لیا جائے۔ متحدہ ہندوستان سیاسی حکومت نہیں ہوگی۔ بلکہ انتظامی حکومت۔

یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں۔ (مقالہ ۶ ہندو تہذیب اور مسلم تہذیب میں اختلاف) کہ ہندوستان میں قومیت کے عناصر موجود ہیں۔ تہذیبی اختلاف کے علاوہ اور بہت سے اختلاف ہیں۔ جن کا تذکرہ ہم نے مقالہ ۷ (تہذیبی اختلاف کے علاوہ دیگر اختلافات) میں کیا ہے ایک بات جو ہندو پارٹی اپنے حق میں بیان کرتی ہے۔ وہ ہندوستان کی جغرافی وحدت ہے یعنی یہ کہ ہندوستان کا برِ اعظم جغرافیہ کے لحاظ سے ایک خطہ ہے۔ جنوب میں سمندر۔ شمال میں پہاڑ۔ اس کے متعلق بھی اب سن لیجئے گا۔ آئرلینڈ میں دو جماعتیں ہیں۔ ان میں مذہبی اختلاف ہے۔ السٹر (جو اب آزاد حکومت ہے) کا مذہب رومن کیتھولک ہے۔ مگر عیسائی۔ اور باقی آئرلینڈ کا پراٹسٹنٹ ہے! وہ بھی عیسائی۔ آئرلینڈ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ مگر اب وہاں آزاد آئرلینڈ کی حکومت السٹر میں موجود ہے۔ اسی طرح سے جزیرہ نمائے سلائے بیریا میں سپین اور پرتگال متحدہ حکومت نہ بنا سکے۔ ناروے اور سویڈن دونوں سیاسی طور پر متحدہ نہ ہو سکے۔ شمالی امریکہ جغرافی طور پر ایک اکائی ہے۔ اور اسی طرح سے جنوبی امریکہ۔ مگر ان دونوں میں بہت سی آزاد ریاستیں موجود ہیں۔

یہ بات حیرت انگیز ہے (دیکھئے مقالہ ۳۲۔ آزاد ملک اور آزاد ملت ہونے کی حیثیت سے پاکستان کا مطالعہ) کہ انسانوں کی اتنی بڑی جماعت کو جن کا اپنا مخصوص تمدن ہے۔ جن کی تہذیب نے دنیا کی ترقی میں اتنا حصہ لیا ہے جنہوں نے ہندوستان کو نئی زندگی دی ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۲) جنہوں نے ہندوستان میں انہیں ہندوؤں پر کئی سو سال حکومت کی ہے۔ اب ہندو جماعت کا ایک تتمہ قرار دیا جائے۔ جیسے کہ ان کی اپنی ہستی ہی کوئی نہیں ہے۔ اور وہ ہر حرکت میں ہندو آقا کی آنکھ کے اشارے کے محتاج ہیں۔ ایک جماعت جس میں قومیت کے تمام عناصر موجود ہیں۔ اور جو تعداد میں ۱۰۰ ملین کے قریب ہے۔ نفوس کی اتنی بڑی تعداد جو برطانیہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا یونین جنوبی افریقہ۔ جنوبی روڈیشیا۔ نیوزی لینڈ۔ نیو فونڈ لینڈ۔ تمام کی ساری آبادی کے مجموعہ سے تعداد میں زیادہ ہے۔ وہ منارٹی کس طرح سے بن سکتی ہے؟ ہندوستان کی اسلامی جماعت تمام قوانین کی رو سے ایک قوم ہے۔ اور اس لئے اسے وہ تمام حقوق ملنے چاہیئں جو ایک قوم کو حاصل ہیں۔

مقالہ-۱۳

وہ مسلمان جو اب بھی کانگرس میں شامل ہیں

ابتدا میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی انجمن نہ تھی

کانگرس کی بنیاد ۱۸۸۵ میں رکھی گئی۔ اس وقت زمانہ مختلف تھا خیالات مختلف تھے۔ سیاست مختلف تھی۔ گویا دنیا ہی اور تھی۔ کانگرس کے مقاصد بھی یہ تھے۔ کہ ہندوستان کے متضاد عناصر میں ایسا اتحاد پیدا کیا جائے۔ کہ وہ گھل مل کر ایک ہو جائیں اور یہ کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان رابطۂ اتحاد محکم کیا جائے۔ (دیکھو مقالہ ۶۔ ہندو کانگرس اور مسلم لیگ۔)

۱۸۵۷ء کے فوجی ہنگامے کے بعد مسلمانوں پر عتاب نازل ہوا۔ اور ان کو ہر شعبے میں پس پشت رکھا گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے۔ صفحہ ۴۶۰۔ "فرقہ وارانہ سوال کی رو سے برٹش پالیسی کا مطالعہ ۱۸۵۷ کی شورش کے بعد سے بہت دلچسپ ہوگا۔ اصولاً اور لازمی طور پر پالیسی یہ رہی ہے۔ کہ ہندو اور مسلمانوں میں یکجہتی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ اور ایک جماعت کو دوسری کے خلاف متعین کر دیا جائے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے برطانیہ کا دست گراں بار ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں پر زیادہ پڑا۔ وہ (برطانیہ کے حکمران) مسلمانوں کو زیادہ آمادۂ پیکار اور جنگجو سمجھتے تھے۔ جن کے دل میں یہ یاد تازہ تھی۔ کہ وہ تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان پر حکومت کرتے تھے۔ اور اس لئے مسلمان زیادہ خطرناک تھے۔ مسلمانوں نے نئی (یعنی انگریزی) تعلیم سے بھی گریز کیا۔ اور قلیل سرکاری عہدوں پر معمور تھے۔ ان تمام باتوں سے وہ مشتبہ قرار پائے۔ ہندوؤں نے انگریزی زبان کی طرف اور کلرکی کے عہدوں کی طرف بہت زیادہ توجہ کی اور زیادہ اطاعت شعار معلوم ہوتے تھے ...... انگریزی تعلیم کا مطلب تھا۔ کہ اس سے انگریزی ملازمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور زندگی میں استحکام رسوخ اور عزت۔"

ان حالات میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ابتدا میں نہ انگریزی حکومت میں رسوخ حاصل کرنے کا موقع ملا اور نہ سیاست میں

مگر وہ ابتدائی دور تھا جب کوئی کھلے الفاظ میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور سیلف گورنمنٹ یا کامل آزادی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سیاسی حقوق اور سرکاری نوکریاں زیر نظر تھیں۔ ہندو مسلمان دونوں یکجا ہو کر کانگرس کے پلیٹ فارم پر آتے۔ اور کام کرتے رہے۔ مگر ہندو اس میدان میں آگے تھے۔ اور انہوں نے سرکار انگریزی سے اپنے لئے بیشتر حقوق حاصل کر لئے۔

مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں وجود میں آئی

۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگالہ پر ہندو مسلمانوں کا جھگڑا ہوا۔ تو یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے خلاف میدان میں آگئے۔ ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں نے اپنے لئے علیحدہ حقوق کا مطالبہ کیا (صفحہ ۱۳۱) اور اس یادداشت میں جو وائسرائے کے سامنے پیش کی۔ یہ لکھا کہ ہم ایک علیحدہ قوم ہیں۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ وجود میں آئی۔ اس طرح سے ہندو اور مسلمانوں کی دو الگ جماعتیں ہو گئیں۔ مسلم لیگ تو کہتی بھی یہی تھی کہ میں مسلمان ادارہ ہوں۔ اور میرا کام مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ کانگرس ہمیشہ سے ہندو ادارہ رہا ہے۔ چونکہ اس میں نمایاں اکثریت اور بلند آواز ہندوؤں کی رہی ہے۔ مگر دعویٰ کانگرس کا یہ رہا کہ میں ہندوستان کا نمائندہ ادارہ ہوں۔ اور ہندوستان کے سب فرقے اس میں شامل ہیں۔ اس لئے کانگرس کی ہندو اکثریت نے ہندوستان کے دوسرے فرقوں (مسلمانوں۔ سکھ۔ پارسی۔ اچھوت وغیرہ) کو اپنے حلقے میں شامل کرنے کی ہمیشہ سے کوشش کی ہے۔ اس کام کیلئے انہوں نے کئی طریقے اختیار کئے۔

ہندو مسلمانوں میں اتحاد کی ناکام کوشش

ہندو اور مسلمان جماعتوں میں مصالحت اور اتحاد کی کئی دفعہ کوشش کی گئی۔ مگر ہمیشہ ناکامی ہوئی۔

۱۹۱۰ میں الہ آباد میں اتحاد کانفرنس ہوئی اسمیں سر آغا خاں اور سید امیر علی نے نمایاں حصہ لیا تقسیم بنگالہ کا جنون ہندو دماغ پر اس درجہ طاری تھا کہ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

۱۹۱۳ میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کا مقصد یہی تھا۔ "برادران وطن سے اتحاد" اس کا اثر یہ ہوا کہ قربانی گا کے بہانے سے اجودھیا میں فساد ہوا۔ اور اتحاد نہ ہو سکا۔

۱۹۱۴ میں الہ آباد میں اتحاد کانفرنس ہوئی۔ سر جیمس مسٹن اس کے روح رواں تھے۔ راجہ صاحب محمود آباد صدر مقرر ہوئے

اور کمیٹی اتحاد کے لئے بنائی گئی مگر بنگالی ہندوؤں نے اتحاد پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۱۶ کلکتہ میں لیگ اور کانگرس کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ اس کے صدر سر سریندر ناتھ بنرجی تھے۔ ایک میثاق تیار ہوا جو میثاق لکھنؤ کہلاتا ہے۔ لیکن کانگرس سے طاقتور ہندو عنصر الگ ہو گیا۔ اور ان لوگوں نے " ذبیحہ گاؤ " اور دیگر مسائل پر پھر فسادات شروع کر دیئے۔

۱۹۲۴ میں علی برادران نے اتحاد کی کوشش کی۔ اس میں ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں بھی شامل تھے۔ مگر کانگرس کے تمام ہندو بظاہر یا در پردہ شدھی اور سنگٹھن میں شریک تھے۔ اتحاد کی سب کوششیں لا حاصل ثابت ہوئیں۔

۱۹۲۸ میں موتی لال نہرو کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ایسا پروگرام مرتب کرے جس سے دونوں قومیں یکجا ہو جائیں۔ مگر "نہرو رپورٹ" اس خیال سے بالکل بیکار ثابت ہوئی۔

۱۹۳۱ میں لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی۔ ہندو مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر لندن میں پہنچے مگر بک بک جھک جھک کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

۱۹۳۷ میں کانگرس نے اپنا نقطۂ نگاہ بدل لیا۔ انہوں نے اس بات سے ہی انکار کر دیا۔ کہ مسلمان ایک الگ جماعت ہیں۔ کانگرس کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں ہندو میجارٹی ہے۔ اور مسلمان مینارٹی۔ میجارٹی ہمیشہ مینارٹی پر حکومت کرتی آئی ہے کانگرس میجارٹی پر مشتمل ہے۔ اس لئے کانگرس کو کوئی ضرورت نہیں۔ کہ وہ مسلمانوں سے سمجھوتہ کرے۔ کانگرس خود سارے فیصلے کرے گی۔ اور مسلمان مینارٹی کو وہ ماننے ہوں گے۔ اتحاد کا سوال تو بیکار ہو گیا جب دوسری پارٹی کے وجود سے ہی انکار کر دیا جائے مسلمانوں کو ہندوؤں کے اس نئے نظریے سے بہت بے چینی ہوئی۔ ہر فرد اور ہر جماعت کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے مسلمانوں نے بھی زندہ رہنے کی کوشش کی۔ اور اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ اپنی جماعت کے لئے ہندوستان کے ایک حصّہ کو اپنا الگ وطن بنالیں اور صحیح معنوں میں وہاں پر نشوونما پا سکیں۔

۱۹۴۰ لاہور میں پاکستان ریزولیوشن مسلم لیگ نے پاس کیا۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہندوستان میں ہندو قوم کا وطن الگ ہو۔ بھارت اور مسلمان قوم کا وطن الگ ہو۔ پاکستان ۔ یہ دونوں قومیں بحیثیت ہمسایہ قوموں کے پہلو بہ پہلو رہیں۔ اپنے اپنے وطن

میں نشو ونما حاصل کریں۔ اور اسطرح سے دونوں قوموں میں مستقل اتحاد ہو جائے۔

کانگرس نے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔

یہ تو آپ نے مسلم لیگ کا حال سُنا جو ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ۱۹۴۰ سے پہلے کانگرس ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی رہی۔ جماعت کی حیثیت سے اس نے مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ انہیں کامیابی نہ ہوئی یوں فرداً فرداً بھی کانگرس نے کئی افراد کو ترغیب دلائی کہ وہ کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ اسلئے کچھ عجب نہیں کہ کچھ مسلمان کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ خاص اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کانگرس نے ماس کانٹیکٹ کی تحریک نکالی۔

جمیعت العلماء

مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کے چند ادارے ہیں۔ اور ہونے چاہیئے آخر اتنی بڑی قوم مختلف پہلوؤں سے اپنی قوتوں کا اظہار کرتی ہے۔ اور اتنے وسیع ملک میں کئی چھوٹی انجمنوں کا وجود لازمی ہے۔ تاکہ ہر قصبے کے مقامی لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔ جمیعت العلماء اور احرار کا حال سُن لیجیئے گا۔

جمیعتہ العلما کی تشکیل نومبر ۱۹۱۹ میں ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ علمائے کرام مذہبی اور سیاسی امور میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ صدر مفتی کفایت اللہ۔ ناظم مولوی احمد سعید۔ ۱۹۱۹ کے بعد کئی اجلاس ہوئے۔ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی مگر صدا بصحرا۔ ۱۹۲۶ میں جمیعت کا ساتواں اجلاس کلکتہ میں ہوا۔ صدر تھے سید سلیمان ندوی۔ اسوقت تک فسادات کے سبب ہندو مسلمانوں کا رابطۂ اتحاد ٹوٹ چکا تھا۔ قرارداد جو پاس ہوئی اس میں یہ بھی شامل تھا "چونکہ برادرانِ وطن کے مخالفانہ طرز عمل سے منافرت کی خلیج وسیع ہو رہی ہے۔ اس لئے مسلمان اپنی تنظیم کر کے اپنے بل بوتے پر ملک کو آزاد کرائیں۔ البتہ جو غیر مسلم حضرات اس بارہ میں اتحادِ عمل کرنا چاہیں ان کے ساتھ اتحادِ عمل کیا جائے"! پھر بھی بعض مسلمان کانگرس کے ساتھ رہے

مجلس احرار

مجلس احرار ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی۔ صدر مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری۔ جمیعت کا نواں اجلاس بمقام امروہہ ۱۹۳۰ میں ہوا۔ اجلاس کے صدر تھے شاہ معین الدین اجمیری۔ اس میں احرار کے قائد عطاء اللہ شاہ نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا۔ کہ وہ غیر مشروط طور پر کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ اس مشورے کی پیش کرنے کی وجوہات تو عطاء اللہ

شاہ کو معلوم ہوں گی۔ مگر اس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ جمعیت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک جمعیت العلماء دھلی۔ اور دوسری جمعیتہ العلما کانپور۔ دونوں کا دعویٰ یہی تھا کہ وہی آل انڈیا جماعت ہے۔ اس ۱۹۳۰ کے اجلاس میں مسلمانوں میں بہت بحث اور رد و کد ہوئی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ ہندو کامیاب ہو گیا۔ اور مسلمان اپنی سادگی کے سبب پھر چکر میں آ گیا۔ کانگرس کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردیاں قائم رہیں۔ لیگ اور کانگرس کی جنگ برابر رہی۔

مسلم ادارے اور کانگرس فنڈ

کانگرس نے مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی ۱۹۳۶ سے یہ کام بڑے زوروں سے شروع ہو گیا۔ عوام سے رابطہ کے نام سے کانگرس نے ایک تحریک نکالی۔ " اب پورے زور کے ساتھ مسلم عوام سے رابطہ پیدا کر کے مسلم قومیت کو ہندو قومیت میں جذب کر لینے کی تدبیروں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جمعیت العلماء نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مجلس احرار اس رابطہ کی ایجنسی بن گئی۔ کانگرس فنڈ انکی کفالت کے لئے وقف ہو گیا۔ ان کوششوں میں ہر قسم کا مکروہ پروپاگنڈا کیا گیا تہمت و افترا تلبیس و تدلیس کا ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ اور اس کے ارکان کے متعلق غلط بیانیوں اور تہمتوں میں کوئی کسر نہ رکھی۔" (زبیری۔ مسلمانان ہند کی سیاست ملی صفحہ ۱۶۵)

مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر لانے کی کانگرس کی دیگر کوششیں

جب ۱۹۲۷ کے آئینی دستور کے وجود میں آنے کے امکان پیدا ہوئے۔ تو کانگرس نے اعلان کر دیا کہ کانگرسی حکومتوں میں عہدے مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کے نہیں دیئے جائیں گے۔ بلکہ بحیثیت کانگرسی ہونے کے اس طرح سے بہت سے مسلمان عہدے لینے کے لئے کانگرس میں شامل ہو گئے۔ جب سیاسی بیداری پیدا ہوئی اور فرقہ دارانہ سوال گرم ہوا تو مسلمانوں کے دل میں اپنی جماعت کے لئے ہمدردی پیدا ہوئی اور وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ کانگرس نے مسلمانوں کے اتحاد کو فنا کرنے اور مسلم لیگ کو برباد کرنے کی کئی تدابیر اختیار کیں۔

۱۹۲۸ء کے اواخر میں لارڈ لوتھین نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نے ہندوستان کے ۱۹۳۵ کے سیاسی دستور کو مرتب کرنے میں حصہ لیا تھا۔ واپس انگلستان جا کر اس نے ہندوستان کی سیاسیات پر ایک طویل مضمون لکھا جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

"حال میں مسلم لیگ نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ ہندوستان کی منزل مقصود آزادی ہے۔ لیکن مسلمان اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ کہ روشن خیال اہلِ کانگرس کے غیر فرقہ دارانہ دعوے اور حقیقی خواہشات کچھ بھی ہوں۔ لیکن کانگرس کے ممبروں کی زبردست اکثریت ان ہندوؤں پر مشتمل ہے جو مسلمانوں اور برطانیہ کی صلیونکی حکومت کے بعد اب ہندو راج کے قیام کے منتظر ہیں۔ (صفحات ۱۵۷ اور ۱۶۳ ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرما لیجئے)

مسلمانوں کو اقلیت کی حیثیت سے اپنے مستقبل کے متعلق خطرہ ہے۔ پھر ایک حقیقت یہ ہے کہ کانگرس ایک طرف نوجوان مسلمانوں کو اپنے اس عقیدہ پر لانے کی پُرجوش کوشش کر رہی ہے۔ کہ ہندوستان کی متحدہ قومیت ہے۔ دوسری طرف کانگرس مسلمان کسانوں کو اپنے زرعی پروگرام کا گرویدہ بنانا چاہتی ہے۔ ان باتوں نے مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت کو از سرِ نو زندہ پارٹی کی صورت میں مستحکم بنا دیا ہے۔ اس پارٹی کا نام مسلم لیگ ہے۔ اور مسٹر جناح اس کے لیڈر ہیں۔ معنوی طور پر مسلمانانِ ہند کی حالت وہی ہے جو آئرلینڈ میں السٹر کی ہے۔ ایک سیاسی اقلیت کی حیثیت سے ان کی تنظیم کی حقیقی بنیاد۔ مذہب کا اختلاف ہے۔ اور اگر یورپ کا تمام تجربہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ تو ہندوستان کی فضا سے فرقہ دارانہ عنصر کے خارج ہونے سے پہلے طویل مدت گزرے گی۔ فیڈریشن پر مسلمانوں کو ایک ہی اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ تمام تحفظات کے باوجود فیڈریشن کے ذریعہ سے مرکزی وفاقی حکومت میں ایک مستقل ہندو اکثریت مستحکم ہو گی۔"

کانگرس نے نوجوان مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی اور ان کے عقائد بدل کر کانگرس کے عقائد بنا دیئے۔ کسانوں کی ذہنیت کو منتقل کرنے کے پروگرام بنائے۔ دیہات سدھار۔ اسی زمانے کی یادگار ہے۔ ودیا مندر سکیم سے ہندوستان کے تمام طالب علموں کو کانگرسی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے کی ترکیب نکالی۔ غرض ہر طرح سے ہندوستان پر چھا جانے کی کوشش کی۔

اس کا یہ مطلب تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ایک وفادار غلام سے زیادہ نہ رہے۔ وہ محکوم ہو جائے اور ہندو حاکم۔ ہندو مسلمان کو ملیچھ بھی کہتا ہے اس سے ہریجن کا سا سلوک بھی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کھاتا پیتا نہیں۔ مسلمان کو نیا رٹی کہتا ہے۔ اور پھر مسلمان کو کانگرس میں شامل کرتا ہے۔ اس تمام رویہ سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمان کو اپنا ماتحت اور زیردست بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ مگر جو مسلمان ہے وہ اس بات کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی مسلمان قوم کوئی نھنی منی سی گڑیا تو ہے نہیں کہ جسطرح سے چاہیں اس کو بٹھا دیں

جہاں چاہیں رکھ دیں۔ اس قوم کی قوتیں، رسوخ۔ اقتدار اتنا وسیع ہے کہ وہ ہر صورت سے ہندوستان کی ہندو قوم کے مقابل میں قابل وقعت ہے۔ ان میں سے کچھ باتوں کا ذکر تو ہم نے ضرورت کی مجبوری سے اس کتاب میں کر دیا ہے۔ اور باقی کو عمداً گوشۂ تفکر میں سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

میرے جنون نے کئی فتنے حشر و نشر آشوب ؛ سنبھال رکھے ہیں تحقیق کبریا کے لئے۔ ناموس

اس بیج کو گلشنِ عمل میں بونا۔ اور حسب ضرورت کتم عدم سے معرضِ وجود میں لانا اسی وقت مفید ہو گا جب بہار کی آمد آمد ہو ورنہ ؎ بادہ نوشی ہے بادپیمائی۔ غالب

بیج بوتے کے ساتھ ہی بارور ہو جائے نہیں تو بیج کو بونا۔ پانی دینا۔ حفاظت کرنا۔ سب محنت رائیگاں ہے اگر درخت نشو و نما پا کر پھل نہ دے تو یوں کہئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتیں۔ ہوا۔ پانی۔ دھوپ کا ناجائز استعمال ہے۔

کانگرس کا مسلمانوں کے وجود سے انکار ۱۹۳۷ء

سنہ ۱۹۳۷ء میں کانگرس نے مسلمانوں کے وجود سے انکار کر دیا۔ تو تمام ملت اسلامی میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ کی جمعیت پہلے ہی مضبوط تھی۔ مگر اب تو ہر صاحب فہم مسلمان اس میں شامل ہو گیا۔ مسلم لیگ کا اجلاس اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ راجہ امیر احمد خاں والئی محمود آباد مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ خطبۂ صدارت کا ایک حصہ یہ ہے۔

"ہم نے اپنے برادران وطن کو بار بار یقین دلایا ہے۔ کہ جنگِ آزادی میں ہم ان کے دوش بدوش کھڑے ہونے پر تیار ہیں مگر ہم اپنی ہستی کو بالکل مٹا دینا نہیں چاہتے۔ ہم نے ایک متحدہ محاذ کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر انہوں نے آزادی کی جنگ کو حصول حقوق کی کوشش میں تبدیل کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم کو مجبوراً آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اپنی علیحدہ تنظیم کر کے اپنے تمدن اپنی زبان اپنے معاشرتی اور سیاسی حقوق کا تحفظ کرنا پڑا"۔

ہندو مسلم دو الگ الگ کیمپ بن گئے

اب معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔ ہندو اور مسلمانوں کے دو الگ الگ کیمپ بن گئے۔ مشترکہ طور پر کوشش کرنے کی بجائے دونوں آزادی کے لئے الگ الگ کوشش کرنے لگے۔ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے پاکستان کا اعلان کر دیا۔ اور مسلمان کا پروگرام معین ہو گیا۔ یعنی مسلمانوں

کے لئے ضروری ہے کہ اب وہ ہندوؤں سے الگ ہو کر پاکستان بنانے میں کوشاں ہوں

مسلمان کیوں کانگرس میں شامل ہوئے

ہم نے اس بیان میں دیکھا ہے کہ کانگرس ۱۸۸۵ میں قائم ہوئی اس وقت مسلمانوں میں کچھ زیادہ سیاسی ہمت نہ تھی۔ جب ہوش آیا تو یہی کانگرس سامنے نظر آئی۔ اس لئے جو مسلمان اپنے وطن کی آزادی کا خواہشمند تھا۔ وہ کانگرس میں شامل ہو گیا۔ لیکن کانگرس ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اگرچہ اس ادارے نے اپنا نام آل انڈیا نیشنل کانگرس رکھا ہوا تھا ظاہر ہے کہ کانگرس میں جب ہندو اکثریت ہے تو وہ ہندو جماعت کے تحفظ کا زیادہ خیال رکھے گی جب عملی طور پر یہی ہوا تو مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک الگ جماعت بنائی اس کا نام مسلم لیگ رکھا (۱۹۰۶) ہندوؤں نے اس کے مقابلے میں مہاسبھا ایک اپنی انجمن بنالی۔ اور یہ اعلان کیا کہ لیگ اور سبھا تو فرقہ دارانہ ادارے ہیں۔ لیکن کانگرس قومی ادارہ ہے۔ مگر تھا یہ بھی ہندو۔ چونکہ یہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔

ادھر مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ انجمن، ادھر کانگرس ہندوؤں کا نمائندہ ادارہ۔ دونوں میں اتحاد کی بہت کوشش کی گئی، چونکہ کانگرس کا دعوے تھا۔ کہ کانگرس تمام ہندوستان کا قومی ادارہ ہے۔ اس لئے چند مسلمان اس میں شامل ہو گئے۔ اور وطن کی آزادی کے لئے کوشش کرنے لگے۔ اور چونکہ ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی تجویز ہو رہی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہونے کی ترغیب بھی ہوئی، کانگرس نے اپنے رسوخ۔ اپنے علم۔ اپنے مال۔ اپنی سیاسی فریب کاری اور اپنی پالیسی سے مسلمانوں کو کانگرس میں لانے کی کوشش کی۔ اس طرح سے کانگرس پارٹی میں مسلمانوں کا ایک مضبوط نیشنل گروپ قائم ہو گیا۔ اس مسلم نیشلسٹ گروپ کی طاقت کو مسٹر گاندھی نے کس طرح سے توڑا۔ یہ بھی سن لیجئے گا۔

کانگرس کا مسلم نیشلسٹ گروپ کچل دیا گیا

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے صفحہ ۱۳۹ ۔ " یہ کہانی بھی بہت دردناک ہے۔ کہ نیشلسٹ مسلمانوں کو بحیثیت گروپ کے کس طرح سے کچلا گیا۔ اور ان کو کانگرس سے کس طرح سے خارج کیا گیا۔ ۱۹۲۳ میں اس سے قبل ان کا گروپ بہت مضبوط تھا۔ اور وہ فرقہ دارانہ خیال کے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ طرز عمل رکھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی موقعوں پر گاندھی جی فرقہ پرست مسلمانوں کے چند مطالبات منظور کرنے کو تیار ہو گئے۔ اگرچہ وہ اس عمل کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ مگر مسلم نیشلسٹوں نے جو ان کے اپنے

شریک کار تھے۔ گاندھی جی کو اس سے باز رکھا اور اس کی شدید مخالفت کی ۔۔ . . . . اور آج یہ حالت ہے ۔ کہ مسلم نیشلسٹ گروپ کو عقیدے اور عمل کے ہر لحاظ سے معرّا کر دیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر انہوں نے اپنا گروپ بنایا تھا۔ اور جس کا انہوں نے فخر کے ساتھ اپنے مستوں کی چوٹی پر لگا دیا تھا انہیں ہر چیز سے معرّا کر دیا گیا ہے۔ ہر چیز سے۔ بس ایک نام باقی ہے!"

مسٹر گاندھی اور مسٹر جواہر لال کا حصہ

کانگرس نے جو پروگرام مسلمانوں کو پورے طور پر اپنے قبضہ میں لانے کا بنایا تھا۔ اس کا ایک حصہ یہ بھی تھا۔ کہ مسلمانوں کو قومیت کے نام پر کانگرس میں شامل کرو۔ مگر انہیں قوت سے معرّا کر دو۔ اس میں ۱۹۲۲ میں کانگرس نے پوری کامیابی حاصل کر لی یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ جنوبی افریقہ سے واپس آ کر مسٹر گاندھی جب سے کانگرس میں شامل ہوا ہے۔ اس نے کانگرس کا نظریہ بدل دیا ہے۔ اس نے ہندوؤں کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ کہ ہندوستان کے تنہا مالک اور اس لئے حکمران ہندو ہیں۔ مسلمان اور دوسری قومیں ان کی بنیا رٹی ہیں۔ جنہیں قیامت تک ہندوؤں کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ اس بات کا مان لینا مسلمانوں کے لئے ناممکن ہے۔ لہذا کشمکش اور شورش کا ہونا ضروری ہے۔ اگر انجام یہ ہو تو اس کی ذمہ داری اس دماغ کے سر ہے جس نے اس فکر کا آغاز کیا۔ اگر مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ہو کر اپنی حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس ہستی کا قصور ہے جس نے ایسے حالات پیدا کئے۔

کانگرس کے گرد دیو گاندھی جی اور ان کے سیاسی ولیعہد جواہر لال نہرو کی سرکردگی میں کانگرس کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ مصالحت اور اتحاد کی بجائے ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں یعنی ہندو اور مسلمانوں میں علیحدگی کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ ہندوستان کو نہ تو آزادی ملی نہ سیلف گورنمنٹ۔ ان کی بجائے اتحاد بھی برکت بھی ہندوستان سے غائب ہو گئی۔ اور فرقوں کا ربط و اتحاد بھی ٹوٹ گیا ہے۔ گاندھی کے استبداد اور کوتاہ نگاہ پالیسی سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے کانگرس کو چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ بعض ہندو لیڈر بھی علیحدہ ہو گئے۔ مسٹر کھارے مسٹر ایس۔ سی۔ بوس۔ اور مسٹر گوپالا چاریہ۔ گاندھی ہندوؤں کا لیڈر ہے۔ اور وہ بھی بہت تنگ نظر۔ اور ناحقائق شناس۔ اصل میں اس نے اپنی ساری عمر ہندوؤں کے علاقے میں گذاری۔ اسے اسلام کی قوت۔ زور ایمان۔ ملکی اور ملتی دولت۔ اخوت اور مساوات کا ابھی تک علم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ گاندھی کو اگر اس درجہ طاقت کانگرس میں حاصل نہ ہوتی یا اس کی بجائے کوئی اور لیڈر قافلہ سالار ہوتا تو حالات اس درجہ آج خراب نہ ہوتے۔

جب حالات نے یہ صورت اختیار کر لی کہ ہندو اور مسلمانوں کی دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں اور صاف ہو گیا۔ کہ ہندو اور مسلمان ایک مشترکہ ہی جماعت نہیں بنا سکتے۔ تو مسلمانوں کے دل میں سیاسی خیالات کا جوش بڑھ گیا۔ جو مسلمان کانگرس میں تھے۔ انہوں نے باری باری کانگرس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ نام تو سینکڑوں کیا ہزاروں ہوں گے۔ مگر ڈان کے ۲۵ اگست ۱۹۴۵ کے پرچہ میں تین نام ہیں۔ ملک لال خاں سابق صدر پنجاب کانگرس کمیٹی۔ میاں افتخار الدین صدر پنجاب پراونشل کانگرس کمیٹی اور نوابزادہ مرتضےٰ علی خاں۔ حسن اتفاق کی بات ہے کہ ملک لال خاں صاحب سے کبھی کبھی مجھے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے دوران گفتگو میں بتایا کہ انہیں کانگرس کو کیوں چھوڑنا پڑا۔ حقائق بصیرت افروز تھے اور معاملہ اہم۔ ان کی آپ بیتی تھی، اس لئے دلنشیں۔ اور انداز بیان سونے پر سہاگہ۔ ڈاکٹر عالم لاہور کے مشہور بیرسٹر ہیں وہ بھی کبھی کانگرس کے بزرگان ملت میں سے تھے۔ ملتان میں ان سے ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے اپنی آپ بیتی سنائی۔ یہ بھی نکات مآل اندیشی سے معمور تھی۔ بہت بہتر ہو کہ یہ تمام حضرات رسالہ مرتب کریں۔ جن میں یہ مرقوم ہو "میں نے کانگرس کو کیوں چھوڑا" ان کو وہ خود چھپوا کر بانٹیں یا مسلم لیگ چھپوا کر بانٹ دے۔ جو کچھ جال دکھیلا ہے لب دریا کھڑا ہوا ماہی گیر نہیں دیکھ سکتا۔ کانگرس کے ظاہری پردہ کے پیچھے ان حضرات کو گھسنے کا موقع میسر آیا ہے۔ ان کی آپ بیتی پڑھنے سے ان تمام حضرات کو جو کانگرس کی کارگذاریوں کو کسی کی زبانی سنتے اور کانگرس کی کاروائیوں کو کسی کی قلم سے لکھا ہوا پڑھتے ہیں۔ بچشم خود معائنہ کرنے کا موقع مل جائیگا۔

بعض مسلمانوں کے اسوقت بھی کانگرس میں شریک رہنے کی وجوہات

اس وقت ۱۹۴۵ء میں یہ حالت ہے کہ دو الگ سیاسی ادارے ہیں۔ ایک ہندو ادارہ اس کا نام کانگرس ہے۔ دوسرا مسلمان ادارہ اس کا نام مسلم لیگ ہے۔ تمام صاحب فہم مسلمان کانگرس کو چھوڑ چکے ہیں۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی بہبودی اسی میں سمجھتے ہیں کہ کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مگر اب بھی کچھ مسلمان ایسے ہیں جو کانگرس میں شامل ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ابتدا میں یعنی ۱۹۰۶ سے پہلے جب مسلمانوں کا کوئی سیاسی ادارہ نہ تھا۔ تو مسلمان کانگرس میں شامل ہوئے۔ ۱۹۰۷ کے بعد مسلم لیگ قائم ہوئی۔ تو کانگرس میں کچھ مسلمان اس خیال سے داخل ہوئے کہ مصالحت کی کوشش کریں اور کانگرس کے حلقے میں اپنی قومی پارٹی قائم کریں۔ اور قاعدہ ہے کہ انسان فطرتاً اپنی وضع داری کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ انسان

قدیم پرست ہے۔ ایک دفعہ جو وضع اور شریعت اختیار کرلے۔ اس کو بلا وجہ اور جلد بدلنا نہیں چاہتا۔ جو مسلمان کانگرس میں ۱۹۲۳ سے پہلے شامل ہو گئے۔ جب کہ اتحاد کی کوششیں زوروں پر تھیں، وہ کانگرسی کہلائے۔ ایک دفعہ کانگرسی کا نام اختیار کرنے کے بعد اس کو بدلنا تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ نہیں تو لوگ گرگٹ کہیں گے۔ اس لئے یہ مسلمان اکا دکا اب بھی کانگرس میں شامل ہیں۔ اگرچہ بہت بددل ہو گئے ہیں۔

کانگرس میں جو مسلمان اب بھی شامل ہیں۔ ان کی شمولیت کی اور بھی چند وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایس نیاز علی قادری نے اپنی کتاب A Moslem's Inner Voice میں ان کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔ (آشیانۂ نیاز۔ لاہور۔ ۴ فیروز پور روڈ ۱۹۴۴) صفحہ ۴۔ ان کے پانچ گروپ بنائے ہیں۔

(۱) وہ جو کہ کانگرس کے باقاعدہ تنخواہ دار ہیں۔

(۲) وہ جو ہندو کانگرسیوں کے اثر رسوخ اور امداد سے کوئی نہ کوئی مفاد حاصل کر رہے ہیں۔

(۳) وہ جو کہ مختلف صورتوں میں منتظر لوگوں کی فہرست پر ہیں۔ کہ ان کو بھی مفاد حاصل ہو گا۔

(۴) وہ جو کہ صاحب دیانت ہیں مگر سادہ لوح ہونے کے سبب گمراہ ہو گئے ہیں۔ یا وہ اپنے کانگرسی افسران کے جوئے میں کسے ہوئے ہیں۔ اور اپنی بیچارگی کی مجبوری کا اظہار کرتے ہیں۔

(۵) سب سے آخر میں۔ مگر جو اہمیت میں کم نہیں، دو اسلامی صوبوں یعنی بنگال اور سندھ کے وزیر اعظم ہیں۔ ان کو یہ معلوم ہے کہ وہ مسلمانوں میں اس درجہ غیر مقبول ہیں۔ کہ وہ اپنے مسلمان شریک کار رفیقوں کے ساتھ ایک غیر متزلزل وزارت نہیں بنا سکتے یہ لوگ کانگرسی ممبران کونسل کے پیچھے ان کی ووٹیں حاصل کرنے کے لیے بھاگتے رہے۔ اور اپنے عہدے کو قائم رکھنے کے لیے ان کے حکموں اور احکامات کو ماننا پڑتا ہے۔"

قادری نے پہلے گروپ میں (۱) ابوالکلام آزاد (۲) مولانا حسین احمد مدنی (۳) مولانا کفایت اللہ اور (۴) مولانا احمد سعید کو رکھا ہے۔ پھر لکھا ہے۔

میں اس موقعہ پر ان اصحاب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر مسجد میں داخل ہوں اور قسم کھا کر بتائیں کہ وہ

کانگرس نے کسی نہ کسی شکل میں رقوم وصول کر رہے ہیں یا نہیں"۔ امکان ہے اور بھی بعض حضرات اس صنف میں شامل ہوں۔ یہ تو چند سربرآوردہ اشخاص کے نام ہیں۔ اس صورت میں تنخواہ دار کا ایمان یہی ہے۔ "جس کا کھائے اسکا گائے" نہیں تو اگلے مہینے کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمانوں کا لیڈر سمجھنا غلط فہمی ہے۔ ہندو کے تنخواہ دار اور مسلمانوں کے راہنما۔ کیا معنی؟ ان کو ہندو کا نوکر کہنا چاہیئے۔

جو مسلمان اب بھی کانگرس میں ہیں انکے متعلق جمہور اسلام کی رائے

مارچ ۱۹۴۰ء میں پاکستان کا ریزولیوشن لاہور میں پاس ہوا۔ اس کی رو سے ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو۔ دوسرے مسلمان۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں ابوالکلام آزاد نے ایک تار جناح کو دیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ کانگرس کے ماتحت جو متحدہ حکومت ہوگی اس کی کیبینٹ میں ایک پارٹی کے لوگ نہیں ہونگے۔ بلکہ تمام ہندوستان کے فرقے ہیں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا لیگ نے یہ اصول معین کر دیا ہے۔ کہ جب تک ہندوستان میں دو قوموں کے موجود ہونے کے نظریہ کو نہ مان لیا جائے۔ وہ صوبوں میں کوئی آئینی انتظام قائم کرنے کو تیار نہیں؟ اس معاملے کو صاف کر دیا جائے۔ ابوالکلام کو اس سے پہلے کانگرس کا صدر انتخاب کیا گیا تھا۔ اور مسٹر گاندھی نے اس دعوے کی تردید میں کہ کانگرس ہندو ادارہ ہے یہ دلیل پیش کی تھی۔ کہ ایک ہندو ادارے کا صدر مسلمان مولوی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کانگرس ہندوستان کا قومی ادارہ ہے۔ صدر ابوالکلام آزاد تھا۔

مسٹر جناح نے مسٹر ابوالکلام کے تار کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا۔

"تمہارے تار کے عوض میں اعتبار کا ہاتھ نہیں بڑھایا جاسکتا۔ چونکہ تم نے مسلم ہندوستان کے اعتبار کو کُلّاً کھو دیا ہے۔ اس لئے میں تمہارے ساتھ بذریعہ خط وکتابت یا کسی اور طریقے سے تبادلہ خیالات کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ کیا تم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہو کہ تمہیں کانگرس کی نمائشی مسلمان صدر بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ اسے قومی ادارہ ہونے کا رنگ چڑھ جائے۔ اور غیر ممالک کو فریب دیا جاسکے۔ تم نہ تو مسلمانوں کے نمائندے ہو اور نہ ہندوؤں کے۔ کانگرس ایک ہندو ادارہ ہے۔ اگر تم میں خودداری موجود ہے تو فوراً استعفے دیدو تم نے اب تک لیگ کے خلاف اپنی انتہائی کوششوں کا بدترین استعمال کیا ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہے کہ تم اس کام میں بُری طرح ناکام ہوئے ہو۔ اس کام کو چھوڑ دو۔"

یہی خیالات ہر مسلمان کے ہیں. جو مسلمان اس وقت کانگرس میں ہیں ان کے متعلق ہر مسلمان کا یہی خیال ہے. جس کا اظہار مسٹر جناح نے مسٹر ابوالکلام کے متعلق کیا ہے. اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے آدمیوں کا جو اپنی پارٹی کو چھوڑ کر مخالف پارٹی میں شامل ہو جائیں، مخالف بھی احترام نہیں کرتا ہے. اور نہ ایسے مسلمانوں کا احترام ہندو کرتے ہیں. وہ انہیں اپنی قوم کا غدار سمجھتے ہیں. اور ہندو قوم کا خادم. اور یہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا اصول تو ہے کوئی نہیں. جو چاہے زیادہ قیمت دیکر اس جنس بازار کو خرید لے. یہ انسان نہیں جن کا دل و دماغ اپنا ہو بلکہ قابل فروخت بازاری سودا ہے. اگر یہ نام نہاد مسلمان ہم انسان بن جائیں اسلام کی شریعت پہ چلیں اور خدا کے عطا کردہ دل و دماغ کو صحیح معنوں میں استعمال کریں تو دشمن اور دوست دونوں اُن کا بہت زیادہ احترام کریں.

اب اگر عقل سے سوچا جائے کانگرس ہندو ادارہ ہے. اور جو مسلمان کانگرس میں شامل ہیں وہ مسلمان قوم کے نمائندے نہیں بلکہ ہندو جماعت کے تنخواہ دار یا حواری ہیں. اس صورت میں ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مسلمان قوم کی بھلائی برائی کے متعلق کسی خیال کا اظہار کریں. یا ان کو مسلمان سمجھ کر کہیں عہدے دیئے جائیں چونکہ وہ مسلمان قوم کے نمائندے نہیں ہیں. اس غداری ریاکاری اور بددیانتی کی زندگی کو اختیار کرنے کی بجائے ان کے لئے یہی بہتر ہے. کہ وہ اپنا نام عبدالکریم کی بجائے بھگوان داس رکھ لیں. اور دنیا ان کو اصلی رنگوں میں دیکھے. کام وہ وہی کریں گے. جو اب کر رہے ہیں. مگر ریاکاری کا دھبہ ان کی پیشانی سے دھل جائیگا مسلمان کے لئے تو

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست   ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است

مسلمان کو مسلمان رہ کر مرنا بہتر ہے. بجائے اس کے کہ ہندو بن کر زندگی گزارے. اور دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا. قیامت کے دن بھی اُسے کہیں ٹھکانا نصیب نہ ہو.

مقالہ ۱۴

اکھنڈ بھارت میں مُسلمان مناٹی کی حالت

ہندوستان کا اکھنڈ بھارتی نظام

ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہو رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح سے اور جمہوریتوں کا قاعدہ ہے ووٹ سے ممبر انتخاب کئے جائیں گے اور آراء سے سلطنت کا کاروبار چلے گا۔ وہی بل پاس ہوگا جس کے حق میں رائے دہندگان کی تعداد زیادہ ہوگی۔

اس کی دو ترکیبیں ہیں۔ ہندوستان کو ایک قوم فرض کیا جائے۔ اور سارے ملک میں ایک حکومت قائم کر دی جائے جو ایک مرکز کے ماتحت ہو۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ ہندوستان میں دو یا زیادہ جمہوری ریاستیں قائم کی جائیں ان کا نظام اپنے اپنے مرکزوں کے ماتحت ہو۔ اور مناسب یہی ہے کہ سارے ہندوستان کی جمہوری حکومتوں کا نظام ایک اعلیٰ مرکز کے ماتحت ہو۔ یعنی ان جمہوری ریاستوں کے اوپر ایک اور مرکزی حکومت ہو جو سارے ہندوستان کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ اور غیر قوموں سے تعلق قائم رکھے۔

اب فرض کیجئے سارے ہندوستان میں ایک جمہوری حکومت قائم کی جاتی ہے۔ ایک سیاسی نظام سارا ہندوستان اس ایک مرکز کے ماتحت ہے۔ (اس کا نام اکھنڈ بھارتی نظام رکھ لو۔) ہندوستان میں مختلف فرقوں کا فیصدی تناسب حسب ذیل ہے۔

تمام ہندوستان میں مختلف فرقوں کی فیصدی نسبت

ہندو جاتی	اچھوت	مسلمان	عیسائی	سکھ	جین	پارسی	بدھ	یہود	قبائل	دیگر	میزان
۵۲٫۹۰	۱۲٫۹۰	۲۴٫۵۰	۱٫۶۰	۱٫۳۰	۰٫۲۵	۰٫۰۵	۰٫۱۰	۰٫۰۵	۱٫۵۰	۰٫۱۵	۱۰۰

ظاہر ہے کہ افراد کی نسبت کے لحاظ سے ہندوستان میں صرف تین بڑے فرقے ہیں۔ جاتی ہندو۔ اچھوت اور مسلمان۔ باقی سب

کی فیصدی تعداد اتنی قلیل ہے کہ ان کو مرکزی اسمبلی میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ کچھ کہہ نہیں سکیں گے
بلکہ یہ کہ ان کے ممبروں کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ ان کی آواز اس درجہ کمزور جائے گی کہ اس کو کوئی نہیں سنے گا۔ فرداً فرداً وہ تو
صفر کے برابر ہیں۔ ۲ فیصدی سے ہر ایک کم ہے۔ مجموعی طور پر بھی ان کی نسبت صرف دس فیصدی بنتی ہے۔ جاتی ہندو۔ اچھوت اور
مسلمان تینوں مل کر (۵۲۶۶۰ + ۱۲۶۹۰ + ۲۴۶۵۰) ۹۰ فی صدی بن جاتے ہیں۔ اگر جاتی ہندو اور اچھوت یکجا ہو جائیں
تو دونوں کی متحدہ فیصدی نسبت (۵۲۶۶۰ + ۱۲۶۹۰) ۶۵۶۵۰ ہوتی ہے۔ اور مسلمان اس کے مقابل میں ۲۴۶۵۰
فیصدی معاملہ صاف ہے کہ اکھنڈ بھارت میں جہاں ایک مرکزی نظام ہوگا میجارٹی تو ہندو جاتی کی ہوگی۔ اگر اچھوت مان لیں تو وہ
میجارٹی میں جذب ہوکر ان کے ساتھ مل کر ایک پارٹی بنالیں۔ اگر یہ پسند نہ ہو تو پھر الگ پارٹی بنا کر ہریجن منیارٹی بن جائیں۔ مسلمان
تو ہر حال میں الگ جماعت ہیں۔ اور ان کا ہندو میں نہ جذب ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نہ ان کے ساتھ مل کر ایک پارٹی بنانے کا چونکہ
ہندو ان کو کہتا ہی الگ قوم ہے۔ اسی طرح سے سلوک کرتا ہے اور ہمیشہ سے اس کا یہی رویہ رہا ہے۔ گویا مسلمان اپنی ۲۴۶۵۰ ٪

مسلمان منیارٹی ہوگا۔

نسبت کے ساتھ ہندوستان میں ایک منیارٹی ہوگا۔ تمام آبادی کا ۱/۴ حصہ سمجھ لو۔ گویا
مرکزی اسمبلی میں اگر ممبروں کی تعداد ملک کے باشندوں کی نسبت مقرر کی جائے جیسا کہ ہندو
اصرار کرتا ہے تو مسلمان کو اسمبلی میں کل تعداد کا ۱/۴ نشستیں ملنی چاہیں۔ صاف ہے کہ اگر مرکزی اسمبلی میں کوئی معاملہ ایسا آجائے
جس میں ہندو مسلمان کے مفاد کی ٹکر ہو اور دونوں پارٹیاں معاملے کو اپنی اپنی طرف کھینچیں تو مسلمان کے لئے اس معاملے کے جیتنے کا
کوئی امکان نہیں۔ معاملہ طے ہوگا ووٹوں سے اور جب ۶۵ ایک طرف اور ۲۴ دوسری طرف ہوں تو شکست یقینی ہو جاتی ہے۔ گویا
اس اکھنڈ بھارت میں مسلمان پست اور ماتحت ہوکر رہے گا جس کے سر پر جس طرح کا قانون ہندو میجارٹی چاہے گی تھوپ دے گی۔ وہ
سر نہیں پھیر سکے گا۔ چونکہ قانون اسباب کی اجازت نہیں دے گا۔ مرکزی اسمبلی یہی کہے گی مسلمان منارٹی ہے۔ اور منارٹی ہونے کی حیثیت
سے اسے وہ تمام تکالیف سہنی پڑیں گی۔ جو منارٹی کے سر پر لابد وارد ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ منیارٹی ہے۔

منیارٹی اصطلاح میں کس کو کہتے ہیں

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ منیارٹی کس جماعت کو کہتے ہیں۔ ایک صاحب
ہیں۔ اسم گرامی، سی۔ اے۔ مکارٹنی۔ لیگ آف نیشنز یونین

کی ایک منیارٹی کمیٹی ہے۔ مکارٹنی صاحب اس کمیٹی کے ۱۹۲۸ سے سیکرٹری ہیں۔ (کتاب ۱۹۳۴ میں چھپی۔ اور یہ اسوقت تک سکرٹری تھے) یورپ کی بہت سی قومی حکومتوں کے معاملات لیگ آف نیشنز فیصلہ کرتی رہتی تھی۔ اس میں منیارٹی کا مسئلہ بھی بہت اہم تھا۔ اور یہ تمام فیصلے منیارٹی کمیٹی کرتی تھی۔ اس میں بحث مباحثے بھی ہوتے تھے۔ سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے یہ تمام کاغذات میکارٹنی کے ہاتھ سے نکلتے تھے۔ اس لئے ظاہر ہے منیارٹی کے متعلق رائے دینے کے لئے میکارٹنی سے بہتر کوئی آدمی نہیں (انٹروڈکشن صفحات ۱ - ۱۸)

قوم کسے کہتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قومی منیارٹی کس کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ قوم کسے کہتے ہیں۔ مقالہ قومیّت کے عناصر میں ہم نے قوم کی تعریف کی ہے۔ اور یہ دیکھا ہے کہ قوم کن عناصر سے بنتی ہے۔ بعض زبان کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جب افراد کی ایک جماعت اس بات کا تہیّہ کر لیتی ہے کہ وُہ اپنی قسمتوں کو مشترک کر لیں۔ اور ان کی قسمت ان کے اپنے ہاتھ میں ہو۔ تو وہ قوم بن جاتے ہیں بعض ان دونوں عناصر کے ساتھ نسل۔ مذہب اور جغرافی وحدت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ بعض اس میں قومی تاریخ کا اضافہ کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ قومیّت ریاست پر منحصر ہے۔ اس جماعت کی اپنی حکومت بننے کے بعد قومیّت وجود میں آتی ہے۔ بعض کے خیال کے مطابق تہذیب منبع الخصوص ہے تاہم یہ ظاہر ہے کہ قومیّت کی تعریف کرنا بہت مشکل کام ہے۔

ان سب میں اہم ترین عناصر نسل۔ زبان اور مذہب ہیں۔ ہر قوم ان تین میں سے ایک کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ نیشنل منیارٹی وہ جماعت ہے جو کسی قوم کی میجارٹی سے نسل۔ زبان اور مذہب میں مختلف ہو۔ لیگ آف نیشنز منیارٹی کی تعریف اس طرح سے کرتی ہے "وُہ لوگ جو نسلی، مذہبی یا لسانی منیارٹی سے تعلق رکھتے ہیں"۔ یا " ایک ملک کے باشندے جو باشندوں کی میجارٹی سے نسل زبان اور مذہب میں مختلف ہیں۔"

منیارٹی کی اپنے وطن میں حالت

آجکل تقریباً ہر قومی ریاست میں منیارٹی موجود ہے۔ جب منیارٹی افراد کی تعداد کے لحاظ سے کمزور ہو۔ جب اقتصادی اور ذہنی لحاظ سے ان میں قوت نہ ہو۔ جب تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے وہ پس ماندہ ہوں تو منیارٹی دبی دبی رہتی ہے۔ اس طرح سے منیارٹی قومیّت کے لحاظ سے بے عمل ہو جاتی

ہے اور ساری حکومت کی سیاسی مشینری صرف ایک جماعت کے اظہار مطالب بیان کرنے میں دن رات مصروف رہتی ہے۔ یعنی مینارٹی محض مزدور کی طرح ہوتی ہے۔ اور میجارٹی خواجہ کی طرح۔ گھر کا مالک تو میجارٹی ہوتی ہے۔ اور مینارٹی نوکر۔ رہتی تو مینارٹی بھی اسی میں ہے۔ مگر جس طرح سے گھر میں نوکر کی آواز نہیں ہوتی اسی طرح سے اس مینارٹی کی آواز نہیں ہوتی۔ میجارٹی جو کچھ چاہتی ہے کرتی ہے۔ اور مینارٹی کو میجارٹی کا حکم ماننا پڑتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مینارٹی میں بھی قومیت کی روح بیدار ہو جائے۔ اسے اپنی قوتوں کا علم ہو جائے۔ اور اس کی ضمیر میجارٹی کے حکم کے خلاف آواز پیدا کرے۔ میکارٹنی صاحب مینارٹی کے سوال پر یوں رقمطراز ہیں

MACARTNEY, C. A

National States and National Minorities London, Oxford University Press, 1934, P. 16.

Most frequently of all, under present circumstances, both the minority and the majority possess active national consciousness. Then the struggle is bitter indeed, and the problem of national minorities bcoomes one of the first political importance.

In such a case the rule of the majority, exer--ting, most often, under the title of democracy, is a the tyhanny (Page 17) It is the worst which is the corruption of the best For democracy seeks to govern

the affaivs which are of common concern to the community in the best interests of that community, and the wishes of the few must, in justice be over-riden by these of the many. But the majority in a state which seeks to impose its own national culture upon a nationai minority is misusing the machinery set up fer the regulation of their common affairs to thes, affairs which, by defmition, are not common Thus to quote Lord Acton (Essay on 'Nationality' in the History of Freedom and Other Essays (1907), P. 297) again, nationality becomes ›

'the greatest adversary of the rights of nationa lity. By making the State and the nation commensurate with eacth other in theory, it reduces practically to a subject condition all other nationalities that may be within the boundary. It cannot admit there to an equality with ruling nation which constitutes the State, because the State would then cease to be national, which would be a contradiction of the principle of its existence According, therefore, to the degree of humanity and civilization in that dominant body which claims all the rights of the community, the inferior races are exterminated, or reduced to servitude, or outlawed, or put in a condition of dependence,'

The lot of a member of a national minority is indeed a hard one. It is hard, firstly because he has been denied that opportunity of self determination to which most nations aspire to-day. He is prevented from creating his own national state, which he probably regards as the political formation to which it would be natural and desirable for him to belong. But if the state to which he is forced to belong is itself the national state of another nationality, then this position is doubly painful He is by definition, a stranger to all those special hopes and ambitions which went to the making of the community in which his whole public life must be conducted. It was founded to protect the liberty

and to foster the development of a particular set of ideals; those ideals are not his. The more fully the members of the majority rejoice in the expression, through the state, of their national personality, the more bitterly he must feel his exclusion. At the best (P. 18) he can only be a 'citizen of the second class', as Czarist Russia termed its Jews and some of the Siberian semi-savage tribes, cut off from the whole of one side of existence, and that not the least noble side.

And this situation is not only galling for the individuals placed in it, it is also an abiding source of international unrest. For the minerity in one state is usually nationally identical with the majority in another, which is often its neighbour; sympathizes with its sufferings and is prepared to go to great lengths, sometimes even to the length of war, in order to right them. Where national minorities exist in large numbers, their existence thus gives rise to a very grave international problem. This is the case to-day in particular, in central and eastern Europe. The causes which have made the problem particularly acute in this area are complex, and have their roots for back in history, and in conditions which may seem to have little bearing on the position in twentieth century. Nevertheless, the historical development of the question is worth examining in some detail, not only in order to explain the situation of to-day, but also in the hope that the past may afford a clue to solve the problems of the present and the future.

اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

" موجودہ حالات میں، ان سب کی نسبت اکثر اوقات، میناریٹی اور میجارٹی میں زندہ قومی ضمیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت (میناریٹی اور میجارٹی میں) مقابلہ حقیقتاً بہت شدید ہوتا ہے۔ اور قومی میناریٹیوں کا مسئلہ اولین قومی اہمیت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

ان حالات میں میجارٹی کی حکومت جو اکثر اوقات جمہوریت کے نام پر کی جاتی ہے۔ حقیقی تعدی بن جاتی ہے۔ یہ اسفل ترین چیز ہے جو اعلیٰ ترین کو بگاڑنے سے بنی ہے۔ جمہوریت ان معاملات کے انصرام کا دعویٰ کرتی ہے۔ جو مشترکہ طور پر جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس جماعت کا بہترین مفاد پیش کرتے ہیں۔ اس لئے عدل کے نام پر چند کی خواہشات، اکثروں کی خواہشات کے تابع ہو جانی چاہئیں۔ لیکن ملی ریاست میں جو اپنی قومی تہذیب کو قومی میناریٹی پر تھوپنے کی کوشش کرتی ہے۔ میجارٹی اس مشینری کا بے جا استعمال کرتی ہے جو ان کے مشترکہ معاملات کو چلانے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ چونکہ وہ اس مشینری کو ایسے معاملات پر استعمال کرتی ہے جو اپنی تعریف کی رو سے مشترکہ نہیں ہیں۔ لارڈ ایکٹن کے الفاظ میں (کتاب آزادی کی تاریخ و دیگر مضامین میں قومیت پر مضمون، ۱۹۰۷ صفحہ ۲۹۷)

قومیت خود ہی قومیت کے حقوق کی سب سے بڑی مخالف بن جاتی ہے۔ نظریہ میں ریاست اور قومیت کو ایک دوسرے سے مطابقت دینے کے بعد، بڑی قومیت ان تمام قومیتوں کو جو اس کی حدود کے اندر واقع ہوں، عملی طور پر محکومانہ حیثیت دے دیتی ہے۔ قومیت محکوم قومیتوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ حاکم قوم کے ساتھ مساوات حاصل کر سکیں جو ریاست کی مالک ہے۔

چونکہ اس صورت میں 'ریاست' قومی صفت سے متراً ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات اس کی زندگی کے اصول کی تردید ہے۔ چنانچہ اس آدمیت اور تہذیب کے درجہ کے مطابق جو اس غالب فرقہ میں موجود ہوتی ہے۔ جو اس ساری جماعت کے تمام حقوق کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ ادنےٰ نسلیں (رعیتی جماعتیں) یا تو نابود ہو جاتی ہیں، یا غلامی اختیار کرنے پر مجبور کی جاتی ہیں۔ یا ان کو خلاف قانون یا بیرون از قانون قرار دیا جاتا ہے، یا ان کو ماتحت حیثیت میں رکھا جاتا ہے۔

نیشنل بنیاٹی کے نزدیک اوقات حقیقتاً بہت تلخ ہوتے ہیں۔ تلخ اس لئے ہوتے ہیں کہ سب سے پہلے تو اس سے اپنی آزاد حکومت کے اوقات بنانے کا موقع ہی چھین لیا جاتا ہے۔ جس کی خواہش دور جدید کی تمام قوموں کے سینے میں ہے۔ اسے اپنی قومی ریاست بنانے سے روکا جاتا ہے۔ اور غالباً وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سیاسی ادارے کا ممبر ہونا اس کے لئے فطری بھی ہے اور پسندِ خاطر بھی۔ لیکن اگر وہ ریاست جس کا ایک ممبر بننے پر اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ کسی دوسری قومیت کی قومی ریاست ہے۔ تو یہ حالت اس کے لئے دوچند عذاب الیم بن جاتی ہے۔ وہ تعریف کی رو سے ان تمام مخصوص امیدوں اور آشاؤں سے بیگانہ ہوتا ہے۔ جن کی بنا پر وہ جماعت تعمیر کی گئی ہے جس میں اس نے اپنی تمام پبلک لائف گذاری ہے۔ یہ (غالب) جماعت اس لئے وجود میں آئی کہ وہ چند مخصوص مقصدوں کو ترجیت دے کر بڑھنے اور پھیلنے دے اور ان کی آزادی کی حفاظت کرے۔ یہ نصب العین اس (ادنیٰ جماعت کے فرد) کے نہیں ہیں۔ میجارٹی کے ارکین جس قدر وسعت کے ساتھ، اپنی ریاست کی وساطت سے اپنی قومی شخصیت کے اظہار میں خوشی مناتے ہیں۔ اتنا ہی زیادہ محکوم جماعت کا فرد اپنا اخراج کی تلخی محسوس کرتا ہے۔ اپنے بہترین حقوق کی بنا پر وہ صرف "دوسرے درجہ کا شہری" بن سکتا ہے۔ جس طرح کہ زار کے زمانے کا روس یہودیوں اور سائبیریا کے تیم وحشی قبائل کو شمار کرتا تھا۔ یہ سائبیریا کے قبائل اپنی شہریت کے سارے کے سارے ایک پہلو سے محروم کر دیئے گئے۔ اور یہ پہلو کسی صورت سے اپنی نجابت میں کم نہیں۔

اور نہ صرف یہ کہ یہ صورت حالات ان افراد کے لئے جن پر یہ وارد ہوتی ہے۔ عذاب جان بن جاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ یہ امر دائمی طور پر

بین الاقوامی بے چینی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہے۔ کہ ایک ریاست کی مینارٹی اکثر اوقات دوسری ریاست میں بھاری کی قومی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ ریاستیں اکثر ہمسایہ ہوتی ہیں۔ یہ ہمسایہ طاقت مینارٹی کی تکالیف میں اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ اور ان تکالیف کو رفع کرنے کے لئے بہت دور افتادہ طریقے اختیار کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ جنگ پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ جہاں کہیں قومی مینارٹیاں زیادہ تعداد میں موجود ہوتی ہیں۔ ان کی موجودگی سے بہت سنگین بین الاقوامی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ وسطی اور مشرقی یورپ میں آجکل خاص طور پر یہی صورت حالات ہے۔ وہ اسباب جنہوں نے اس مسئلے کو خاص طور پر شدید بنا دیا ہے، پیچیدہ ہیں ان کی جڑیں بہت قدیم تاریخ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور ایسے اسباب سے شروع ہوتی ہیں جن کا تعلق بیسویں صدی کے حالات سے بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس سوال کا تاریخی ارتقاء کسی حد تک تفصیلات کے ساتھ، قابل امتحان ہے۔ نہ صرف اس خیال سے کہ ہم موجودہ حالت کی تشریح کر سکیں۔ بلکہ اس امید میں کہ گذشتہ سے ہمیں موجودہ اور آئندہ کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کوئی سراغ مل جائے گا۔"

جب آئینی حکومت میں مسلمان، مینارٹی قوم قرار دیا جائیگا

ہیکارٹنی جیسے ماہر فن کی رائے سننے کے بعد مزید حجت کی کوئی جگہ نہیں رہتی۔ مسلمان مینارٹی میں ہیں۔ ہندو بھی یہی کہتا ہے۔ اور مسلمان کچھ اس بات کو اب سمجھتا ہے۔ مگر اچھی طرح سے نہیں سمجھتا ہے باقی کا اسوقت سمجھے گا۔ جب وہ مرکز میں مینارٹی قرار دیا جائیگا۔ جب وہ گھر لٹا کر تماشہ دیکھے گا۔ اور

نہ لٹتا دن میں تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا   رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو   غالب

جو سوتے ہوئے مرد کا متاع اٹھا کر لے جائے تو قابل افسوس بات ہے۔ کہ مرد نے اسکی حفاظت نہ کی۔ راہزن دن دہاڑے ڈاکہ مار کر متاع چھین لے تو مرد کے لئے اس سے زیادہ قابل افسوس بات ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا اور مدافعت نہ کی لیکن مرد جب یہ سب کچھ سمجھتے ہوئے اپنا متاع اپنے ہاتھوں سے دوسرے کے سپرد کر دے۔ تو اس سے زیادہ قابل افسوس بات ہے کہ اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا۔ اور گذر گیا سانپ اب لکیر پیٹا کر۔ ایک تو نقصان مایہ دوسرے شماتت ہمسایہ۔ یار لوگ جب اس وقت نہیں گے اور حماقت کے طعنے دیں گے۔ تو کوئی دلیل بھی کارگر ثابت نہیں ہو گی۔ چونکہ خود کردہ را علاجے نیست

ہم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہندو کے ارادے کیا ہیں۔ مقالہ ۱۱ ہندو کا پروگرام "آبادی کی نسبت کے لحاظ سے ایک نشست بھی زیادہ مسلمان کو دینے کو تیار نہیں۔ ایسے تنگ نظر لوگوں سے جنہوں نے صدیوں تک حکومت نہیں کی۔ جن کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حکومت کے اصول کیا ہیں۔ راعی اور رعایا کے تعلقات کیا ہوتے ہیں۔ براہمن اور بنیئے جن کا کام کتھا کرنا۔ اور پوتھیاں بانچنا۔ وہ اس فراخدلی اور وضع داری کو کیا جانیں جس کا حاکم قوم کے دماغ میں موجود ہونا لازمی ہے۔ مسلمانوں نے ساتویں صدی سے دنیا کے بڑے بڑے خطوں پر حکومت کی ہے۔ ہندوستان کے مختلف رقبوں پر ایک ہزار عیسوی سے لیکر آج تک حکمران ہیں شہنشاہ ہندوستان ظل الٰہی فرمانروائے بحر و بر۔ ان القابوں کے سننے کے ساتھ ہی حاکم کا دل اتنا فراخ ہوجاتا ہے۔ کہ وہ غیر مسلم محکوم کو ہر ممکن رعایت دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ میں افغانستان کا بہت سا حصہ گھوما ہوں اور سرعلاقے میں مسلمان ہندو کی حفاظت کرتا ہے اسپر کبھی خود حملہ نہیں کرتا۔ اور دوسروں سے اسکی حفاظت کرتا ہے۔ پوچھو تو کہتے ہیں۔ غریب ہندو ہے۔ ہمارا زیردست ہے۔ اسپر کیا زبردستی کریں۔ ہمیں شرم آتی ہے۔ اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور خدانخواستہ کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر کوئی پٹھان کسی بنیئے کو اندھیرے سویرے میں اکیلا پکڑ لے تو بنیا فوراً کہتا ہے۔ خان صاحب ہم تو تمہارے مجبور خادم ہیں ہم مقابلہ نہیں کرسکتے کسی ایسے کے ساتھ مقابلہ کرو جو آپ کی ٹکر کا ہو۔ اور مسلمان فوراً شرمندہ ہوجاتا ہے۔ حاکم قوم کا ذہنی انصاف اسے شرمسار کردیتا ہے اور وہ ہندو کو ایذا دینے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ میں اب بہاولپور میں ہوں تو کبھی کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔ یہ کہنے کا کہ چونکہ بہاولپور اسلامی ریاست ہے اس لئے ہندوؤں کو ڈر کر یا دب کر گذارہ کرنا چاہیئے۔ مگر کشمیر میں میرے کانوں نے سنا ہندوؤں کا جلوس گذر رہا ہے۔ ایک گروہ بازار میں ناچتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں فٹ فٹ بھر کے ڈنڈے ہیں جن کو وہ اپنے سروں پر پھراتے اور اُن کی [illegible] پر ناچتے ہیں اور جب ذرا رقص سے دم لیتے ہیں تو نعرہ لگاتے ہیں۔ "ہندو راج کی جے" فرمایئے مسلمان رعایا کے لئے کس قدر دل آزاری کی بات ہے۔ اسبات کا مجھ کو اعتراف ہے کہ راجپوت اپنی نسل زبان، عادات اور اخلاق کے لحاظ سے آریا نسل کے براہمن کھتری اور ویش سے مختلف ہے۔ مگر راجپوت ریاستوں میں بھی ساری قوت راجپوت افسروں کے ہاتھ میں نہیں اور پھر رعایا میں راجپوت نسل کے لوگوں کی تعداد کم ہے

آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ہندو کے ارادے کیا ہیں (مقالہ ۱۱ ہندو کا پروگرام) اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ہندوستان کی

حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد وہ کیا کرے گا (مقالہ ۱۰. کانگرسی راج کی تاریخ) اب جو حقائق سے انکار کرے اور معاملہ اس درجہ شفاف بن جانے کے بعد کہ اس کے آر پار دیکھا جا سکے. وہ اپنے آپ کو دھوکا دینا چاہے کہ نہیں جب ہندو میجارٹی بن جائے گا تو مسلمان سے اچھا سلوک کرے گا. صاحب فہم تو یہی کہے گا کہ اس کے دماغ کا پیچ ڈھیلا ہے. یا اس پر کسی دیوی کا سایہ ہے یا یہ ہندو سرمایہ دار کے طلائی دستِ گراں بار کے نیچے دبا ہوا ہے. یا اسکا کوئی معاملہ ایسا پھنسا ہوا ہے. کہ اس نے اپنی زبان بندی کرلی ہے. یا اس درجہ بزدل ہے کہ سچی بات کہنے سے ڈرتا ہے.

جس جماعت کے ہاتھ میں حکومت ہو وہ بہت کچھ کر سکتی ہے

ایک بات کا واضح کر دینا ابھی سے ضروری ہے جب حکومت کسی جماعت کے ہاتھ میں ہوتی ہے. تو اس جماعت کے لئے بہت سے کام کرنے کا امکان ہوتا ہے. جو وہ جماعت حکومت کے بغیر سر انجام نہ دے سکتی. آج ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت انگریز کے ہاتھ میں ہے تو انگریزی حکومت کے حکم کے مطابق ماتحتوں کو سب کام کرنا پڑتا ہے. ہندوستانی انگریزی حکومت کے خلاف اپنی آزادی کے لئے کوشش کرتا ہے. تو ہندوستانی افسر جو پولیس کا ملازم ہے اس کو پکڑتا ہے. ہندوستانی میجسٹریٹ اس کو قید کا حکم دیتا ہے اور ہندوستانی جیلر اس کو قید میں رکھتا ہے. اسی طرح سے حکومت جب ہندو کے ہاتھ میں آ جائے گی. تو قانون کی فرمانبرداری اپنی نوکری اور افسروں کو خوش کرنے کے لئے مسلمان مسلمان کو پکڑے گا. اسکو قید کرے گا. اور اسطرح سے ہندو کی امداد کرے گا. قانون کا دستور ہی کچھ ایسا ہے.

یہ ظاہر ہے کہ ہندو میجارٹی ایسے قانون بنلے گی جو اس کے لئے مفید مطلب ہوں. اور کیوں نہ بنائیں ان کو اسبات کا حق حاصل ہے اور ہر کوئی اپنی بہتری چاہتا ہے. مسلمان نیبارٹی میں ہوں گے حکومت ہندو کے ہاتھ میں ہوگی. ہندو اپنی پالیسی اسطرح کی رکھے گا کہ مسلمان ایک تو ہمیشہ زیر دست رہے. اور دوسرے اس کی قوتوں میں انحطاط پیدا ہو تا جائے. تاکہ آئندہ اس میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہے. تہذیبی. مذہبی. سماجی ہر طرح کی تخریب پیدا کر دے گا. اور چونکہ قانون کا وضع کرنا اس کے ہاتھ میں ہوگا. قانون. امن. اور حکومت کے نام پر ایسے قوانین بنالینا اس کے لئے بہت آسان کام ہوگا.

مسلمان کو تمام صوبوں میں نیبارٹی بنانے کی تجویز. منجملہ ان اصلاحات کے جو ہندو گورنمنٹ نافذ کریگی

بہتر انتظام سلطنت کے نام پر ایک یہ ہوگی کہ ہندوستان کی صوبوں میں تقسیم نئے سرے سے کی جائے۔ اس تقسیم کے لئے کئی بہانے ہو سکتے ہیں۔ زبان ان علاقوں میں ایک ہو۔ مالیہ زیادہ آئے گا۔ رقبہ یکساں ہو جائے گا۔ تہذیبی رقبے یکجا ہو جائیں گے۔ حکومت زیادہ مؤثر ہو جائے گی۔ غرض ہزاروں بہانے اور سینکڑوں دلیلیں۔ پیچھے ہندوستان کی ایک تقسیم میں نے کر دی ہے۔ یہ ایک دماغ کا کام ہے اور کانگرس کے مرکزی ادارے میں تو بیسیوں افلاطون بیٹھے ہیں۔ جو ایسی تجویزیں دن رات سوچتے رہتے ہیں۔ شمال مغربی خطہ جو کراچی اور لاہور سے اوپر ہے۔ وہ مسلمانوں کو دے دیا۔ اس میں وہ جو چاہیں سو کریں۔ یہ علاقہ ہندو کے اقتدار سے باہر ہے۔ اور اس پر ہندو کے قبضہ جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے اسکو عضو بیکار سمجھکر کاٹ دیا۔ باقی سارے ہندوستان میں ہندو حکومت قائم ہو گئی۔ جو ہندو مرکز کے ماتحت ہوگی۔ سندھ کے ساتھ راجپوتانہ اور گجرات ملایا تو مسلمان اقلیت بن گیا۔ بنگال کو کاٹ دیا۔ مشرقی حصہ آسام کے ساتھ ملا دیا۔ اور مغربی حصہ میں بہار کا کچھ حصہ شامل کر دیا۔ مسلمان یہاں بھی اقلیت میں ہو گیا۔ ہندوستان کے سب صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہو گئی اور مرکز میں تو پہلے ہی اقلیت تھی۔ تبا د جمہوری لحاظ سے مسلمان کی حیثیت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ اور جب حکومت ہاتھ میں آجائے تو آئینی طور پر یہ کام کرنا ہندو کے لئے بہت آسان ہے۔ ہندوستان کو نئے سرے سے تقسیم کرنے کا پروگرام ہندو جماعت کے ذہن میں موجود ہے۔ لالہ لاجپت رائے نے ۱۹۲۴ء میں ہندو مسلم اتحاد کی ۱۲ شرطیں پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اکثریت کی حکومت کو مؤثر بنانے کے لئے پنجاب کو دو صوبوں میں تقسیم کیا جائے۔ کانگرس کے پروگرام میں بھی یہ شامل ہے۔ کہ ہندوستان کی تقسیم صوبوں میں نئے سرے سے کی جائے۔ اور رقبوں کے لسانی حالات کو اس تقسیم میں اہمیت دے دی جائے۔ یہ مسلمان کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اسوقت اتفاق سے صوبوں کی تقسیم ایسی ہے۔ کہ بعض رقبوں میں مسلمان کی اکثریت ہو گئی ہے۔ اس اکثریت سے جمہوری اصولوں کے مطابق فائدہ اٹھانے کا وقت ہے۔ اگر اسے ہاتھ سے کھو دیا گیا۔ تو پھر پتہ نہیں زمانہ کیا رنگ بدلے۔

ہندو راج میں ہندوستان کی حالت۔

اب ہم کانگرس کے پروگرام کا دوسرا حصہ لیتے ہیں۔ جب کہ تمام ہندوستان پر ہندو راج کا راج قائم ہو جائے گا۔ اور میجارٹی کے زور پر کانگرس جو چاہے قانون بنا سکتی ہے۔ سارے ہندوستان کی زبان ہندی ہو گی۔ جس میں سنسکرت زبان اور سنسکرت
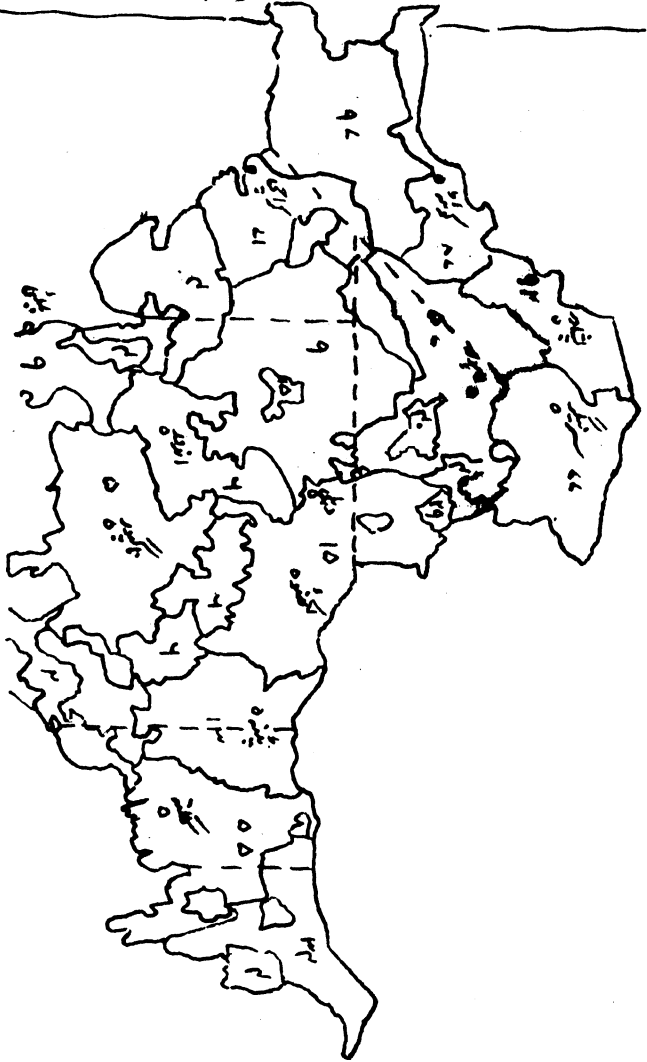
ادب کی روح رقص کر رہی ہو گی۔ ہندو مسلمان سب کے دلوں میں ویدک تہذیب پرورش پائے گی۔ سکولوں میں سب کو سرسوتی پوجا کرنی پڑے گی۔ تیوہار سب ہندو ہونگے۔ دفتروں کی زبان ہندی ہو گی۔ اسکا مطلب ہو گا کہ ہمارا طریق فکر اور نظریہ حیات بدل جائے گا۔ ہم مختلف طریقے سے سوچنے لگیں گے۔ ہم اسلامی زاویہ نگاہ سے اشیا کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ بلکہ ہندو طرز تصوّر سے۔ وہ اسلامی روح جو ہمارے دلوں میں کارفرما ہے۔ وہ فنا ہو جائے گی کسی قوم کی تہذیب صرف اس کی طرز معاشرت۔ زبان رسوم اور آداب کا ہی نام نہیں۔ بلکہ تہذیب اس خاص ذہنیت اور زندگی کے زاویہ نگاہ کا نام ہے جو اس قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ زبان رسوم وغیرہ اس ذہنی کیفیت کے مادی مظاہرے ہیں۔ تو جب وہ مخصوص ذہنیت ہی موجود نہ رہی اگر رسم الخط اور زبان قائم بھی رہی تو کس کام کی۔ اگر مسجدیں اور خانقاہیں موجود بھی ہوں لیکن اسلامی دل موجود نہ ہو تو ان پتھروں سے اسلام زندہ نہیں رہ سکتا۔

ذہنیت میں تبدیلی

اور یہ بات بھی آپ کو صاف طور پر سمجھ لینی چاہیئے کہ علم النفس کی رو سے جب کسی قوم کی ذہنیت بدل جاتی ہے۔ تو اس ذہنیت کے مادی مظاہرے، زبان آداب وغیرہ ازخود بدل جاتے ہیں۔ یعنی ہم اپنی طرز معاشرت۔ رسم الخط اور آداب کو خود بدل دیں گے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ اس فرسودہ اور بیکار طریق زندگی کو بدل کر ہمیں اپنے آپ کو نئے ماحول کے مطابق بنا لینا چاہیئے۔ یہ چیزیں خارجی کوشش کے بغیر ازخود بدل جاتی ہیں اور حقیقتاً یہی ہے جو کانگرس کرنا چاہتی ہے۔ ذہنیت میں یہ تبدیلی آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طریقے پر ہوتی ہے۔ اور اس میں کچھ عرصہ لگتا ہے۔ اگر ابتدا اور انتہا کو دیکھا جائے تو فرق نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن روز بروز اور سال بہ سال کی کیفیت کا مطالعہ کیا جائے تو فرق ناقابل اعتناء دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ تہذیبی روح اور طریق فکر کوئی مادی چیز تو ہے نہیں جس کا مٹنا ہماری آنکھوں کو دکھائی دے۔ گویا یہ تبدیلی ہوتی ہے اور غیر محسوس طریقے سے ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی تہذیب کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس تبدیلی سے بچنا لازمی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ مسلمان ہندوستان میں اپنا وطن الگ بنا لے جہاں اسلامی تہذیب پرورش پائے۔ اسلامی نظریہ حیات کی نشوونما ہو اور مسلمان اپنے حقوق کی خود حفاظت کر سکے۔ اس وطن کا نام پاکستان ہے۔

حاکم ہندو محکوم مسلمان علاقوں کو ہر طرح سے دست نگر رکھے گا

الغرض بھارت میں اسلامی علاقے ہندو

مرکزی بیجارٹی کے ماتحت ہوں گے۔ ہندو ان علاقوں کو اپنے ماتحت علاقے شمار کرے گا۔ جس طرح سے کہ وہ ملان کو اپنی ماتحت
میناٹی شمار کرتا ہے۔ آیئے اب ذرا دیکھیں کہ اقتصادی طور پر ان ماتحت علاقوں کی حالت کیا ہو جائے گی۔ اس کے لئے ہم یہ دیکھتے
ہیں کہ انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان کی اقتصادی حالت کیا کر دی۔ یورپ کی دیگر طاقتوں نے دنیا کے دیگر
علاقوں میں یہی کیا۔

ہندوستان کی آزاد تجارت کو کچل دیا گیا۔ ڈھاکے کی ململ کا خاتمہ اس طرح سے کیا۔ پہلے تو اس پر بھاری ٹیکس لگا یا گیا۔ پھر اس کا انگلستان
میں اسکا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ اس طرح سے لنکا شائر کے کپڑوں کے کارخانوں کی امداد کی۔ اور اب ساری دنیا میں لنکا شائر سے بنا ہوا کپڑا
چلتا ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ دنیا کے مختلف کونوں سے خام اجناس سات ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے انگلستان پہنچتی ہیں۔ لنکا شائر میں
روئی۔ ڈنڈی میں سن۔ برسٹل میں تمباکو۔ وہاں سے مصنوعات کی شکل میں تبدیل ہو کر پھر یہ سات ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہیں۔
اور دنیا کے کونوں میں چلی جاتی ہیں۔ اور وہاں پر ملکی مصنوعات کی نسبت سستی بکتی ہیں۔ آخر اس میں کوئی تجارتی بھید تو ہے۔
حکومت خام اجناس کو ایک خاص بھاؤ پر خریدنے کی اجازت دیتی ہے۔ برطانیہ کی مصنوعات کو خاص تجارتی مراعات دی جاتی
ہیں۔ اور اس لئے مارکیٹ میں کم داموں پر بیچ دی جائیں تو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

یہ محکوم قوم کی مجبوریاں ہیں۔ جب تک قوت اور سیاسی نظام غیر کے ہاتھ میں رہے گا۔ حاکم جس طرح سے چاہے گا اپنے
مفاد کی تدبیریں سوچے گا۔ ہندوستان کی صنعتی قابلیت مردہ نہیں ہو گئی۔ اور یہ نہیں کہ صرف ایک خاص ملک کے باشندے ہی
ان مصنوعات کو بنا سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہندوستان کو صنعت کے میدان میں ترقی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ نہ ہندوستان کے تجارتی جہاز
ہیں اور نہ ان جہازوں کی حفاظت کے لئے کوئی سمندری بیڑا۔ جاپان نے جب منچوریا فتح کیا۔ تو وہاں اسی طرح کا تجارتی نظام
جاری کر دیا۔ ملک کی تمام خام پیداوار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور ساختہ مصنوعات سے منچوریا کے بازار بھر دیئے۔ اس پر یورپ کے
سیاست دان چیں بہ جبیں ہو گئے۔ مگر یہ گر تو جاپان نے یورپ سے سیکھا تھا۔ اس لئے اعتراض کیا کریں۔ کرنل ایمری نے جو وزیر ہند
کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ۱۹۳۳ء میں کہا۔ "ہم میں سے کون ایسا ہے جو سب سے پہلے اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ اور یہ کہے
کہ جاپان کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ جس کا مقصد یہ ہو تا کہ منچوریا میں امن و امان قائم ہو جائے۔ اور زرد روچینی قومیت

کی مستقل چڑھائی کے خلاف وہ اپنی مدافعت کر سکے (مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور منچوریا کو بالکل مجبور بنا دیا ہے۔) اگر ہم جاپان کو قصور دار گردانتے ہیں تو ہندوستان میں ہماری ساری پالیسی اور مصر میں ہماری ساری پالیسی قصور وار گردانی جاتی ہے" جو کوئی صاحب اقتدار ہوگا۔ وہ اپنی بہتری کے لئے ایسا ہی کرے گا۔ اگر پاکستان نہیں ہوگا تو ہندوستان کے مسلمان علاقے دب جائیں گے۔ اور ان کی اقتصادی حالت کمزور ہو جائے گی۔

مقالہ ۱۵

پاکستان میں آزاد قومی حکومت کے فرائض

آزاد وطن کی خوبیاں

دبی نہ رہیں شعلۂ بیباک کے اگر ہو مقام | جہاں نہ آہ جہاں سوز کو ملے آرام
وہ سرزمیں کہ جو ویرانۂ ترمزار سے ہو | چمن ہو ایسا کہ نا آشنا بہار سے ہو
فلک زدہ ہو وطن جسطرح شکستہ رباب | کہ جسپہ گرنے کو رہتی ہوں بجلیاں بیتاب
جہاں سراب تمدن کی محفلیں معدوم | جدید دور کی آسائشیں ہوں نامعلوم
جہاں چشمۂ زندگی تاب بربادی | اگر ملے مجھے ایسے وطن میں آزادی
وہ حریت کے بنے، آب سرو، آب حیات | ہو اسے روح میں بالیدگی، اثر کو ثبات
زبان و فکر کی قسمت میں قدر و قیمت ہو | مرے نصیب پہ حاصل مجھے حکومت ہو
تو اس پہ جنت و غلماں نثار کردوں گا | نثار ایسی خزاں پہ بہار کردوں گا (ناموس)

کوئی قوم اگر یہ چاہتی ہے کہ بڑھے پھولے اور پورے طور پر نشو و نما پانے کے بعد معراج ترقی کو پہنچے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اپنی حکومت ہو۔ دور جدید کے بعض محققین نے تو قوم اور سلطنت کو مرادف شمار کیا ہے۔ ماتحت قوم مجبور و بیچارہ ہے اس کا دین آقا کا حکم۔ اس کا پروگرام بالادست قوم کی خدمت۔ اس کے قومی ذرائع اور قدرتی پیداوار غیر قوم کی تعمیر میں مصروف۔ اسکا دل کسی کا آلۂ کار اور دماغ افسر کی خرید کردہ جاگیر۔ غلام قوم کی پوچھتے ہو تو

پیر مرداں از فراست بے نصیب | نوجواناں از محبت بے نصیب

شرق و غرب آزاد و ما نخچیر غیر	خشت ما سرمایۂ تعمیر غیر
زندگانی بر مراد دیگراں	جاوداں مرگ است نے خواب گراں
نیست ایں مرگے کہ آید از آسماں	تخم او می بالد از اعماق جاں

(اقبال۔ پس چہ باید کرد۔ صفحہ ۴۲)

حاکم قوم جماعتوں سے وطن چھین لیتی ہے۔

قوم چھوٹی ہو یا بڑی اس کے لئے قومی وطن کا ہونا ضروری ہے۔ گویا ملک اور باشندے دو حصے ہیں، اس سیاسی جماعت کے جس کو ریاست کہتے ہیں کسی سیاسی جماعت کی زندگی ملک کے بغیر ناممکن ہے۔ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔ اور جب تک اس قوم کے پاس قومی وطن نہ ہو۔ یہ سیاسی جماعت غیر مکمل ہے۔

ذرا غور فرمایئے، حکمران قوموں نے اپنی شمشیر کے زور سے اور تدبیر کے ہاتھ پر کرۂ ارض کے بعض علاقوں کو کیا سے کیا بنا دیا ہے اگر شمشیر ہاتھ میں نہ ہو تو دماغ میں لاکھ تدبیریں بناؤ ان میں سے ایک بھی کارگر نہیں ہوتی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے امریکہ میں سرخ امریکن آباد تھے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ دونوں میں وہ اپنے نئے پائے سے [illegible] مہذب تھے یا وحشی، پرہیزگار تھے یا بے دین۔ اس سے بحث نہیں۔ چونکہ ان کے نکتۂ نگاہ سے وہ اپنے گھر میں رہتے تھے، اچھے تھے یا برے، تم کو کون سا حق حاصل ہے۔ کہ غیر ملکی فوج بن کر ان کے گھر میں داخل ہو جاؤ۔ کہ ہم تمہیں مہذب بنانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم تمہیں بزور شمشیر مہذب بنائیں گے۔ اور تمہیں اس بہانے سے محکوم بنائیں گے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ یہ کون سی الہامی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ ایک من گھڑت دلیل ہے۔ جو دوسروں کو محکوم بنانے کے لئے گھڑ لی گئی ہے۔ سرخ امریکن قوم کبھی سارے امریکہ میں آباد تھی۔ ان کی وہاں بستیاں تھیں، شہر آباد تھے۔ آزادی کی زندگی گزارتے تھے۔ یورپ کی نگاہ پڑی یہ لوگ چھٹے۔ یورپ کے سفید فام انگریزوں نے امریکہ کو اپنا وطن بنانا شروع کیا۔ قافلے در قافلے یورپ سے لد کر امریکہ چلے گئے۔ جہازوں کے جہاز عورتوں مردوں سے بھرے ہوئے امریکہ گئے وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آج یہ حالت ہے کہ سرخ امریکن قوم دنیا سے معدوم ہو رہی ہے ان کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور سارا امریکہ (شمالی اور جنوبی) سفید قوم کا امریکہ کہلاتا ہے۔ سرخ امریکن وہاں غلاموں کی طرح ہیں جن کی کوئی آواز

نہیں۔ ان کا وجود نہ ہونے سے بدتر ہے۔ یہ ذلت کی حیات اور گمنامی کی زندگی بنی نوع انسان کے لئے ننگ ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو کبھی امریکہ کے مالک تھے۔ آجکل آبادی کے لحاظ سے ان کی ہیجانی مرکزی امریکہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں گوانٹی مالا، ہانڈورس اور نکراگوا میں ہے۔ اور جنوبی امریکہ میں ایکوے ڈور، پیرو اور بولیویا میں۔ ان تمام ریاستوں کا رقبہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے مجموعی رقبہ کا شاید بیسواں حصہ ہوگا۔ صرف میکسیکو میں سُرخ امریکنوں نے بڑی دقتوں کے بعد سفید قوم کے ساتھ مساوات حاصل کرلی ہے۔ قانون اور سماج کے لحاظ سے سرخ آدمی کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو سفید آدمی کو ہے۔ ذرا سوچیے کہاں شمالی اور جنوبی امریکہ دونوں کی امارت اور کہاں یہ اپنے وطن میں غربت۔

اس پر حاکم قوم کی زبردستی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ کیجیے۔ اصل میں حبشی قوم کا ملک رہائش افریقہ ہے۔ امریکہ میں کوئی حبشی نہ تھا۔ سترویں صدی سے لیکر انیسویں صدی تک غلاموں کی تجارت جاری رہی۔ شمالی اور جنوبی امریکہ میں لاکھوں حبشی غلام داخل کردیے گئے۔ ان میں سے بعض انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی یا پرتگالی بولتے ہیں۔ آج امریکہ کے ان علاقوں میں حبشیوں کی یا تو بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ یا ان کی ہیجانی ہے۔

ریاستہائے متحدہ کا جنوب مشرقی حصہ۔ وسطی امریکہ کے جزیرے۔ وینزویلا۔ برطانوی گنی جنوبی امریکہ کے مرکزی حصوں میں ان کی آبادی ۱۰ اور ۳۳ فیصدی کے درمیان ہے۔ اب ذرا سوچیے یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ کہ ایک قوم کا وطن چھین کر دوسری قوم کے حوالے کردیا جائے۔ اور انہیں گھر سے بے گھر بنا دیا جائے۔ اگر کوئی تمہارا جھونپڑا چھین کر دوسرے کے حوالے کردے اور تم ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم، خاموش دیکھا کرو تو تمہیں کس قدر صدمہ ہو۔

اس سیاسی ظلم کی اس سے بدتر مثال آج کا فلسطین ہے۔ فلسطین کے باشندوں نے ۱۹۱۴ - ۱۹۱۸ کی لڑائی میں ترکوں کے خلاف علم بلند کیا۔ وہ یورپ کے سیاسی فریب میں آگئے اور آزادی کے خواب دیکھنے لگے۔ آزادی تو یہ ملی کہ ترکوں کی بجائے ان پر یورپائی اقوام نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ مگر دوستوں کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ پارٹی بنانے کا مزا چکھ لیا۔ فلسطین میں یورپ اور امریکہ نے بزور شمشیر یہودیوں کو بسایا ہے اور ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ ایک دن ان کی ہیجانی بن جائے گی۔ اور اصل باشندے گھر سے بے گھر ہوجائیں گے۔ یورپ کی اقوام نے آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ افریقہ۔ امریکہ ساری

دنیا میں یہی کیا جہاں کہیں آب وہوا نے اجازت دی اور ممکن ہوسکا اپنی نو آبادیاں قائم کرلیں اور وہاں کے باشندوں کو یا تو نکال دیا یا غلام بنا لیا۔

The International Geography by Seventy Authors-- edited by Hugh Robert Mill, MacMillan & Co. Ltd., London, 1909, P. 108.

یورپ کی حاکم اقوام کے نختۂ نگاہ سے " دنیا کی تاریخ کے موجودہ دور میں منطقہ حارّہ کے ممالک کے متعلق سب سے ضروری معاملہ یہ ہے کہ وہ سفید اقوام کے لئے کس حد تک قابل رہائش ہیں۔ وہ بالادست اقوام جو منطقہ معتدلہ میں رہنے کی عادت اختیار کرچکی ہیں۔ اب تک ہندوستان اور منطقہ حارہ کے افریقہ میں، سفید قوموں کے لئے یہ ممکن نہیں ہوا کہ وہ ان ممالک میں نو آبادیاں قائم کرلیں۔ لیکن صرف یہ ہوا ہے کہ وہ عارضی طور پر بطور تاجر یا دیسی باشندوں کے حکمران بن کر ان ممالک میں رہیں" جب سفید قوموں کا پروگرام یہی ہے تو رنگین قوموں کو بیوقوف نہیں بننا چاہیئے۔

ان حاکم قوموں کو الزام دینا ایک خیال سے کم علمی کی دلیل ہے۔ اس دنیا میں زور آور کا قانون یہی ہے۔ تم کمزور کیوں بنتے ہو۔ قوت پیدا کرو۔ نہ تم پر کوئی حاکم ہو۔ نہ تمہیں برباد کرے۔ عربوں نے مصر فتح کیا۔ تو وہاں پر قبطیوں کی حکومت تھی۔ اور وہ اپنی زبان بولتے تھے۔ آج مصر میں سب مسلمان ہیں۔ اور وہ عربی بولتے ہیں۔ یہی حال تمام شمالی افریقہ کا ہوا۔ فلسطین شام میں بھی اسیطرح سے عربی نے رواج پایا۔ اور وہاں پر سینکڑوں عرب قبائل جاکر آباد ہوگئے۔ ہندوستان میں آریوں کے وارد ہونے سے پہلے دراوڑ آباد تھے۔ آریوں نے ان کو فتح کیا۔ اور ان سے اچھے اچھے علاقے لے کر وہاں خود آباد ہوگئے۔ مسلمانوں کی باری آئی تو انہوں نے ہندوؤں سے میدانی علاقے چھین کر وہاں اپنی سلطنتیں قائم کرلیں۔ راجپوت فرمانرواؤں نے راجپوتانے اور ہمالیہ کی پہاڑیوں میں اپنی ریاستیں قائم کرلیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو فتح کرکے حکومت اپنے قبضہ میں لے لی۔ جہاں جہاں ممکن ہوا انگریزوں کو آباد کیا اور سفید اقوام کو سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اب اگر ہندو سارے ہندوستان پر قابض ہوجاتا ہے۔ اور اس کی آئینی حکومت کے ماتحت سارے ہندوستان کا علاقہ آجاتا ہے۔ تو وہ مسلمان علاقوں کے ساتھ وہی کرے گا۔ جو فرنگیوں نے امریکہ کے ساتھ کیا۔ جو عربوں نے مصر کے ساتھ کیا۔ اور جو ابتدائی دور میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا۔ وہ تو بلکہ گن گن کر بدلے لے گا۔ اپنے دل کی بھڑاس

نکالے گا۔ اور مسلمان کو کہے گا کہ تمہاری حکومت کا دور گزر گیا۔ آج میرا راج ہے۔ اس لئے میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔

یہ دیکھنے کے لیے کہ پاکستان کی قومی حکومت کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور پاکستان کی قومی حکومت کیا کرے گی۔ ہمیں سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آزاد قومی حکومت کو کون سے طریقے اختیار کرنے چاہئیں تاکہ حکومت بھی کامیاب ہو اور قوم بھی ترقی کرے۔ یہی طریقے پاکستانی حکومت کو اختیار کرنے چاہئیں۔

قوم کے افراد کا ارتقاء

قومی حکومت دو عناصر پر مشتمل ہے۔ (۱) قوم کے افراد یعنی انسان (۲) قومی وطن یعنی ماحول۔ دونوں کو پورے طور پر ترقی دینا قومی حکومت کا فرض ہے۔ پہلے قوم کے افراد کو لیتے ہیں۔ سوسائٹی ہمیشہ متحرک رہی ہے۔ اس بات کا کامل امکان ہے کہ ہم بہتر طریقوں سے سوسائٹی کو زیادہ کامیاب کاموں میں مصروف کر دیں۔ افراد کے دلوں میں خاص اسباب کے ذریعہ ہم نئے خیالات پیدا کر سکتے ہیں۔ سماجی حلقوں میں تبدیلی کرنے سے ہم فرد کی ذہنیت بدل سکتے ہیں۔ تعلیم اور قانون کے ذریعہ ہم ایک جماعت کے نکتہ نگاہ کو بدل سکتے ہیں۔ مناسب طریقوں سے ہم ایک قوم کے اخلاق آداب۔ اور خصوصیات میں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ تربیت سے قومی اخلاق۔ قومی ذہنیت اور قومی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

قومی تنزل کے اسباب

قوم افراد کا مجموعہ ہے۔ فرد مٹ جاتا ہے۔ مگر قوم نہیں مٹتی۔ ایک فرد کو موت کا ہاتھ نابود کر دیتا ہے۔ تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس طرح سے قوم متحرک کیفیت ہے۔ جو بہتے ہوئے دریا کی طرح رواں بھی ہے۔ مگر قائم ہے۔ قوم میں ابتذال پیدا ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں۔ (۱) قدرتی ماحول میں تبدیلی پہاڑ۔ دریا۔ آب و ہوا۔ بارش گرمی بدل جائے۔ اور اسطرح سے زندگی تکلیف دہ ہو جائے۔ (۲) ملک کی طبعی حالت کمزور ہو جائے بیماری یا پلیگ سے لوگوں کی صحت اور اخلاقی حالت گر جائے۔ (۳) لوگوں کی ضمیر کمزور ہو جائے۔ ان کے سامنے کوئی مقصد نہ رہے۔ اور جماعت بے مقصد ہو کر اپنی روحانی قوت کو برباد کر دے۔ (۴) طوائف الملوکی۔ ملک کے بہترین دل و دماغ اس کشمکش میں تھوڑے عرصے کے اندر ضائع ہو جاتے ہیں۔ تمام وقت اور قوتیں جنگ کے تخریبی پروگرام کی نظر ہو جاتا ہے۔ اور تعمیر کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا۔ (۵) باہر سے حملہ۔ جب فاتح ملک میں وارد ہوتا ہے۔ تو قوم کے تمام ذرائع اس کے زیر فرمان ہو جاتے ہیں۔ بہادروں کو تو وہ تباہ کر دیتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ اور کمزوروں کو وہ اپنے کام میں لاتا ہے

چونکہ وہ اس کے ماتحت ہے۔ ان حالات میں قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ دوسرے الفاظ میں اگر ان حالات کو وارد نہ ہونے دیا جائے۔ اگر ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ حالات پیش نہ آئیں تو قوم کو ترقی کرنے کے مواقع ہاتھ آجائیں گے۔

قوم کے ارتقاء کے عناصر

ایک جماعت کے ارتقاء سے ہمارا مطلب مندرجہ ذیل عناصر کا ارتقاء ہے۔
(۱) قوت (۲) قابلیت کارکردگی۔ (۳) حریت (۴) ہم آہنگی

(۱) **قوت**:- ایک جماعت افراد کی تعداد میں بڑی ہو جائے۔ اور اس طرح سے زیادہ قوی ہو جائے۔ اس جماعت کو معدنی پیداوار یا نباتاتی پیداوار کے نئے ذرائع ہاتھ آجائیں۔ یا ان ذرائع کو جو پہلے سے موجود ہوں، بہتر کر لیا جائے۔ یا انسانی قوت اور قدرتی پیداوار کی قوت۔ دونوں میں اضافہ کیا جائے۔

(۲) **قابلیت کارکردگی**:- مگر ایک بات کو ہمیں نہیں بھولنا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ جب قوت کی مقدار بڑھ جائے تو جماعت زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ بلکہ جماعت اسوقت زیادہ قوی ہو جاتی ہے جب کہ اس قوت کو جماعت کی بہبودی اور ارتقاء کے لئے زیادہ مفید طریقوں سے استعمال کیا جائے۔ جماعت اس قوت کو جس کام کے لئے چاہے استعمال کرے۔ حصول دولت۔ قوت۔ علم۔ ادب۔ ہنر وغیرہ

(۳) **آزادی**۔ مگر ذاتی آزادی اور ضمیر کی آزادی کے بغیر قابلیت کارکردگی غیر مکمل رہ جاتی ہے۔ آزادی سے انسانوں کے دل میں وہ جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے دماغی قوتیں ترقی کرتی ہیں۔ اور مرد مشکلات کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تفکر کی تعمیر آزادی کے بغیر ناممکن ہے۔ ایسا ادارہ جس میں ذہن انسانی دلی خواہش کے زیر اثر سر جوڑ کر کام کریں بہت زیادہ قابلیت کارکردگی رکھتا ہے۔ بہ نسبت ایسی انجمن کے جس میں اراکین استبداد کے ماتحت ہوں اور انہیں جماعت کا ممبر بننے پر مجبور کیا جائے۔

مگر اس آزادی میں یہ اندیشہ بھی لگا رہتا ہے۔ کہ ہر فرد دماغی کیفیت کے لحاظ سے بالکل آزادانہ حیثیت اختیار نہ کر لے اس صورت میں جماعت جماعت نہیں رہتی بلکہ برسر پیکار قوتوں کا ہجوم۔ یہ قوتیں آپس میں ٹکرا کر ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بعض بعض اوقات جماعت کے افراد کو اگر تابعداری پر مجبور کیا جائے۔ تو جماعت کی قابلیت کار بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ عام اس

حد تک پہنچ جائے کہ جماعت کی قوت تعمیر، تفکر اور خیالاتِ نو کی پیداوار برباد ہو جائے۔ تو اس جماعت میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ آزادی اور آئینی مجبوری کا ایسا امتزاج پیدا کیا جائے۔ کہ ایک قوت دوسری کو برباد نہ کر سکے بلکہ دونوں پہلو بہ پہلو ماحول میں زندہ رہیں۔

(۴) **ہم آہنگی**:- جماعت فرد نہیں، بلکہ افراد کا اجتماع ہے۔ اس لئے افراد کے خیالات میں ہر طرح کی ہم آہنگی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ جماعت ترقی کر سکے۔ اس مادی ہم آہنگی سے جماعت کے مختلف فرقوں میں باہمی اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ جماعت میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے آزادی سے ایک ارفع ضمیر جنم لیتی ہے۔ یہ ضمیر جماعت کی باہمی ہم آہنگی کی جان ہے۔ اس لئے اپنے معراج ترقی تک پہنچنے کیلئے ہم آہنگی اور آزادی کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ تاہم بعض موقعوں پر ان کے راستے الگ الگ بھی ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کا مقصد جماعت کی بہبودی ہے لیکن اپنے اپنے ارتقا کے لئے ان دونوں عناصر میں سے ہر ایک الگ الگ تحریکیں پیدا کرتا ہے ہر ایک انتخابی طریقے سے ماحول پر اثر ڈالتا ہے۔ اور بعض دفعہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک عنصر اپنے میدانِ عمل سے باہر قدم نکال کر دوسرے عنصر کے میدان پر قبضہ جما رہا ہے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان چار شعبوں میں قوم مساوی ترقی نہیں کرتی۔ اس لئے جماعت کی ترقی غیر متوازن ہو جاتی ہے غیر ہموار ارتقا قوم کے لئے غیر مفید ثابت ہوتا ہے۔ صرف ایک پہلو میں ترقی، یا جزوی ترقی ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جماعت کو پھر واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس طرح سے قوم میں ابتذال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور قوم ترقی کی بجائے تنزل کی طرف قدم بڑھاتی ہے

قوم کا ماحول

حقیقت میں قوم تو انسانوں کی جماعت ہے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ ان انسانوں کو ترقی دینے کے لئے کون سے چار عناصر ضروری ہیں۔ مگر یہ انسان اپنے ماحول میں رہتے ہیں۔ اور اسی ماحول میں رہ کر لازمی ہے کہ قوم ترقی کرے۔ یعنی ماحول کو بہتر طریقے سے تسخیر کرنے اور اپنے قبضہ میں لانے سے قوم بہتر ترقی کر سکتی ہے۔ اس صورت میں ان چار عناصر کو ماحول نشو و نما پانے کے زیادہ مواقع بہم پہنچاتا ہے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ ماحول کسی قوم کے اخلاق و عادات اور خصوصیات کی تعمیر براہ راست نہیں کرتا ہے۔

یہ صرف انسانی دل و دماغ ہے۔ جو ان چیزوں کو بناتا ہے۔ انسان اپنے خیال سے کوئی قانون بناتا ہے۔ یا علم و ادب کے صحائف وجود میں لاتا ہے۔ ماحول ان خیالات کی امداد کرتا ہے۔ یا مخالفت کرتا ہے۔ ماحول وہ راستے معین کرتا ہے جن سے انسانی قوت میدان میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ ماحول کامیابی یا ناکامی کی مہر لگاتا ہے۔ لیکن اصل خیال کی تخلیق نہیں کرتا۔

ایک ملت اسی وقت ترقی کر سکتی ہے۔ جب اس کے پاس زائد قوت موجود ہو۔ جو ترقی میں استعمال کی جا سکے۔ نئے خیالات۔ نئی تجویزوں اور تعمیرات میں اسکو صرف کیا جا سکے۔ ماحول کو اتنا مفید مطلب ہونا چاہیئے۔ کہ کچھ قوت لوگوں کی ضروریات سے بچ کر زائد رہ جائے۔ بعض دفعہ ماحول میں بہت سی معدنی نباتاتی۔ خام اجناس موجود ہوتی ہیں۔ ان سے مصنوعات بنائیں تو قوت زائد بچ جاتی ہے۔

انسانی ماحول کے مندرجہ ذیل عناصر ہیں (۱) وطن کی قدرتی کیفیت (۲) زندگی کے قیام کی ضروریات (۳) اقتصادی حالات (۴) دماغی کیفیت (۵) مصنوعاتی حالات (۶) تہذیب و تمدن کی کیفیت (۷) ماحول میں ان قوتوں کی ہم آہنگی۔

یہ سب عناصر ایک ہی فضا میں پرورش پاتے ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ وہ پہلو بہ پہلو بڑھتے اور پھولتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پیوستہ بلکہ تار و پود کی طرح ایک دوسرے کے اندر گھسے ہوئے۔

(۱) وطن کی قدرتی کیفیت:۔ جو وطن انسان کو مل جاتا ہے وہ اس میں رہنے پر مجبور ہے۔ اس لیئے لازم ہے کہ انسان حیوان پرند۔ درخت۔ اس قدرتی ماحول میں رہنے کی قابلیت پیدا کریں۔ نہیں تو وہ فنا ہو جائیں گے۔ گرمی۔ سردی۔ بارش پہاڑ۔ دریا وغیرہ وہ عناصر جن سے قدرتی ماحول بنا ہے۔ تمام طرح کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مگر انسانی قالب میں وسیع قوتیں پنہاں ہیں۔ وہ اپنے ماحول کو اپنی منشا کے مطابق بدلنے کی کوشش کئی طرح سے کرتا ہے جنگل صاف کر دیتا ہے جنگلی جانوروں اور موذی حشرات کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اپنے علم کا استعمال کرتا ہے۔ سماجی جماعتیں بناتا ہے۔ نہریں اور کنوئیں بناتا ہے۔ جہاں جنگل اور صحرا تھے وہاں کھیتیاں اور باغ بن جاتے ہیں۔ نباتات اور رطوبت کے اثر سے آب ہوا بدل جاتی ہے انسان مصنوعی طور پر بھی آب و ہوا کی شدت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ مفید مطلب گھر بناتا ہے مشینوں سے کام لیتا ہے۔ بجلی اور آگ کو استعمال کرتا ہے۔ سڑکوں اور ریلوں کو کام میں لاتا ہے۔ دریا جو عہد قدیم میں حد فاصل کا کام دیتے تھے۔ اب کشتیوں

کے چھینے کا راستہ بن جاتے ہیں۔

یہاں سائنس مصنوعات اور محنت انسان کی امداد کرتے ہیں۔ بعض دھاتیں اور قدرتی پیداوار جو قدیم نسلوں کے لئے بیکار تھی۔ آج بکار اور مفید ہے۔ لبیسات، کیمیا وغیرہ کی ایجادات سے ماحول میں بین فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے انسان جغرافی ماحول پر اپنے علوم اور محنت سے فتح پاکر اسے بہت حد تک اپنے مفید مطلب بنا سکتا ہے۔

(۲) زندگی کے قیام کی ضروریات

انسان جاندار ہستی ہے۔ اسے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو جانداروں کے لئے ضروری ہیں۔ انسان کو اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ (۱) اس کی زندگی کی ضروریات اس کو ملتی رہیں۔ کھانا، کپڑا، پانی، آسائش وغیرہ (۲) اسکی صحت بحال ہے (۳) اور اس کے بچے ہوں تاکہ وہ اپنی نسل کو قائم رکھ سکے۔

زندگی کا اصول ہے کہ وہی باقی رہتے ہیں۔ جو بدنی اور دماغی لحاظ سے سب سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ مگر قانون اور سماجی رسوم اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور بہت سے کمزور اور بے عقل لوگ اپنی دولت اور رسوخ کے بل پر ترقی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ غریب طبقہ کے لوگوں کے بچے تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن قوم کا فرض ہے کہ قوم کے ارتقاء کو انتہائی منزل تک پہنچانے کے لئے بہترین دل و دماغ کے افراد کو بڑھنے پھولنے کا زیادہ موقع دے۔

ایک جماعت دوسری سے برسرپیکار رہتی ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے۔ کہ عسکری قوت پر فتح و نصرت کا انحصار ہے۔ دور جدید میں عسکری قوت صرف بدنی قوت پر مشتمل نہیں۔ آلات حرب اور سامان جنگ اس میں بڑا کام کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے۔ کہ یورپ نے جتنی لڑائیاں فتح کی ہیں ان کا سبب بہتر آلات حرب تھے۔

ایک ملت کو بقائے دوام کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ اگر ان میں باہمی امداد کا مادہ موجود ہو۔ ایک دوسرے کی امداد پر اعتبار ہو۔ اور زندگی کی برائیوں پر اجتماعی طور پر فتح پانے کی کوشش کریں۔ افراد اپنی ملت کے اتحاد پر جس قدر فریفتہ ہوں اسی قدر اس ملت کی عسکری قوت بڑھ جاتی ہے۔ یہ نتیجہ انسانوں میں اطاعت، قربانی اور فطری انصاف کے جذبات بذریعہ تربیت پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے

ایک ملت میں کئی طرح کے فرقے ہوتے ہیں۔ ہر فرقے کی خصوصیات جداگانہ ہوتی ہیں۔ دل و دماغ کے لحاظ سے جماعت

زیادہ ترقی کرتی ہے. جس میں ان تمام فرقوں کی خصوصیات کا ہم آہنگ امتزاج پیدا ہو جائے. اتحاد اور مقابلے سے ترقی کی نئی راہیں کھلتی ہیں مگر قوتوں میں تصادم نہیں ہونا چاہیئے. اس لئے ترقی یافتہ ملت میں آزاد شادی کا رواج ہونا چاہیئے. یعنی جو مرد جس عورت کے ساتھ چاہے شادی کر لے. ان جوڑوں سے جو بچے پیدا ہوں گے. ان کا نظریۂ حیات بہت وسیع ہوگا. آزاد شادی سے قوم میں صلح اور اتحاد کے لئے وسیع میدان پیدا ہو جاتا ہے. اگر پاکستان اور ہندوستان کو الگ الگ کر دیا جائے تو یہ بات پیدا ہو جائے گی.

اچھی صحت کا برقرار رکھنا بہت ضروری ہے. جب ایک آدمی صحت کی حالت میں رہتا ہے تو وہ صرف اپنے لئے ہی مفید نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کیلئے بھی. اسیطرح سے جب ایک آدمی بیمار ہوتا ہے. تو زحمت اور تکلیف صرف اس کو نہیں ہوتی. بلکہ دوسروں کو بھی. صحت کا برقرار رکھنا قوم کے فرائض میں شامل ہے. بڑھاپے میں صحت برقرار رہے تو فرد اپنے طویل تجربے کی بنا پر اپنی جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے. بیماری کے خلاف جنگ دو طریقوں سے کرنی چاہیئے. (۱) حکیم اور ڈاکٹر. دوا اور پرہیز سے بیماری کو رفع کریں. (۲) عوام اسبات کا علم حاصل کریں کہ بیماری کے اسباب کیا ہیں اور آدمی کسطرح سے صحت مند رہ سکتا ہے.

(۳) اقتصادی حالات

اقتصادی حالات کا اثر فرد پر اور اس لئے جماعت پر کئی طریقوں سے ہوتا ہے. فرد کی دولت اور جائداد کے ساتھ اُس کی بدنی اور دماغی صحت کا نزدیکی تعلق ہے. اور سماج میں فرد کی منزلت کا ایک بڑا عنصر اس کی دولت ہے. طبی حقائق نے یہ ثابت کر دیا ہے. کہ انتہائی غربت اور بیماری ہمیشہ یکجا رہتے ہیں. غریبوں کو اتنا کھانے کو ہی نہیں ملتا. کہ ان کا بدن اتنا تنومند ہو جائے جس سے وہ بیماری کی مدافعت کر سکے. اور جب نادار بیمار ہو جاتے ہیں. تو ان کے پاس علاج کے لئے دام نہیں ہوتے. صحت کیلئے خوراک. مکان. آرام تفریح. اور معالجہ کی ضرورت ہے. بے پول کو یہ چیزیں کہاں میسر ہیں.

ناداری سے اور بہت سی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں. تعلیم اور ہنر نامکمل رہتے ہیں چونکہ گھر میں اعلیٰ اخلاق کی کمی ہوتی ہے اس لئے دماغ متوازن نہیں رہتا. نادار اپنے آپ کو دنیا کے ہنگاموں سے محفوظ نہیں سمجھتا اس کے مزاج میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے. اور اس لئے اعصاب میں تشنج پیدا ہو جاتا ہے. غربت کا اپنا حلقہ ہے. جس میں خود اعتمادی کا فقدان. جہالت. بے ہنری بداخلاقی اور بیماری پرورش پاتے ہیں. درمیانہ طبقہ جن کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے. کہ ان کو کھانے کی روٹی اور پہننے کو کپڑا مل جائیگا

ان کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ بہت امیر طبقہ جو اپنے روزگار سے لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ ان میں مخصوص خلاقی اور بدنی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں حکومت کا یہ فرض ہے۔ ہر فرد کو وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا مہیا کر دے تاکہ ایک اقتصادی معیار قائم رہے۔ کسی شخص کو بھوکا رکھ کر اسے بداخلاق بنانے کا دنیا کو کوئی حق حاصل نہیں۔ ہر فرد کو تفریح کا موقع بھی ملنا چاہیئے۔ اور اس کو یہ یقین ہونا چاہیئے۔ کہ میں محنت سے اپنا روزگار پیدا کر سکوں گا

اگر ایک ملت اپنے ارتقاء کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ تو لازم ہے کہ اس کے پاس فاضل دولت موجود ہو۔ اور اس بچت کو وہ ملت کی ترقی میں خرچ کرے۔ تہذیب کی یہ لازمی شرط ہے۔ علوم میں یہ اضافہ۔ سماج میں ترقی۔ تمدن کا ارتقاء اسی زائد روپے سے کیا جاتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اس بچت کو بڑھایا جائے۔ مگر یہ اس سے زیادہ ضروری ہے۔ کہ اس روپے کو صحیح طریقے پر خرچ کیا جائے۔ جس سے سماج کا ارتقا سب سے مفید طریقے پر ہو۔

لیکن اگر قوم کی دولت صرف چند شخصوں کے ہاتھ میں ہو تو اس سے قوم کی ترقی رک جاتی ہے۔ غریب آدمی امیر کے مقابلے میں ایک روپے کو بہت زیادہ مفید طریقے پر استعمال کرتا ہے۔ اگر دولت صرف چند انسانوں کے پاس ہو اور باقی آدمی ان کے زیر دست ہوں تو یہ زیر دست آدمی اپنی خود اعتمادی کو گم کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو آدمی کی منزلت سے گرا دیتے ہیں۔ دولت کو تمام سماج میں مساوی طور پر تقسیم کرنا۔ یہ قومی اقتصاد کا مرکزی مسئلہ ہے ہر شخص کو تعلیم دینا قوم کا فرض ہے اور جوان میں بہتر دماغ ہوں ان کی مالی امداد کرنا قوم کے لئے لازمی ہے۔ تاکہ انسانی سرمایہ سے قوم بہترین فائدہ اٹھا سکے۔ ایک قوم میں افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اور وہ باہمی امداد میں پُرزور حصہ لیں گے۔ قوم اتنی ہی طاقتور ہو جائے گی۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت قابل توجہ ہے۔ سب سے زیادہ اہم عقدہ اس مسلمان کے سامنے جو قومی کام کیلئے اپنے آپ کو وقف کرتا ہے۔ یہ ہے کہ کیونکر اپنی قوم کی اقتصادی حالت کو سدھارے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کی عام اقتصادی حالت پر نظر غائر ڈالے۔ ان گران اسباب کا پتہ لگائے۔ جنہوں نے ملک کی یہ حالت کر دی ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ کسی اور مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے یہ دریافت کرے کہ ملک کی اس حالت میں کس حد تک ان بڑی بڑی اقتصادی قوتوں نے حصہ لیا ہے جو آجکل کی دنیا میں اپنا عمل کر رہی ہیں۔ کسی حد تک اہل ملک کی تاریخی روایات عادات اوہام اور اخلاقی کمزوریوں نے حصہ

لیا ہے۔ اور اگر گورنمنٹ کے طرزِ عمل کا بھی اس میں کوئی حصّہ ہے تو وہ کس حد تک ہے؟ جو شخص اس گتھی کو سلجھانے کا بیڑا اٹھائے۔ اسے چاہیئے کہ مذہب و ملت کے اختلاف کی طرف سے مطلقاً خالی الذہن ہو جائے۔ اور کسی ایک جماعت کی طرفداری اور پاسداری کے خیال کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دے۔ اس لئے کہ اقتصادی قوتیں تمام قوموں پر اپنا عمل یکساں کرتی ہیں۔"

(ڈاکٹر اقبال۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ ترجمہ ظفر علی خاں۔ اقبال اکیڈیمی۔ لاہور۔ صفحہ ۲۹)

(۴) دماغی کیفیت

جب انسان بالکل ابتدائی حالت میں تھا تو جادو ٹونے کا غلام تھا۔ دوا کی بجائے منتروں سے کام لیتا تھا۔ اس سے روح کو تسکین ہو جاتی تھی۔ اور مسمریزم کے اثر کے ماتحت وہ یہ خیال کرتا تھا کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

پھر دماغی ترقی کا دوسرا دور آیا۔ انسان نے یہ عقیدہ پیدا کیا کہ درختوں، پتھروں، مورتیوں میں روح اور زندگی موجود ہے۔ اس پر یہ اضافہ بھی کر لیا کہ یہ روح ایک جانور سے دوسرے میں یا انسانوں سے جانوروں میں جون بدلتی رہتی ہے۔ آتما غیر فانی ہے۔ اس عہد تک بنی نوع انسان کا علم اور تجربہ بہت محدود تھا۔ عملی تو ہے مگر زندگی کے ہر شعبے میں اس کی فراست اپنی عقل کے ارتقاء کے مطابق محدود ہے۔ بعض ایسے معاملات بھی اس کی آنکھوں کے سامنے گذرتے تھے۔ زلزلہ۔ آتش فشاں۔ سمندر۔ بجلی وغیرہ جن کی تشریح وہ اپنے علم کے ذریعہ سے نہیں کر سکتا تھا۔ علم الاساطر mythology ایجاد کیا تھا۔ جس میں دیو یا دیوتے۔ کئی ہاتھ کئی سر والے وغیرہ موجود ہیں۔ اور ان کی فوق العادہ قوتیں ہیں۔

انسانی عقل اب اس منزل سے آگے بڑھی۔ انسان نے زندگی کے عام تجربے کو عملی زندگی میں استعمال کرنا شروع کیا۔ مگر اب تک نظری بحث اور نظری خیالات سے انسان معرّا تھا۔ اب خواہشات اور جذبات اس کے دل میں پیدا ہوئے۔ اس نے جنگلی جانوروں کو مارنا شروع کیا۔ ابھی تک انسان کو انسانیت کا احترام نہیں ملا۔ یہ جاہلیت کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ کے کوئی تحریری ریکارڈ ہمارے پاس موجود نہیں۔ چونکہ اسوقت تک تحریر کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا۔

جب تحریر ایجاد ہوئی تو علوم و فنون کو لکھا گیا۔ اور یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو بطور وراثت پہنچتے رہے۔ ریاضی، ہیئت دھاتوں کا علم۔ تعمیرات۔ طبیعات۔ کیمیا۔ ان سب علوم سے انسان نے اپنی واقفیت کو وسیع کر لیا۔ کوئی دو ہزار سال قبل مسیح

سے انسان نے اپنے دماغ کا صحیح استعمال شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے بڑے بڑے مذاہب وجود میں آئے۔ یہودیت۔ ہندومت بدھ مت۔ نصرانیت اور اسلام۔ ان مذاہب کے آنے سے انسان نے کئی باتیں سیکھیں تنظیم۔ انسانی حیات کے نظریئے مذہبی اخلاقی۔ قانونی نظام نافذ۔

اس کے بعد کا دور فلسفہ اور تجربہ کا دور ہے۔ حساب اور ریاضی کی بنا پر انسان نے عملی سائنس کی بنیاد رکھی۔ اور ہر بات کی صحت اور سقم کا ثبوت تجربہ سے حاصل کیا۔ عقل انسانی اس سے آگے بڑھی تو اس نے مذہبی بیانات کو سائنس کی رو سے پرکھنا شروع کیا۔ علم الاساطیر کھیل بن گیا۔ اور پتھروں کے خدا رد کر دیئے گئے۔ 'لا الہ الا اللہ' کلمۂ وحدت رہ گیا۔ جس کو سائنس کی مذہبی دنیا نے قائم رکھا۔ اب دور حاضرہ کا مذہب ازمنہ متوسط کا مذہب نہیں ہے۔ اسکا جوش و خروش کم ہو چکا ہے البتہ ایک سماجی نظام ہے۔ جو ہماری اخلاقی اور سماجی دنیا پر حاوی ہے۔

اس درجہ سے بھی آگے ترقی کی۔ انسان نے اب اپنی انسانیت اور شخصیت کو بلند کرنا شروع کیا۔ یہی انسان کی روحانیت ہے۔ اور یہ ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ فرد کو قوم کا بہتر شہری بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسمیں ذہین ضمیر پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ قانون کا دل سے پابند رہے۔ اور اس میں امید۔ وفاداری اور باہمی امداد کا مادہ پیدا ہو۔ انفرادیت فرد سماج کی اکائی مانا جاتا ہے۔ جتنا اپنی فراست۔ نگاہ۔ علم اور عمل میں فرد بلند ہوگا۔ اتنا ہی وہ قوم بلند ہوگی۔ ہر انسان میں ذاتی ذمہ داری کا تصور پیدا کرنا ضروری ہے۔ قوم کے ہر فرد کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے۔ اور یہ مقصد قوم کی خدمت اور قوم کی حیات دوام ہے۔ کسی قوم کی حیات دوام کے لئے ضروری ہے کہ زمانہ حال کو زمانہ مستقبل پر قربان کر دیا جائے۔

۵۱: مصنوعی حالات۔

انسانی فطرت میں قوت تخلیق مضمر ہے۔ مگر انسان اپنی اس قوت کا استعمال ماحول کی پیداوار کے مطابق ہی کر سکتا ہے۔ انسان نئے تجربات اور ایجادات سے اپنے بیرونی ماحول میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ انسان کا بیرونی ماحول جغرافی کیفیت نسل وغیرہ پر مشتمل ہے اور اندرونی ماحول۔ علم و ادب۔ مصنوعات۔ کا ذخائر نوادر پر مشتمل ہے۔ جسمیں عقیدے، خواہشات اور خوف بھی شامل ہے۔ سوسائٹی کے ارتقاء پر مصنوعاتی عنصر کا اپنا محدود اثر ہے۔ ہر ایجاد سے دنیا میں ایک نئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے

ریڈیو، موٹر کار، تار نے اس دنیا کی کیفیت بدل دی ہے۔

نئی مشینوں اور کارخانوں نے ہماری زندگی کا معیار بدل دیا ہے۔ اب لوگ قصبوں میں نہیں بلکہ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی آسانی سے دستیاب ہوسکیں۔ سرمایہ داری اس مشینی عہد کا ایک نتیجہ ہے۔

انسان اپنی عادتوں کا غلام ہے۔ مگر ہم اپنے پرانے رسوم و خیال کو فوراً نہیں بدلنا چاہتے۔ پرانے خیالات پر قائم رہنا انسانی فطرت ہے اس لئے انسان مشینی عہد کے خیالات کو تدریجاً اختیار کرتا ہے۔ پیشہ انسان کے خیالات اور جذبات پر حاوی ہوتا ہے۔ انسان کی چند مستقل فطری خصوصیات بھی ہیں مگر چند خصوصیات اور عادات انسان کو پیشہ عطا کرتا ہے جس سے ہم اپنی روزی کماتے ہیں۔ مشینی عہد نے روزگار کے لئے دروازے کھول دیئے ہیں۔ انسانوں کی بجائے انجن اور بجلی کام کرتی ہے۔ انجینئر نقشہ نویس مستری کو بہت اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ پرانے پیشے مرتے چلے جارہے ہیں۔ اور ان کی بجائے نئے پیشے وجود میں آرہے ہیں۔

ہم مشینوں پر حکمرانی کرتے ہیں، مگر حقیقت میں مشین ہم پر حکمرانی کرتی ہے۔ ترقی کے لئے کارخانوں اور مشینوں کا قائم کرنا ضروری ہے۔ ان چیزوں کو ہم رد نہیں کرسکتے۔ بلکہ آگے بڑھنے کے لئے ہمیں مصنوعاتی قوتوں کو اختیار کرنا پڑے گا۔ مصنوعات نے ہماری زندگی کے معیار کو بلند کردیا ہے۔ اقتصادی نمو وسیع ہوگئی ہے۔ سیاسی حالات زیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ سوسائٹی کی بناوٹ بدل گئی ہے۔ طاقت اور دولت کیلئے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں۔ جمہوریت اور فیشن دونوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔

مشینوں نے ہمارے خیالات کو بدل دیا ہے۔ یوں کہو کہ ہماری تہذیب کو بدل دیا ہے۔ اب دولت اور قوت عظمت کا معیار بن گئے ہیں۔ اس سے پہلے علم، شرافت اور مذہب پرستی کو بھی ذاتی عظمت میں بڑا دخل تھا۔ اب ہم آدمیوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کی دولت سے لگاتے ہیں۔ انسان کی شخصیت اپنی منزلت سے گر گئی ہے۔ اصول یہ نہیں کہ بہترین چیز پیدا کی جائے۔ بلکہ یہ کہ چیزوں کی زیادہ تعداد پیدا کی جائے۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے۔ کہ ذہین صناع، طباع مصوّر اور شب زندہ دار مصنف ناپید ہورہے ہیں۔ چونکہ ان کی ضرورت نہیں رہی۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا　　اقبال

اس سے ایک اور بڑا ظلم یہ ہوا ہے۔ کہ ہمارے دماغوں سے بلند ترین فنون لطیفہ کو پرکھنے کی اہلیت جاتی رہی ہے انسان جانور بن کر رہ گیا ہے۔ ہمیں معنوی اور صوری خوبیاں پسند نہیں۔ ہم رفتار چاہتے ہیں۔ عجلت اور جلدی جلدی دولت کو فراہم کرنا۔ ہم عجوبے دیکھنا چاہتے ہیں جس سے دل میں دھڑکن پیدا ہو۔ ہمارے سماجی تعلقات بالکل سطحی ہوتے ہیں۔ تفکر اور اندرونی انبساط کی زندگی ناپسند ہے۔ تہذیب و تمدن کی ترقی میں کوشش نہیں کی جاتی۔ چونکہ سب کوششیں دولت جمع کرنے میں خرچ ہو جاتی ہے۔ مہذب انسان کے معیار کے مطابق تہذیب کا ارتقاء اس کا نصب العین ہے۔ اور دنیا کی باقی تمام قوتیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ مگر مشینی عہد کے انسان کے پیش نظر کوئی نصب العین نہیں اس کے لئے سب مقصود ذرائع ہیں۔ اور ذرائع مقصود۔ وہ ایک ذریعہ کو دوسرا ذریعہ حاصل کرنے میں صرف کرتا رہتا ہے۔ دولت مشینوں سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کو مشینوں میں لگا دیتا ہے۔ روپیہ تجارت اور کارخانوں سے پیدا کرتا ہے۔ پھر اس روپے کو تجارت اور کارخانوں کے وسیع کرنے میں لگا دیتا ہے۔ اسی لئے اس شخص کی زندگی بے کیف اور بے مطلب رہتی ہے۔ اس کیلئے مادی قوتیں ہی فقط دنیا میں موجود ہیں۔ منزلت اور دولت کا حاصل کرنا ہر وقت اس کے پیش نظر رہتا ہے۔

مگر ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ انسان کو بلند نصب العین کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تہذیب کا ہم پر بڑا حق ہے۔ نہیں تو نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ انسان ایک خاص قسم کا حیوان بن کر رہ جائے گا۔ اخلاق و عادات میں وحشی اور گنوار۔ خیالات میں غیر متمدن اور جاہل بیکار شورشیں اور لڑائیاں۔ اسطرح سے انسانی قوتیں ضائع ہوتی رہیں گی۔

(۶) تہذیب و تمدن کی کیفیت

ہم اپنی روزانہ کی ضروریات زندگی ماحول سے حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان چیزوں کو جو ہمیں ماحول سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہم اپنے خیالات کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ان خیالات میں آب و ہوا قومی روایات۔ نسل۔ تاریخ وغیرہ کو بڑا دخل ہے ہم اپنے گھر کس طرح سے بناتے ہیں۔ اور ان میں کسطرح سے رہتے ہیں۔ ہماری خوراک اور کھانے کے طریقے۔ لباس۔ آداب یہ سب جماعت کے تمدن کا اظہار کرتے ہیں۔

اگرچہ تمدن سے تہذیب کا تعلق ہے مگر اس سے بالکل جداگانہ روح کا مہذب ہونا ہے۔ بیرونی کیفیتوں کے اثر

کے ماتحت اس کے دل میں کیا جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ان کا مقابلہ کس طرح سے کرتا ہے۔ مہذب انسان کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے حلقے میں اور اپنے حلقے سے باہر تعمیر کرتا رہے، اپنی ہمدردیاں اور محبت کے جذبات اپنے حلقے کے باہر وسیع کرے۔ دوسرے افراد اور دوسری جماعتوں کو اس حلقۂ محبت میں شامل کر لے۔ مہذب انسان کے لئے یہ مادی اسباب، ارفع مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع ہیں۔ اس طرح سے اس کے نیک باطن کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

نئی ایجادیں دنیا میں وارد ہوتی ہیں۔ ریل، موٹر وغیرہ۔ ان سے ہمارا طرز زندگی بدل جاتا ہے۔ قوم کے لئے انکو استعمال کرنا ضروری ہے۔ نہیں تو یہ لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ مگر فطرت کا ایک اصول ہے ہماری قدامت پسندی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم ان چیزوں کو فوراً اختیار کر لیں۔ ہمارے سیاسی نظام کا یہ فرض ہے کہ وہ تعلیم، پراپیگنڈا وغیرہ کے ذریعہ سے لوگوں میں ان چیزوں کو رواج دے۔ ان کے استعمال میں آسانیاں پیدا کرے۔ تاکہ لوگ ان سے مانوس ہو جائیں۔

جب فضا بدلتی ہے تو انسانی ضمیر بھی اس کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ ہمارے عمل، ماحول کی قوتوں کے ماتحت رہتے ہیں مشینوں نے ہمارے خیالات میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ تبدیلی تو قدرت کا قانون ہے۔ مگر اس بات کا امکان ہے کہ قوم کے مختلف فرقے اس تبدیلی کے زیر اثر مختلف منزلوں تک ترقی کے راستے پر آگے بڑھیں۔ گورنمنٹ کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قانون ساز مجلس، پولیس، عدالتیں سب گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہیں۔ گورنمنٹ کا یہ فرض ہے۔ کہ ان تہذیبی اور تمدنی تبدیلیوں کو تمام قوم پر یکساں کر دے۔ ہر فرد کا عمل ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت وہی ہو۔ ان کے خیالات میں یکسانیت اور ہمواری ہو۔ وہ نہ صرف بیرونی طور پر بلکہ اندرونی طور پر بھی یکساں ہوں۔ ان سب میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اس طرح سے یہ روحانی قوتیں قطروں سے اتنا بڑا دریا بنا لیتی ہیں، کہ کوئی قوت اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ جب فضا میں ایک نغمہ گونجتا ہے تو ساری قوم کے قلوب پردۂ ساز بن کر اس کے ساتھ مرتعش ہو جاتے ہیں۔ قوت ضمیر جس قدر مضبوط ہو سکتی تھی بن جاتی ہے۔ اس ہم آہنگی سے قوم کی روحانی قوت اپنی انتہا پر پہنچ جاتی ہے۔

(۷) ماحول میں ان قوتوں کی ہم آہنگی۔

فضا میں بیک وقت بہت سی روحانی قوتیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ اور مادی قوتیں بھی اس حالت میں ہم سوسائٹی کو

آنے والی نسلوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ چاہیں تو اس میں ترقی کریں، چاہیں تو تنزل کریں۔ ہر فرد ماحول پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اور فضا کی ہر قوت دوسری قوت سے ٹکراتی ہے۔ دور حاضر کی پیچیدہ زندگی میں بیک وقت اتنی قوتیں فضا میں برسرِکار آجاتی ہیں، کہ اگر ان میں ہم آہنگی پیدا نہ کی جائے، تو ان میں تصادم کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یہ ہم آہنگی قوم کا ایک فرقہ پیدا نہیں کر سکتا چونکہ یہ اس کے بس کا کھیل نہیں۔ یہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں قانون پلیس عدالت جیسے حربے موجود ہیں۔

زمانۂ حال، زمانۂ ماضی کی پیداوار ہے۔ جو انسان اب دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ وہ حال میں رہتا ہے۔ گویا ماضی کی مجبوریوں میں اپنے آپ کو مقید پاتا ہے۔ مگر اس کا اپنا دل ہے۔ اپنا دماغ۔ وہ اس زمانے کو اپنے خیالات کے مطابق بنانا چاہتا ہے گویا سوسائٹی اور زمانہ ایک زندہ کیفیت ہے۔ ماحول فرد پر اثر ڈالتا ہے۔ اور فرد ماحول پر۔ ملت کی فراست ہمت اور قابلیت کا جس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ملت ماحول کو اتنا ہی زیادہ اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ روایات اس تبدیلی کے خلاف کام کرتی ہیں۔ چونکہ انسان قدامت پسند ہے۔ اس طرح سے چند پرانے خیالات بھی قائم رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ نئے ماحول کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔ اگر یہ پرانے خیالات قائم رہیں۔ تو قوم میں ابتذال اور تنزل پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلئے حکومت کے لئے ضروری ہے کہ فضا کو زمانہ کے مطابق رکھے جس میں تمام جدید ایجادات شامل ہوں۔

قوم کی فضا میں بہت سی قوتیں بیک وقت موجود ہوتی ہیں۔ قوم ان تمام قوتوں کے زیر اثر زندہ رہتی ہے۔ انمیں ہم آہنگی ہوگی تو قوم ترقی کرے گی۔ قوم ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کرتی ہے۔ قانون۔ رسوم ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔ شادی۔ بیاہ۔ میلے۔ تیوہار۔ وراثت۔ حقوق۔ بنک۔ کمپنیاں۔ سب اسی کام میں شامل ہیں۔ اپنوں سے سلوک۔ غیروں سے تعلقات، غرض ہر بات کے لئے کسی نہ کسی طرح کا قانون بنایا جاتا ہے۔ جب حالات بدلتے ہیں۔ تو قانون بھی بدل لئے جاتے ہیں۔ اس طرح سے قوم ترقی کر سکتی ہے۔ حکومت کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ قوم کے افراد میں نئی ضمیر پیدا کرنے کے طریقے اختراع کرے۔ اور نئے قانون بناتی رہے۔

قومی میجارٹی اور قومی منیارٹی میں رائے کا اختلاف

فرد اور قوم میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ مگر ایک نکتہ کو حل کرنے کے لئے یا ایک معاملے کو بہتر صورت دینے کے لئے ہر فرد اپنا اپنا راستہ نکال لیتا ہے۔ اس طرح سے افراد ایک دوسرے سے مختلف رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان میں تصادم پیدا ہو جاتا ہے۔ تقریباً ہر کام میں ایک قومی میجارٹی بن جاتی ہے۔ اور ایک قومی منیارٹی۔ ہر ادارے اور سوسائیٹی کا مسلمہ اصول یہی ہے۔ کہ قوم کی عام بہتری کے لئے منیارٹی کو میجارٹی کا فیصلہ ماننا چاہیئے۔ اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس طرح سے سب کے لئے بہبودی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جمہوری ممالک میں جہاں فضا حقیقتاً جمہوری ہے۔ اور حکومت جمہوری اصولوں پر قائم ہے میجارٹی کی رائے بہت کم موقعوں پر قومی مفاد کے خلاف ہوتی ہے۔ اگر کوئی فرد میجارٹی کے فیصلے کو اس لئے برطرف کرتا ہے۔ کہ اس میں قوم کا فائدہ ہے۔ تو وہ مجرم متصور نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی شخص قوم کے مفاد کو قربان کر کے اپنے مفاد کی تلاش کرتا ہے۔ تو وہ مجرم ہے۔ حکومت اور قوم جب ایک ہی ادارہ ہو تو یہ اپنے فیصلوں کو قانون۔ پولیس۔ اور عدالتوں کے ذریعہ ہر ایک کو ماننے پر مجبور کرتی ہے۔

گو یہ لازمی نہیں کہ میجارٹی کا فیصلہ ہمیشہ صحیح ہو یا زیادہ مفید ہو۔ تاہم جب انسانوں کی ضمیر ترقی کر کے صیقل ہو جاتی ہے تو ان میں ایک اندرونی آواز پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں صحت اور سقم کے متعلق مشورہ دیتی ہے۔ اور راہ راست دکھاتی ہے۔ وہ اس نفرت سے بلند ہو جاتے ہیں۔ جو محض رائے کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے۔ شخصیت کے لئے ان کے دل میں احترام پیدا ہو جاتا ہے ان کی فراخدلی سے ملت اپنے خیالات اور اعمال میں مضبوط تر ہو جاتی ہے۔ وہ اس بات کو خوب سمجھ لیتے ہیں۔ کہ بدنی قوت کی نسبت دلیل زیادہ قوی ہے۔ وہ عقل اور فراست سے قوم کی رانہمائی کرتے ہیں۔ نہ کہ استبداد اور ظلم سے۔

سیلف گورنمنٹ سے کونسی جماعت فائدہ اٹھا سکتی ہے

ملت میں ہمیشہ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی سے ملت زندہ رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ملت کا ارتقاء بند ہو جاتا ہے۔ اور تنزل پیدا ہو جاتا ہے۔ آزادی اپنی شخصیت کا اظہار ہے۔ ہم آزادی میں اپنی اندرونی فطرت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ایک فرد کی آزادی اسی وقت عملی اور حقیقی ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اپنی ذاتی آزادی کے

ساتھ ملت کے آئین کو بھی شامل کر لیتا ہے۔ آزادی اتفاقِ قلب سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک روحانی آرزو ہے۔ مادی دُنیا میں "سیلف گورنمنٹ" اس کا ایک مظاہرہ ہے۔ سیلف گورنمنٹ حاصل کرنے کے بعد ایک جماعت ان تمام اندرونی رکاوٹوں کو رفع کر دیتی ہے۔ جو اس کی ترقی کے راستے میں حائل ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ سیلف گورنمنٹ سے صرف وہی جماعت فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ جس میں تنظیم قانون پرستی۔ اور باہمی امداد کا مادہ پیدا ہو چکا ہو۔ جن کے افراد کی شخصیت ضمیر اور ملتی رسوم پر چلنے کی قابلیت پختہ ہو چکی ہو۔

قومی حکومت کی ترقی کا قانون۔

ترقی کا قانون یہ کہتا ہے۔ کہ وہ افراد۔ فرقے۔ پارٹیاں یا ادارے جو اپنا نصب العین تکمیل کو پہنچانے کے بعد بے ہمت اور فرسودہ ہو چکے ہیں۔ وہ ان افراد۔ فرقوں پارٹیوں یا اداروں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ جن کے ذہن میں کوئی پرانا یا نیا نصب العین موجود ہے۔ فرسودہ افراد۔ سوسائٹیوں اور قوانین نے اپنے وقت میں اپنی زندگی کے ساتھ قوم کی خدمت کی۔ اور اب وہ اپنی موت کے ساتھ خدمت کریں۔ وہ رسوم اور قوانین جو فرسودہ اور از کار رفتہ ہونے کے سبب بے مطلب ہو چکے ہیں۔ ان کی جگہ دوسری رسوم اور قوانین لے لیں جو ملت کیلئے مفید اور کار آمد ہیں۔ حقیقتاً گذرے ہُوئے لوگ زندہ لوگوں کے لباس میں اب بھی موجود ہیں اور ان کے نصب العین کو ترقی دے رہے ہیں۔ ان کے کام کا وہ حصّہ جو مفید اور کار آمد ہے، نئے اداروں پر شامل ہے۔ اداروں۔ قوانین اور پارٹیوں کو تازہ شکل دیتے رہنا ترقی کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ کانگرس پر ایک گروہ مسلط ہو گیا۔ اور بڑے عرصے سے اس کی فضا میں تبدیلی نہیں ہُوئی۔ عملی اور نظری کیفیت کا تنزل لازمی ہے۔

اس بحث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب آپ ہی انصاف فرمایئے۔ اگر پاکستان کے علاقے ہندو انڈیا کے ماتحت ہوں تو ان کو کوئی موقع نہیں ملتا کہ یہ ان عناصر کو قائم کر سکیں جن سے قوم کی صحیح نشوونما ہوتی ہے۔ اس لئے مسلم انڈیا اگر صحیح معنوں میں ترقی کرنا چاہتا ہے تو اسکے لئے لازم ہے کہ جب مسلمان ایک الگ قوم ہے تو مسلمان کا وطن بھی ہندوستان میں الگ ہو۔

مقالہ ۱۶

ملّت کی ترقی کے اساسی اسباب اور پاکستان کی تشکیل

آزاد ملّت کے لئے سیاسی اقتصادی ہر پہلو سے آزاد ہونا ضروری ہے۔

پاکستان آزاد قومی حکومت ہے۔ اس کو بڑھنے پھولنے اور ترقی کرنے کے لئے ان تمام اجزا اور عناصر کی ضرورت ہے۔ جو جدید آزاد قومی حکومتوں کے ضروری ہیں۔ اگر ان میں سے کسی چیز کی کمی ہوگی تو یہ حکومت سیاسی یا اقتصادی طور پر غیروں کے زبردست ہو جائے گی۔ اگر اپنی آزادی کو قائم بھی رکھ سکے تو اس بچے کی طرح ہوگی۔ جس کو کھانے پینے اوڑھنے کو کافی نہ ملے یا جس کی تربیت مناسب طریق پر نہ ہو اور وہ جوان ہو کر بدنی طور پر نحیف دکمزور رہ جائے یا دماغی کیفیت میں انتہائی ترقی نہ کرے۔ اس لئے پاکستان کی تشکیل کرتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم اس آزاد حکومت کو کس طرح سے ہر پہلو سے آزاد رکھ سکتے ہیں۔ اور آزاد رہنے کے بعد اس کی ترقی ہر پہلو سے نصف النہار کو پہنچے۔

پاکستان ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ مگر آزاد قومی حکومت بننے کے بعد یہ صرف ہندوستان کا ایک حصہ تصور نہیں ہوگا۔ بلکہ دنیا کا ایک آزاد ملک۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ پاکستان کا دنیا کی دیگر آزاد حکومتوں کے ساتھ مقابلہ کرکے دیکھا جائے۔ اس کے ذرائع اور قوتوں کا مقابلہ دیگر آزاد ملکوں سے کیا جائے۔ اس کی ضروریات کا موازنہ دیگر ممالک سے کیا جائے۔ اور اسکے بعد ہم یہ فیصلہ کریں کہ پاکستان کی تشکیل میں کون کون سے عناصر کو ضروری سمجھنا لازم ہے۔ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر ہم نے آئندہ مقالوں میں دنیا کے حقائق پیش کئے ہیں۔

قومی ترقی پر ماحول کا اثر

ہم نے گذشتہ مقالہ ۱۵۔ پاکستان میں قومی حکومت کے فرائض" میں دیکھا ہے۔ کہ قومی حکومت کے دو عناصر ہیں۔ (۱) قوم کے افراد یعنی انسان (۲) قومی وطن یعنی ماحول۔ ماحول کو انسان کی ترقی میں بڑا دخل ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسان اپنی دماغی قابلیت سے ماحول میں نمایاں تبدیلی پیدا کر لیتا ہے۔ لیکن تسخیر فطرت کی بھی ایک حد ہے۔ اور جغرافی عنصر کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تجارت اور مصنوعات کے لئے جتنی خام اجناس درکار ہیں وہ ماحول سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو ایجاد نہیں کیا جا سکتا۔ دھاتیں۔ غلہ۔ بجلی۔ لوہا۔ کوئلہ وغیرہ ماحول کی پیداوار ہیں۔ انسان ان کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ جب ہم کسی ملک کی جغرافی کیفیت کو بدل نہیں سکتے۔ تو انسان مجبور ہو کر اس کیفیت کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔

کسی ملت کا طرزِ رہائش کوئی اتفاقیہ امر نہیں۔ بلکہ اس کے ماحول کا نتیجہ ہے۔ ماحول سے انسان اپنی ضروریات حاصل کرتا ہے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسی کو استعمال کرتا ہے۔ (ہندوستان گرم ملک ہے اور زرخیز۔ سبزی ترکاری وافر۔ اس لئے سبزی کھانے کو مل جاتی ہے اور صحت کیلئے مناسب ہے۔ عرب گرم ملک ہے۔ سبزی ترکاری بہت کم۔ اونٹ اور بھیڑیں بہت چونکہ چراگاہوں میں پلتے ہیں۔ اس لئے گوشت کھانا ضروری اور جائز۔) انسان ماحول کی پیداوار سے اپنی کھانے کی چیزیں تیار کرتا ہے۔ اور مصنوعات بناتا ہے۔ اس کی عادات۔ طرزِ رہائش۔ اور تہذیب و تمدن کا ترقی کا درجہ۔ بہت حد تک ماحول کے زیرِ اثر ہے۔ بنگالی کھوپرے کا تیل۔ چاول اور مچھلی کھائے گا۔ چونکہ یہی چیزیں بنگال میں میسر آتی ہیں۔ اس خوراک سے اس میں قدرتے فربہی آ جاتی ہے۔ آب و ہوا مرطوب اور گرم اس لئے دھوتی کرتا آرام دہ لباس ہے۔

آج دنیا کے مختلف ممالک میں تہذیب اور اقتصادی حالت مختلف ترقی کے درجوں پر ہیں۔ بعض ملکوں میں لوگ چست و چالاک ہیں۔ کارخانہ داری اور تجارت میں بہت آگے ہیں۔ اقتصادی حالت میں بہت بہتر ہیں۔ بعض ملکوں کے آدمی سست ہیں اور تہذیب میں پست۔ بعض ملکوں میں مصنوعات زیادہ ہیں بعض میں زراعتی پیداوار۔ اس اختلاف کی تشریح بڑی حد تک اس ترکیب سے کی جا سکتی ہے۔ کہ انسان پر ماحول نے کیا اثر کیا ہے۔

قدرتی ماحول

قدرتی ماحول سے مطلب وہ تمام عناصر ہیں جو قدرت پیدا کرتی ہے۔ مثلاً آب وہوا۔ زمین کی سطح۔ قدرتی پیداوار دریا۔ اور روئے زمین پر اس ملک کا مقام۔ اب ہم ان میں سے ہر ایک کی باری باری تشریح کرتے ہیں۔

(۱) روئے زمین پر مقام۔ کسی ملک کیلئے یہ بہتر ہے۔ کہ اس کی حدود قدرتی طور پر معین ہوں۔ اور تجارت کے لئے دُنیا کے دیگر ملکوں کے نزدیک واقع ہو۔ قدرتی حدود یہ ہیں۔ پہاڑ۔ دریا۔ صحرا۔ دلدل۔ وغیرہ۔ ان سے غیر ملکی حملہ کے امکان کم ہوجاتے ہیں اور ملت آزاد محسوس کرتی ہے۔ حدود غیر قدرتی بھی ہوتی ہیں۔ ان کا فیصلہ معاہدہ یا لڑائی سے ہوتا ہے۔ نقشہ پر پہلے ایک لکیر لگا دی جاتی ہے۔ اور پھر ملک میں اس لکیر کے مطابق حدود کے میل لگا دیئے جاتے ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک۔ پولینڈ۔ ہنگری۔ رمانیا وغیرہ کی حدود غیر قدرتی ہیں۔ جب ایک ملک میں اقتصادی یا صنعتی انقلاب ہوتا ہے۔ تو دوسرے پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ تجارت کے لئے سمندر کی ضرورت ہے۔ اور دوسرے تجارتی ملکوں کی نزدیکی۔ ہندوستان کے نچلے حصے میں تین طرف سمندر واقع ہے۔ جب قدرتی رکاوٹیں پہاڑ، وادیاں زیادہ ہوں۔ حدود غیر قدرتی ہوں، اور سمندر قریب نہ ہو تو تجارت میں بہت رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ سائبریا گرین لینڈ۔ چلی۔ الاسکا۔ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ افغانستان سوئٹزرلینڈ اور بولیویا ایسے ممالک ہیں جن کی حدود سمندر سے فاصلے پر ہیں۔ اس لئے تجارت میں بہت دقت پیش آتی ہے۔ سمندر کا ساحل لہریا دار اور نیچا ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس میں بندرگاہیں بنائی جاسکیں۔ ہندوستان کا ساحل بدقسمتی سے بندرگاہیں بنانے کے لئے نامناسب ہے۔ تمام سمندری کنارے پر صرف کراچی بمبئی کلکتہ۔ مدراس اور رنگون بڑی بندرگاہیں ہیں۔

دریا اور پہاڑ

بنی نوع انسان کے ارتقاء کے ابتدائی دور میں دریاؤں نے تہذیب کی ترقی میں بہت حصّہ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں دریاؤں کی وادیاں تہذیب کے مرکز بنیں۔ مصر میں نیل کی وادی عراق میں دجلہ اور فرات۔ ہندوستان میں گنگا۔ چین میں ہوانگ ہو۔ دریاؤں سے نہریں نکالی جاتی ہیں۔ اور ان سے ملک کی زراعتی پیداوار کو ترقی ہوتی ہے۔

جن ممالک میں پہاڑ ہوتے ہیں۔ وہاں کے باشندے آپس میں آسانی سے مل جل نہیں سکتے۔ آبادی مشکل سے پھیلتی ہے۔ سڑکیں

نہریں اور ریلیں مشکل سے تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ پہاڑی علاقے کے باشندے غریب اور کم ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ پہاڑوں پر آبادی کم ہوتی ہے۔ کھیتی باڑی بھی کم ہوتی ہے۔ تاہم پہاڑوں کے فائدے یہ ہیں۔ بارش کے برسنے میں امداد دیتے ہیں۔ سرد یا گرم ہواؤں کو روکتے ہیں۔ اور آب و ہوا کو بہتر کر دیتے ہیں۔ پہاڑوں کے پہلو پر جنگل اگتے ہیں۔ اور پہاڑوں میں چراگاہیں ہوتی ہیں۔ کئی مصنوعات کی خام اجناس پہاڑوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ نباتاتی اجناس۔ پہاڑوں سے معدنیات نکلتی ہیں۔ اور دھاتوں سے کئی مصنوعات بنائی جاتی ہیں۔ پہاڑوں کی بلندی سے پانی گرتا ہے تو اس کے وزن اور بہاؤ کی قوت کو مشین چلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے بجلی کے کارخانے (ہائیڈرو الکٹرک) چلتے ہیں۔ اور بجلی پیدا کرتے ہیں: ناروے۔ سویڈن آسٹریا۔ سپین۔ سوٹزرلینڈ۔ اٹلی ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایسے ممالک ہیں۔ جہاں بجلی پیدا کرنے کے بہت سے کارخانے پانی کے زور سے چلتے ہیں۔ پہاڑوں کی ہوا اور پانی صاف ہوتا ہے۔ اور لطیف۔ اس لئے صحت بہتر رہتی ہے۔ پہاڑی لوگ سخت کوش ہوتے ہیں۔ اور محنت کی زندگی گذارتے ہیں۔ دورِ جدید میں سڑکیں ریلیں بہتر ہو جانے سے پہاڑ کے ساتھ میدانی علاقوں کی آمد و رفت زیادہ ہو گئی ہے۔

میدان

روئے زمین پر میدانی علاقے کا رقبہ ۱/۴ سے کم ہے۔ مگر اس میدانی علاقے میں ساری دنیا کی آبادی کا ۱/۲ سے زائد نفوس کی تعداد آباد ہے۔ اگر میدانی علاقہ صحرا یا دلدل نہ ہو۔ تو وہاں آبادی بہت گنجان ہوتی ہے۔ اور جہاں تک جگہ اجازت دیتی ہے لوگ آباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ میدانوں میں بہت سہولتیں میسر آتی ہیں اسلئے انسان اقتصادی کاروبار میں بہت حصّہ لیتا ہے۔ میدان ہی تہذیب کا مرکز رہے ہیں۔ میدانوں میں پیداوار۔ مصنوعات اور انسانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہوتی۔ ریلیں آسانی سے بنائی جا سکتی ہیں۔ اور دریاؤں کو تجارتی شاہراہوں کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میدانوں میں زراعت بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ چونکہ زمین بہتر۔ رقبہ مسطح میدان۔ اور آب و ہوا یکساں ہوتی ہے جب زرعی خوشحالی بڑھتی ہے تو ملک کی مصنوعاتی حالت کو بہتر کرنے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ جہاں آبادی گنجان ہو۔ وہاں زراعتی اور مصنوعاتی پیداوار دونوں کی بہت کھپت ہوتی ہے۔ دوسرے علاقوں کے ساتھ بھی آسانی سے تعلق قائم کیا جا سکتا ہے چونکہ علاقہ میدانی ہوتا ہے۔

معدنیات، جنگل اور مچھلی کے کارخانے کسی علاقے کی اہم پیداوار ہیں

قدرتی پیداوار کو ملک کی خوشحالی

میں بہت بڑا دخل ہے ۔ ملک کی اقتصادی حالت اور کارخانے وہاں کی پیداوار پر منحصر ہیں معدنیات اور کارخانوں سے ایک ملک کا طرزِ رہائش بدل جاتا ہے بعض معدنی علاقوں میں دھاتوں کا نکالنا اور صاف کرنا وہاں کی سب سے بڑی حرفت ہے ۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں شروع میں دھات نکالنے کے کارخانے جاری ہوئے ۔ اور پھر ہوتے ہوتے وہاں مصنوعات کے کارخانے کھل گئے ۔ جنوبی افریقہ میں سونا نکالنا بڑا حرفہ ہے اور اب کئی طرح کے کارخانے وہاں جاری ہو گئے ہیں ۔ آسٹریلیا کا بھی یہی حال ہے ۔

جہاں جنگلات زیادہ ہیں وہاں درختوں کا کاٹنا سب سے بڑا حرفہ ہے ۔ لوگوں کے دیگر پیشوں کا انحصار بھی جنگل کی پیداوار پر ہے ۔ ناروے اور سویڈن میں بہت لکڑی پیدا ہوتی ہے ۔ وہاں کشتیاں بنانے کے کارخانے ہیں ۔ کاغذ ۔ دیا سلائی ۔ اور فرنیچر بنتا ہے جنگلی جانوروں کا اسی غرض سے شکار کیا جاتا ہے جنگلوں کا کسی ملک کی آب و ہوا پر بھی گہرا اثر ہے ۔ وہ مرطوب ہواؤں کو جذب کر لیتے ہیں ۔ اور بارش میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ زراعتی علاقوں میں جنگلات کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے ۔

منطقہ معتدلہ میں جو علاقے سمندروں اور جھیلوں سے گھرے ہوئے ہیں ، وہاں مچھلیاں پکڑنے اور مچھلیاں محفوظ کرنے کے کارخانے بہت ہیں ۔ برطانیہ ۔ ناروے ۔ نیوزیلینڈ اور جاپان نے اس صنعت کو بہت ترقی دی ہے ۔ جہاز رانی کے کام میں مشق حاصل کرنے کے لئے کھلے سمندر میں مچھلیاں پکڑنا بہترین مشغلہ ہے ۔ برطانیہ کے لوگوں کی بحری قابلیت کا ایک سبب یہی ہے ۔

انسان پر آب و ہوا کا بہت اثر ہوتا ہے ۔ آب و ہوا ایسا عنصر ہے کہ اس کو ہماری زندگی کے ہر شعبے میں دخل ہے ۔ انسان کی دو اساسی ضرورتیں ہیں ۔ خوراک اور مکان اور دونوں کی خصوصیات آب و ہوا پر منحصر ہیں ۔ قدرتی پیداوار آب و ہوا پر منحصر ہے ۔ اور پیداوار پر اس ملک کے تمام کارخانے اور انسانوں کا روزگار منحصر ہے ۔ بعض علاقوں میں انسانی زندگی کا قائم رکھنا محال ہے ۔ مثلاً منجمد برفانی علاقے اور صحرا ۔ بعض میں صحت اچھی رہتی ہے ۔ بعض میں قدرتی نباتاتی پیداوار تو بہت ہے ۔ مگر صحت اچھی نہیں رہتی ۔

بعض مصنوعات کے کارخانے کھولنے کے لئے ایک خاص قسم کی آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے ۔ سوت اور کپڑا بننے کے کارخانوں کے لئے مرطوب ہوا کی ضرورت ہے خشک ہوا میں تاگا ٹوٹ جاتا ہے ۔ اس لئے سوتی کپڑے کے کارخانے مانچسٹر

بمبئی۔ احمد آباد اور اوساکا میں بہت ہیں۔ پہلے ڈھاکا اس کے لئے مشہور تھا۔ میدہ بنانے کے لئے خشک ہوا چاہیئے۔ اسی طرح سے کتابوں کی چھپائی۔ رسہ بٹنے اور کاغذ بنانے کے کارخانوں کے لئے مخصوص طرح کی آب و ہوا کی ضرورت ہے بمصنوعات بھی بڑی حد تک آب و ہوا پر منحصر ہیں۔ تاہم دور جدید میں انسان نے سائنس کے ذریعہ آب و ہوائی حالات کو اس درجہ اپنے قابو میں کرلیا ہے۔ کہ وہ قدرتی آب و ہوا سے بے نیاز ہو گیا ہے یعنی وہ کارخانوں کے اندر مصنوعی طور پر مفید مطلب آب و ہوا بنا لیتا ہے۔ اس لئے عام طور پر ہر کارخانہ ہر جگہ بنایا جا سکتا ہے۔

آمدورفت پر بھی آب و ہوا کا بڑا اثر ہے۔ بارش۔ آندھی۔ برف۔ حرارت سب اثر انداز ہوتے ہیں۔ برف سے سڑکیں اور ریلیں بند ہو جاتی ہیں۔ سخت سردی سے سمندر اور دریا جم جاتے ہیں۔ شمالی روس۔ کینیڈا اور بالٹک سمندر سردی میں جہاز رانی کے قابل نہیں رہتے۔ ہوائی جہاز بھی طوفانی موسم میں اور دھند میں نہیں اڑتے۔ صحرا میں ریلیں ریت کے طوفانوں کی وجہ سے بند ہو جاتی ہیں۔

دل و دماغ کا عمل بیشتر آب و ہوا پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ممالک کے باشندے بہت چست و چالاک ہیں۔ اور ان کا دل و دماغ خوب کام کرتا ہے۔ بلکہ بعض کا خیال ہے۔ کہ دنیا کی حاکم قوموں کے وطن کی آب و ہوا ان کو بہت امداد دیتی ہے بمنطقہ معتدلہ میں آب و ہوا انسان کو مائل کرتی ہے۔ کہ وہ اپنی بہتری کے لئے اپنی تمام قوتیں خرچ کردے۔ مگر منطقہ حارہ کی آب و ہوا دل و دماغ کی پرورش کے لئے مفید نہیں۔ اور گرم ممالک میں ترقی کی رفتار سست رہتی ہے اسلئے آب و ہوا سب سے اہم عنصر ہے۔ جس پر صحت قوت، تہذیب، اور مصنوعات کا انحصار ہے۔ (آب و ہوا کی مفصل بحث کیلئے مقالہ ۲۲ تا ۲۸ ملاحظہ ہو)

عمدہ مٹی | کسی ملک کے قدرتی عطیات میں سے ایک یہ ہے۔ کہ وہاں کی مٹی عمدہ ہو۔ ہم اپنی خوراک۔ مکان بنانے کے ساز و سامان اور لباس کسی نہ کسی صورت میں مٹی سے حاصل کرتے ہیں۔ جہاں مٹی زرخیز ہوتی ہے۔ وہاں آبادی ہمیشہ گنجان ہوتی ہے۔ چونکہ زراعتی پیداوار بہت ہوتی ہے۔ زرخیز علاقوں میں زراعت ہمیشہ اساسی حرفہ ہوتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کی مٹی زرخیز ہے اس لئے ہندوستان میں زراعت سے بہت آمدنی ہوتی ہے۔ چین اور امریکہ کی متحدہ ریاستوں کا بھی یہی حال ہے۔ مٹی کو اس وقت زرخیز کہا جاتا ہے۔ جب اس میں بہت سا ایسا مادہ موجود ہو جس کو پودا اپنی خوراک بنا سکے۔ مٹی کی کمی

قسمیں ہیں۔ ریتلی مٹی اس کو کہتے ہیں۔ جس میں ⅘ ریت ہو چکنی مٹی میں تقریباً آدھی مٹی ہوتی ہے۔ اور چونے دار مٹی میں تقریباً ½ چونا ہوتا ہے۔ نباتی مٹی درختوں کے مادے کی بنی ہوتی ہے۔ لوم اس مٹی کو کہتے ہیں۔ جس میں مٹی ریت چونا۔ اور بوسیدہ نباتی مادہ سب ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

سماجی ماحول

نسل سماجی ماحول میں تین عناصر شامل ہیں۔ (۱) نسل (۲) مذہب (۳) گورنمنٹ

نسل پر انسان کی سماجی اور اقتصادی ترقی کا بڑا دارومدار ہے۔ تمام دنیا کے انسانوں کو ۵ نسلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) سفید نسل (۲) ملایائی نسل (۳) زرد نسل (۴) سیاہ نسل۔ (۵) سرخ نسل۔ تمام دنیا کی حکومت اور تجارت اس وقت سفید نسل کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ممالک جہاں سفید نسل کے لوگ آباد ہیں۔ بہت ترقی یافتہ ہیں۔ سفید نسل کی برتری کا سبب ان کے وطن کی بہتر آب و ہوا شمار کیا جاتا ہے جس کے سبب نسل محنت کش۔ مضبوط اور ذہین ہوگئی ہے۔ دنیا کی ترقی زیادہ تر سفید نسل کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ تہذیب کا ارتقاء۔ سماجی قوانین۔ سیاسی اور اقتصادی تنظیم۔ سائنس آرٹ اور مصنوعات کی ترقی سب سفید ممالک میں ہوئی۔ زرد نسل کے لوگ زیادہ تر شمال مشرقی ایشیا اور مرکزی ایشیا میں آباد ہیں۔ چین اور جاپان میں انکی زیادہ آبادی ہے۔ یہ نسل تہذیب میں ترقی کر چکی ہے۔ اور تجارت میں بھی اس کا کچھ حصہ ہے۔ سیاہ نسل منطقہ حارہ میں آباد ہے۔ یہ تہذیب میں سب سے پیچھے ہے۔ اور کسی ارفعی کام میں حصہ نہیں لیتی۔ کہا جاتا ہے منطقہ حارہ کی شدید گرمی اور اس آب و ہوا کی گرم خوراک کے سبب سیاہ نسل کے لوگوں کی کھوپری کی ہڈیوں کو سیون میں چھوٹی عمر میں جڑ کر سخت ہو جاتی ہیں۔ دماغ کو بڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور اس لئے حبشی کا دماغ فطری طور پر چھوٹا اور ناپختہ رہتا ہے۔ اس کی مفصل بحث کے لئے مقالہ ۲۶ نسل کا انسان کی فطرت پر اثر۔ ملاحظہ ہو)

مذہب دنیا کے چار بڑے مذہب ہیں۔ (۱) عیسائیت (۲) بدھ مت (۳) اسلام (۴) ہندو دھرم

انسان کی اقتصادی اور سماجی زندگی پر مذہب کے اثر کو ہم کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہر مذہب چند باتوں کی اجازت دیتا ہے۔ چند باتوں سے منع کرتا ہے۔ چند باتوں کا حکم دیتا ہے۔ مذہب نہ صرف اپنے پیرو کا نظریۂ حیات معین کرتا ہے

بلکہ اس کے اقتصادی کاروبار اور تمناؤں کو بھی ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ بدھ مت میں اہمسا کا اصول ہے اس کی بنا پر چین جاپان کے لوگ نہ ریوڑ پالتے ہیں۔ اور نہ ان سے اون اور گوشت حاصل کرتے ہیں۔ بحیرۂ روم کے مشرقی علاقوں کی آب و ہوا انگور کی پیداوار کے لئے بہت مفید ہے اور انگور یہاں بہت ہوتا ہے۔ مگر شراب نہیں بنتی چونکہ ان علاقوں میں زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اور اسلام شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے ان اسلامی علاقوں میں شراب کی بجائے کافی کی بہت مانگ رہتی ہے۔ مسلمانوں میں بنک بنانے کا رواج اس لئے نہ ہوا کہ اسلام سود لینے سے منع کرتا ہے۔ ساری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰۰ ملیون سے زائد ہے۔ شمالی افریقہ، مغربی اور مرکزی ایشیا۔ ہندوستان میں سندھ، کشمیر، شمال مغربی صوبہ پنجاب، بنگال، شمال مغربی چین، جنوبی امریکہ میں ڈچ گنی۔ یورپ میں البانیہ، ترکی، سویٹ روس میں کرگزیا۔ میں بہت مسلمان لوگ آباد ہیں۔ ہندو سوسائٹی کے نفوس دنیا میں ۲۱۵ ملیون سے زیادہ ہیں۔ اس کے چار و ‌ؤرن ہیں۔ یعنی چار فرقے۔ برہمن کشتری، ویش، شودر۔ ہر فرقے کے ذمہ زندگی کے چند کام سپرد ہیں۔ ایک فرقہ کے لوگوں کو دوسرے فرقہ کے لوگوں کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس جماعت کی اس تقسیم سے آپس کا ربط و اتحاد کم ہو جاتا ہے۔ اور قوم نہ کوئی کام مشترکہ طور پر کر سکتی ہے۔ نہ اقتصادی قوتیں یکجا ہو سکتی ہیں۔ تاہم مغربی تہذیب کے زیر اثر ذات گوت کی شدت کم ہو گئی ہے۔ عیسائیت میں کوئی قیود نہیں۔ کھانے پینے میل ملاپ۔ بیاہ شادی کی بہت آزادی ہے۔ اور یورپ کی موجودہ ترقی کا ایک سبب یہ بھی ہے عیسائی مذہب کے تین بڑے فرقے ہیں۔ رومن کیتھولک۔ پراٹسٹنٹ۔ یونانی گرجا۔ رومن کیتھولک کے پیرووں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اور ۳۳۰ ملیون شمار کی جاتی ہے۔ اس مذہب کے لوگ جنوبی، مغربی اور مرکزی یورپ میں زیادہ ہیں۔ اور جنوبی امریکہ (سوائے برازیل اور ارجنٹائن) میکسیکو اور شمال مشرقی ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ان کی اکثریت ہے۔ عیسائی مذہب کے لوگ دنیا کے سب حصوں پر سیاسی طور پر قابض ہو رہے ہیں۔ سب ملکوں میں ان کے تمدن کو اختیار کیا جا رہا ہے۔ اس سبب سے انسان کے اقتصادی کاروبار پر مذہب کا اثر کم ہوتا جا رہا ہے۔ مگر کم ترقی یافتہ ممالک میں ابھی تک مذہب کے قبضے میں بہت بڑی قوت ہے جسکا استعمال یہ اقتصادیات پر بھی کرتا ہے۔

گورنمنٹ۔ تمدن سماج۔ اور اقتصاد پر گورنمنٹ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ بڑی گورنمنٹ ہمیشہ کارخانوں اور تجارت

کو کمزور کرتی ہے۔ اور اچھی گورنمنٹ صنعت اور تجارت کو بڑھاتی ہے۔ میکسکو میں قدرتی دولت بے اندازہ ہے۔ مگر چونکہ گورنمنٹ مستقل نہیں ہے۔ طوائف الملوکی کا راج ہو جاتا ہے۔ اس لئے تجارت بہت پیچھے ہے۔ چین میں قدرتی پیداوار کی مقدار بہت وسیع ہے۔ مگر چین نادار ملک ہے۔ چونکہ وہاں کی گورنمنٹ کمزور ہے۔ جاپان نے ایک نئی دنیا بنالی۔ اور کارخانے بمصنوعات۔ تجارت۔ اور جاپان امیر بن گیا۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ حکومتِ جاپان نے ہر کام میں لوگوں کی امداد کی۔ ماڈل کارخانے بنائے۔ کارخانوں کا انتظام کیا۔ اور لوگوں کو امداد کے لئے روپیہ دیا۔ ۱۹۱۴ - ۱۹۱۸ کی لڑائی سے پہلے جرمنی نے اپنی تجارت ساری دنیا میں پھیلا دی تھی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جرمن حکومت نے اپنے باشندوں کی ہر کام میں ہر طرح سے امداد کی۔

آبادی کی گنجانی کا اثر۔

عام طور پر دنیا کے مختلف رقبوں میں آبادی کی تقسیم اس بنا پر ہے کہ کتنی خوراک براہِ راست یا بالواسطہ وہ رقبہ حاصل کر سکتا ہے۔ تہذیب اور تمدن کے مرکز وہی علاقے بنتے ہیں۔ جہاں زمین زرخیز ہوتی ہے۔ آبادی گنجان ہوتی ہے۔ اور لوگ بڑی تعداد میں ایک ہی کام شروع کر دیتے ہیں گنجان علاقوں میں تجارت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ خریدنے اور بیچنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ایک علاقے میں قدرتی ذرائع کتنے بھی کثیر ہوں لیکن آبادی قلیل ہو تو وہاں نہ مصنوعات ترقی کرتی ہیں۔ نہ تجارت چونکہ آبادی کی کمی کے سبب نہ نہ آدمی دستیاب ہوتے ہیں۔ اور نہ سرمایہ۔

ایک چھوٹے ملک میں جب آبادی دن بدن بڑھ رہی ہو تو وہ صرف زراعت سے اور اپنی اقتصادی حالت کو اچھی حالت میں قائم نہیں رہ سکتا۔ چونکہ زمین کا رقبہ محدود ہے۔ اس لئے زراعتی پیداوار لا محدود نہیں ہو سکتی۔ زراعت کے بہتر طریقوں اور مصنوعی کھاد سے زرعی پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ مگر اس کی بھی حد ہے۔ آخر سب طریقے استعمال کرنے کے بعد یہ حد پہنچ جاتی ہے۔ اور اس لئے لازم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ ملک اپنی مصنوعات کو ترقی دے۔ جب مصنوعات بنائی گئیں تو اپنے ملک کے زراعتی کاروبار کے مقابلے میں بیرونی ملکوں سے تجارت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اندرونی تجارت میں بھی اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا غیر ملکی تجارت میں۔ برطانیہ۔ بلجیم اور جاپان ایسے ممالک ہیں۔ جن میں مصنوعات اور غیر ملکی تجارت کو بہت ترقی دی گئی ہے

یہ ملک چھوٹے ہیں۔ اور ان کے باشندوں کی تعداد بڑی ہے۔ اس کے برخلاف ریاستہائے متحدہ امریکہ اور ہندوستان وسیع ہیں۔ یہاں مصنوعات اور تجارت کو زراعت کے ساتھ ترقی دینا ضروری ہوگا۔ مگر ان ملکوں کی غیر ملکی تجارت ممکن ہے بہت وسیع نہ ہو۔ چونکہ جتنی مصنوعات یہ ملک تیار کریں گے۔ ان کی زیادہ مقدار تو ملک کے اندر ہی فروخت ہو جائے گی۔ جس ملک میں آبادی کم ہو اور ملک کا رقبہ زیادہ ہو۔ وہاں اکثر بھیڑ بکریاں پالی جاتی ہیں۔ مثلاً وسطی ایشیا۔ ارجنٹائن اور یوروگوے۔

جب چھوٹے ملکوں میں آبادی بڑھ جاتی ہے۔ تو ہجرت لازم ہو جاتی ہے۔ یورپ میں اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب ہوا تو آبادی بہت بڑھ گئی۔ اور یورپ کے لوگوں نے اپنے وطن سے ہجرت کر کے دنیا کے اور ملکوں میں جا کر آباد ہونا شروع کیا۔ مگر یورپ کے لوگوں نے ہمیشہ منطقہ معتدلہ کے ممالک کو ہی جا کر آباد کیا۔ اور وہیں اپنی نوآبادیاں بنائیں۔ کینیڈا۔ ریاست ہائے متحدہ۔ میکسکو۔ برازیل۔ ارجنٹائن۔ جنوبی افریقہ۔ معتدل آسٹریلیا۔ اور نیوزی لینڈ سب میں یورپ کے لوگ جا کر آباد ہو گئے ہیں۔

پاکستان کی تشکیل کا نظریہ

اس بحث میں ہم نے دیکھا کہ کسی آزاد ملک کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی ضروریات کو خود پورا کرے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل عناصر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ پاکستان کی تشکیل میں بھی انہوں باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۱۔ قدرتی ماحول کے عناصر

آب و ہوا۔ یہ نہایت اہم عنصر ہے اس کا اثر صحت۔ دماغ۔ مصنوعات۔ آمدورفت۔ رفتار مشقت اور کارخانہ جات پر ہوتا ہے۔

مقام اور رقبہ :۔ تجارت اور آمدورفت پر اثر رکھتا ہے۔ وطن کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ دولت بڑھتی ہے۔

زمین کی سطح :۔ میدان۔ تہذیب اور سلطنتوں کا مرکز ہیں۔ میدانوں میں زراعت ہوتی ہے تجارت اور آمدورفت کی آسانی رہتی ہے۔ پہاڑوں میں آبادی کم ہوتی ہے۔ مگر پہاڑوں میں معدنیات پائی جاتی ہیں۔ جنگلات اور تباتاتی دولت ہوتی ہے۔ اور ہائیڈرو الیکٹرک کے کارخانے پانی کی قوت سے چلتے ہیں۔

مٹی :- اچھی مٹی میں زراعت عمدہ ہوتی ہے۔ آبادی بڑھتی ہے۔

دریا :- آمدورفت کا قدرتی ذریعہ ہیں۔ وادیوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اوران کی مٹی کھاد کا کام دیتی ہے۔ ان سے بھی ہائیڈرو الیکٹرک کے کارخانے چل سکتے ہیں۔ دریاؤں کے کناروں پر شہر اور بستیاں آباد ہوتی ہیں۔

قدرتی پیداوار :- دُنیا میں تین قسم کی پیداوار سب سے اہم ہے۔ معدنیات نکالنا۔ جنگلوں کی پیداوار درختوں وغیرہ کی دولت اور مچھلیوں کو محفوظ کرنا۔

سمندر کا کنارہ :- کٹا پھٹا اور لہریادار ہو تو تجارت کیلئے مفید ہے۔ سیدھا اور بلند ہو تو بیکار ہے۔

۲۔ سماجی ماحول کے عناصر

نسل :- کاکیشن نسل ترقی کے ہر میدان میں دنیا کی رہبر ہے۔ سیاہ نسل سب سے کم متمدن ہے۔ اور زرد نسل کچھ نہ کچھ ترقی یافتہ ہے۔

مذہب :- کسی شخص کا مذہب سے بعض حرفوں، پیشوں اور تجارتوں کو قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور بعض کے لئے منع کرتا ہے اس طرح سے سوسائٹی۔ زراعت۔ تجارت اور عام فہم خیالات اسی سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

گورنمنٹ :- گورنمنٹ اچھی ہو تو ملّت ترقی کرتی ہے۔ گورنمنٹ خراب ہو تو ملت ایک مقام پر ساکن ہو جاتی ہے۔ بالعکس دفعہ پیچھے کی طرف ہٹتی ہے۔ اور اپنے بزرگوں کی تہذیب تمدن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔

آبادی کی گنجانی۔ اگر آبادی خال خال ہو تو لوگوں کا پیشہ بھیڑ بکریاں پالنا ہوتا ہے۔ اگر آبادی گنجان ہو۔ تو زراعت۔ کارخانہ داری اور تجارت لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے۔

ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھ کر ہم ہندوستان کے نقشہ پر لکیر لگاتے ہیں۔ تاکہ مُسلم انڈیا (پاکستان) ہندو انڈیا بھارت سے الگ ہو جائے۔ یہ نظری بحث تو مسلمانوں کے نکتۂ نگاہ سے ہے۔ کہ ان کے لئے ہندوستان کا کون سا حصہ مفید ترین قومی وطن بن سکتا ہے۔ مگر عملی طور پر اس تقسیم کے لئے ہمیں چند اور عناصر بھی پیش نظر رکھنے پڑتے ہیں۔ ان عناصر میں سے چند یہ ہیں۔

یورپی
روس
منگولیا
ترکی
ایران
افغانستان
سوڈان
جاپان
نقشہ ۵
مقابل صفحہ ۲۵۸
دنیا میں مسلمانوں کی آبادی
میجارٹی ۵۰ فیصدی سے زیادہ
مینارٹی ۲۵-۵۰ فیصدی
۵ ۱۰-۲۵ فیصدی

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

اس نقشے میں مسلمانوں کی تمام دنیا میں آبادی دکھائی گئی ہے۔ شمالی اور مرکزی افریقہ۔ عرب۔ عراق۔ ترکی۔ ایران۔ افغانستان ترکستان مغربی چین وغیرہ علاقوں میں مسلمانوں کی میجارٹی ہے۔ گویا ایک اسلامی خطہ ہے۔ اس لئے ہندوستان کا اسلامی خطہ یعنی پاکستان اس کے ساتھ ملا ہوا ہونا چاہیئے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ اپنے ہم مذہب لوگوں سے براہ راست تعلقات پیدا کر سکیں گے۔ اور ہندو انڈیا کو یہ فائدہ ہوگا۔ کہ اسلامی دنیا اور بھارت کے درمیان ایک حائل سلطنت آجائے گی جو بھارت سے دوستانہ تعلقات رکھتی ہے۔ گویا ہندوستان کی مسلمان حکومت ہندو حکومت کی حلیف ہے۔ اور اس لئے شمال کی طرف سے بیرونی حملوں سے بچائے اگر بھارت اپنی پالیسی سے پاکستان کو اپنا حلیف نہ بنا کر رکھے تو یہ بھارت کا قصور ہے۔

اب آپ ایک دفعہ پھر اس جدول کو ملاحظہ فرمایئے جو صفحہ ۱۱۰ پر درج ہے۔ مردم شماری ۱۹۴۱ مذہب کمیونٹی کے لحاظ سے

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی

ہندوستان کی فیصدی آبادی" اور اس نقشے کو ملاحظہ فرمایئے جو صفحہ ۲۲۴ پر درج ہے۔ اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی فیصدی آبادی درج کی گئی ہے۔ (نقشہ کانگرسی راج میں ہندوستان کی نئی تقسیم) تو ظاہر ہے کہ پاکستان ہندوستان کا وہی علاقہ ہونا چاہیئے جہاں مسلمانوں کی آبادی میجارٹی ہے۔ یعنی بلوچستان۔ سندھ۔ پنجاب۔ شمال مغربی۔ کشمیر۔ بنگال۔ اور جہاں ان کی تعداد زیادہ ہے آسام۔ دہلی۔ اور جہاں انہوں نے کئی صدیاں ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ اور اب بھی اسلامی حکومت کے اتنے آثار قدیمہ وہاں موجود ہیں۔ کہ مسلمان ان کو کسی صورت سے پاکستان سے جدا کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ کا علاقہ

یہ ملت اور حکومت کے بالکل منافی ہے۔ کہ قومی علاقہ پارہ پارہ اور بکھرے بکھرے ہو جس کے بیچ میں غیر حکومت کا وطن موجود ہو۔ قوت وحدت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اچھی حکومت قوت پر منحصر ہے۔ سارے پاکستان کا یکجا ہونا نہایت لازمی ہے۔ رقبہ کی پوچھو تو قدیم باشندے اس سارے علاقے میں آباد ہیں۔ یہ جگہ ان کے رہنے کے لئے ہے۔ پاکستان کا رقبہ تمام ہندوستان کی صرف مسلمان آبادی کے حساب سے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس تمام آبادی کے حساب سے جو اس ملک میں رہے گی۔ چونکہ وہ غیر مسلم اقوام بھی تو آخر اسی ملک میں آباد ہیں۔

چودھری رحمت علی نے "ملت اور پیغام" میں ملت کے کئی ٹکڑے کئے ہیں۔ اور پھر ان کو ایک مرکز پر لانے کی تلقین کی ہے براعظم دینیہ اور اس کے ماتحت علاقوں کو مندرجہ ذیل ریاستوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بڑے علاقے (۱) پاکستان (۲) بنگستان۔ (۳) عثمانستان۔ چھوٹے علاقے۔ (۴) صدیقستان (۵) فاروقستان (۶) حیدرستان (۷) معینستان (۸) موپلستان۔ (۹) صفستان (۱۰) ناصرستان (نقشہ ملاحظہ ہو۔

نقشہ ۶۔ چودھری رحمت علی کے پیغام کے مطابق براعظم ہند میں ملت دینیہ اور اس کے ماتحت ریاستوں کا علاقہ

بڑے رقبے:۔ (۱) پاکستان (۲) بنگستان (۳) عثمانستان

چھوٹے رقبے (۴) صدیقستان۔ (۵) فاروقستان (۶) حیدرستان (۷) معینستان (۸) موپلستان (۹)

صفستان (۱۰) ناصرستان

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

اس نقشے میں مسلمانوں کی تمام دنیا میں آبادی دکھائی گئی ہے۔ شمالی اور مرکزی افریقہ۔ عرب۔ عراق۔ ترکی۔ ایران۔ افغانستان ترکستان مغربی چین وغیرہ علاقوں میں مسلمانوں کی میجارٹی ہے۔ گویا ایک اسلامی خطہ ہے۔ اس لئے ہندوستان کا اسلامی خطہ یعنی پاکستان اس کے ساتھ ملا ہوا ہونا چاہیئے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ اپنے ہم مذہب لوگوں سے براہ راست تعلقات پیدا کر سکیں گے۔ اور ہندو انڈیا کو یہ فائدہ ہوگا۔ کہ اسلامی دنیا اور بھارت کے درمیان ایک حائل سلطنت آجائے گی جو بھارت سے دوستانہ تعلقات رکھتی ہے۔ گویا ہندوستان کی مسلمان حکومت ہندو حکومت کی حلیف ہے۔ اور اس لئے شمال کی طرف سے بیرونی حملوں سے بچائے اگر بھارت اپنی پالیسی سے پاکستان کو اپنا حلیف نہ بنا کر رکھے تو یہ بھارت کا قصور ہے۔

اب آپ ایک دفعہ پھر اس جدول کو ملاحظہ فرمایئے جو صفحہ ۱۱۰ پر درج ہے۔ مردم شماری ۱۹۴۱ مذہب کمیونٹی کے لحاظ سے

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی

ہندوستان کی فیصدی آبادی" اور اس نقشے کو ملاحظہ فرمایئے جو صفحہ ۲۲۴ پر درج ہے۔ اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی فیصدی آبادی درج کی گئی ہے۔ (نقشہ کانگرسی راج میں ہندوستان کی نئی تقسیم) تو ظاہر ہے کہ پاکستان ہندوستان کا وہی علاقہ ہونا چاہئیے جہاں مسلمانوں کی آبادی میجارٹی ہے۔ یعنی بلوچستان۔ سندھ۔ پنجاب۔ شمال مغربی۔ کشمیر۔ بنگال۔ اور جہاں ان کی تعداد زیادہ ہے آسام۔ دہلی۔ اور جہاں انہوں نے کئی صدیاں ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ اور اب بھی اسلامی حکومت کے اتنے آثار قدیمہ وہاں موجود ہیں۔ کہ مسلمان ان کو کسی صورت سے پاکستان سے جدا کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ کا علاقہ

یہ ملت اور حکومت کے بالکل منافی ہے۔ کہ قومی علاقہ پارہ پارہ اور بکھرے بکھرے ہو جس کے بیچ میں غیر حکومت کا وطن موجود ہو۔ قوت وحدت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اچھی حکومت قوت پر منحصر ہے۔ سارے پاکستان کا یکجا ہونا نہایت لازمی ہے۔ رقبہ کی پوچھو تو جتنے باشندے اس سارے علاقے میں آباد ہیں۔ یہ جگہ ان کے رہنے کے لئے ہے۔ پاکستان کا رقبہ تمام ہندوستان کی صرف مسلمان آبادی کے حساب سے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس تمام آبادی کے حساب سے جو اس ملک میں رہے گی چونکہ وہ غیر مسلم اقوام بھی تو آخر اسی ملک میں آباد ہیں۔

چودھری رحمت علی نے "ملت اور پیغام" میں ہند کے کئی ٹکڑے کئے ہیں۔ اور پھر ان کو ایک مرکز پر لانے کی تلقین کی ہے برا عظم دینیہ اور اس کے ماتحت علاقوں کو مندرجہ ذیل ریاستوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بڑے علاقے (۱) پاکستان (۲) بنگستان (۳) عثمانستان، چھوٹے علاقے۔ (۴) صدیقستان (۵) فاروقستان (۶) حیدرستان (۷) معینستان (۸) مولپستان۔ (۹) صفستان (۱۰) ناصرستان (نقشہ ملاحظہ ہو۔

نقشہ ۹ :- چودھری رحمت علی کے پیغام کے مطابق براعظم ہند میں ملت دینیہ اور اس کے ماتحت ریاستوں کا علاقہ

بڑے رقبے :- (۱) پاکستان (۲) بنگستان (۳) عثمانستان

چھوٹے رقبے (۴) صدیقستان۔ (۵) فاروقستان (۶) حیدرستان (۷) معینستان (۸) مولپستان (۹)

صفستان (۱۰) ناصرستان

نقشہ نمبر ۷
اصول و حساب کی بنا پر
پاکستان کا علاقہ
پشاور
سرینگر
لاہور
کوئٹہ
قلات
کراچی
آگرہ
لکھنؤ
پٹنہ
ڈھاکہ
کلکتہ
ناگپور
برار
بمبئی
حیدر آباد
میسور
مدراس
کورگ
پاکستان ۔ منقوط لکیر سے اوپر کا علاقہ
بھارت ۔ منقوط لکیر سے نیچے کا علاقہ
موجودہ سیاسی تقسیم کے مطابق
برطانوی ہندوستان کا علاقہ
دیسی ریاستیں

اگر پاکستان بہار اور یو۔پی کا کچھ حصہ لے رہا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ تو اور بہت سا علاقہ بھارت کو دے رہا ہے۔ جہاں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں۔ یا سیاسی وجوہات کے سبب مسلمانوں کا عنصر وہاں غالب ہونا چاہیئے۔ کاٹھیا وار کے قریب بیں مسلمانوں کی بینارٹی آبادی کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو دنیا کے نقشے نمبر (دنیا میں مسلمانوں کی آبادی) میں نمایاں ہے۔ کاٹھیا واڑ کو پاکستان میں شامل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یو۔پی کے مسلمان اور دکن کے مسلمان اگر چاہیں تو ان علاقوں میں ہجرت کر سکیں یہی علاقہ ان کے قریب تر ہے۔ کاٹھیا واڑ میں مسلمان دیسی ریاستیں بھی ہیں جہاں اسلامی تہذیب قائم ہے۔

یہ کسی صورت سے عقل کی بات نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم پیوند پیوند کی شکل میں کردی جائے۔ جس میں ایک دوسرے سے پیوستہ اور ایک دوسرے کے اندر اسلامی اور ہندو علاقہ موجود ہو۔ وہ جھگڑا تو ویسا ہی قائم رہا۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی ترقی نہیں کرسکے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ایک پورا علاقہ کاملاً ایک قوم کے قبضے میں ہو تاکہ اپنی منشا کے مطابق وہ مختلف ذرائع سے وہاں ترقی کر سکے۔

میں نے ہندوستان کی پاکستان اور بھارت میں تقسیم کی لکیر اس واقفیت اور علم کی بنا پر لگائی ہے۔ جو مجھے اسوقت تک حاصل ہو سکا۔ کتابیں محدود۔ نقشے چھوٹے چھوٹے۔ یہ تو اصول ہے۔ جو میں نے پیش کیا۔ مزید تحقیق اور مزید واقفیت کے بعد امکان ہے کہ خطِ تقسیم کو کسی حد تک بدلنا پڑے۔ مگر میں نے کسی کی رو رعایت نہیں کی۔ اصول کے لحاظ سے یہ کم از کم رقبہ ہے۔ جو پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے۔

مقالہ ۱۷

کرۂ ارض اور دنیا کی سلطنتوں کے حقائق کا علم کیوں ضروری ہے

جب ہم کسی مقام پر جانا چاہتے ہیں. تو کوچ کرنے سے پہلے راستے اور سفر کے حالات دریافت کر لیتے ہیں. زادِ راہ اپنے ساتھ لیتے ہیں. سواری کا انتظام کرتے ہیں. راستے کی مشکلات پر قابو پانے کے طریقے نکالتے ہیں. اور پھر بخیر و خوبی اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں. کوئی شخص جو حقائق کا علم حاصل کئے بغیر سفر شروع کرتا ہے. وہ اپنی سوئی ہوئی مصیبتوں کو جگاتا ہے. جو شخص گرد و پیش کا جائزہ لئے بغیر، جادہ و سفر کے حقائق اور مشکلات کو سمجھنے کے بغیر. اور گرد و پیش. حقائق اور مشکلات پر فتح پانے کی تدابیر کو اپنے قبضۂ قدرت میں لانے کے بغیر سفر شروع کر دیتا ہے. وہ اس اندھے کی طرح ہے جو اندھیرے میں دیوار کو ٹکر مارتا ہے. اور سمجھتا ہے کہ جب کبھی وہ گامزن ہوتا ہے تو سب دیواریں آگے سے خود بخود مٹ جاتی ہیں.

اس زمین پر ہم رہتے ہیں. کرۂ ارض محدود چیز ہے. اس کی جسامت معین. اُس کی آمدنی کے ذرائع محدود. لکڑی لوہا پتھر. دھاتیں. ہوا فضا سب مُتعیّن ہے. ہمسایہ ممالک میں سے کوئی ایک جو زبردست ہو. وہ ان ذرائع کے بڑے حصے پر قبضہ کر لے. تو دوسرے ممالک کو اس کا دست نگر ہونا پڑے گا. اس لئے لازم ہے. کہ ترقی. سلطنت اور آزادی کے متعلق فکر کرنے سے پہلے ہم زمین اور آسمان کے حقائق کو اچھی طرح سے سمجھ لیں. آسمان کی ہوا بھی ایک دولت ہے. اس میں ہوائی جہاز چلتے ہیں. انسان اس میں سانس لے کر زندہ ہے. اس میں سے نائٹروجن حاصل کی جاتی ہے. اس کا علم بھی لازم ہے. ستاروں سیاروں اور افلاک کے علم سے ہمارا ذہنی تخیّل وسیع ہوتا ہے. اور امکان ہے کہ کسی وقت ان کے معلوم یا غیر معلوم اثرات پر قابو پانے کی ہمیں ضرورت ہو.

پاکستان بھی اس دنیا کا ایک حصہ ہے اور اسے دوسرے ملکوں کے ساتھ حلیف بن کر یا دوسروں کے مقابل میں کھڑا ہو کر اس دنیا میں موجود رہنا ہے. اس لئے ضروری ہے. کہ پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا کے دوسرے ممالک کے حقائق

کو بھی معلوم کیا جائے۔ پاکستان اگرچہ ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ مگر جب یہ آزاد قومی حکومت بن گیا تو لازم ہے کہ اس کی طاقت کا مقابلہ دنیا کی دیگر آزاد حکومتوں کے ساتھ کیا جائے۔ اس خیال کو پیش نظر رکھ کر ہم دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی وسعت اور آبادی کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ہم نے گذشتہ بحث میں دیکھا ہے کہ قوم کا ماحول کس طرح سے ترقی کرنے میں قوم کی امداد دیتا ہے۔ (مقالہ ۱۵) وطن کی قدرتی کیفیت۔ زندگی کے قیام کی ضروریات۔ اقتصادی حالات۔ مصنوعاتی حالات پر قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔ قوم کی دماغی کیفیت اور تہذیب و تمدن کی کیفیت پر ان حالات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ مقالہ ۱۶ میں ہم نے دیکھا ہے۔ کہ جہاں جنگل۔ معدنیات زیادہ ہوتی ہیں۔ وہاں کارخانے آسانی سے بنائے جاسکتے ہیں۔ انسانی سماج پر آب و ہوا۔ نسل۔ مذہب۔ گورنمنٹ اور آبادی کی گنجانی کا بڑا اثر ہے۔ اب ہم ان سب عناصر کا مطالعہ باری باری دنیا کے حقائق سے کرتے ہیں۔ اور اگر نتیجہ وہی ہو جو میں نے بیان کیا ہے۔ تو پھر میرے بیان کردہ اصولوں کو صحیح مان لینا ضروری ہے۔ اور مزید بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لیجئے دنیا کے مختلف ممالک کے حقائق آپ کے سامنے ہیں۔

مقالہ ۱۸

ہمارا کرۂ ارض

زمین کی جسامت

یہ زمین جس پر ہم آباد ہیں کرۂ ارض کہلاتا ہے۔ اس کی شکل گولے کی طرح ہے۔ مگر یہ گولا دونوں قطبوں پر سے زیادہ چپٹا ہے۔ یعنی کرۂ ارض کی شکل نارنگی سے ملتی ہے۔ اگر کوئی کرہ گندھے ہوئے آٹے کی طرح سے نرم مادے کا بنا ہوا ہو اور اسے محور پر تیز حرکت دی جائے۔ تو وہ اس حرکت کے سبب استوا پر سے پھیل جاتا ہے۔ اور قطبین پر سے چپٹا ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہماری زمین محور پر تیز گھومتی ہے۔ اس لئے اس کی شکل نارنگی کی طرح سے ہو گئی ہے کرۂ ارض کا قطب شمالی ش سے لیکر قطب جنوبی ج تک کا فاصلہ ۷,۹۰۰ میل ہے اور زمین کا قطر خط استوا پر ۷,۹۲۶ میل ہے یعنی صرف ۲۶ میل کا فرق۔ یہ فرق نسبت کے لحاظ سے تین سو میل میں ایک میل کے تناسب سے آتا ہے۔ اس لئے اتنا قلیل ہے کہ زمین کو اگر کرہ یا گولا کہ دیا جائے تو کچھ غلط نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر زمین کے
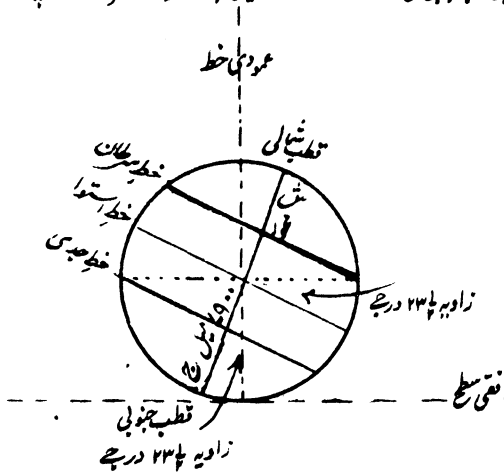
شکل ۱ زمین کی جسامت اور میلان

آرپار ایک طرف سے دوسری طرف مرکز م کے بیچ میں سے ایک سوراخ کیا جائے. تو یہ فاصلہ ۷۹۲۶ میل یعنی تقریباً آٹھ ہزار میل ہوگا. تو ہماری زمین کا قطر کوئی آٹھ ہزار میل ہے. نصف قطر (یعنی مرکز سے سطح تک کا فاصلہ) چار ہزار میل اور محیط ۲۵ ہزار میل سے کچھ کم. یعنی اگر ایک ہوائی جہاز خطِ استوا پر روانہ ہو اور سیدھا مغرب کی طرف رخ کرکے اڑنا شروع کرے تو جب زمین کے تمام گرد گھوم کر واپس آئے گا. تو اس نے ۲۵ ہزار میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا. شکل نمبر۱

زمین کی حرکتیں۔ ہماری زمین ہروقت دو حرکتیں کرتی رہتی ہے. ایک اپنے محور کے گرد. اس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں. محور پر ایک گردش زمین ۲۴ گھنٹوں میں پورا کرتی ہے. یعنی ایک دن جمع رات = ۲۴ گھنٹے. اس کا یہ مطلب ہوا کہ خطِ استوا پر جو نقطہ واقع ہو اسکی رفتار $\frac{۲۵۰۰۰}{۲۴}$ میل فی گھنٹہ = ۱۰۴۱ $\frac{۲}{۳}$ میل فی گھنٹہ

زمین کی دوسری حرکت اپنے مدار پر سورج کے گرد ہے. زمین کا مدار بیضہ کی شکل کا ہے. جو کہ تقریباً دائرہ ہے. یعنی زمین کا سورج سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ اپنے مدار پر ۹۴۰ لاکھ میل ہوتا ہے. اور کم سے کم فاصلہ ۹۰۰ لاکھ میل زمین کا مدار سطح مستوی میں واقع ہے. یعنی اگر مدار کا نقشہ بنایا جائے. تو چپٹی سطح پر واقع ہوگا. سورج مدار کے مرکز میں واقع نہیں بلکہ ایک فوکس پر واقع ہے. جب جنوبی قطب سورج کی طرف ہوتا ہے یعنی جب نصف کرۂ جنوبی میں گرمی کا موسم ہوتا ہے. تو سورج کا کم سے کم فاصلہ ۹۰۰ لاکھ میل تک ہوجاتا ہے. (مقام د) اور اس لئے جنوبی نصف کرے کا تابستان شمالی نصف کرے کی نسبت زیادہ گرم ہے. (اور زمستان نسبتاً ٹھنڈا) چونکہ جب قطب شمالی سورج کی طرف ہوتا ہے. تو زیادہ سے زیادہ فاصلہ ۹۴۰ لاکھ میل ہوجاتا ہے اس لئے آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کی موسمِ تابستان کی گرمی شدید ہوتی ہے. مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے. کہ اگرچہ قطب جنوبی پر سورج کی گرمی کی شدت زیادہ ہے. مگر چمکنے کا عرصہ کم ہے. چونکہ سورج کے ایک فوکس پر ہونے سے مدار کا یہ حصّہ زمین جلدی طے کرلیتی ہے. نصف کرۂ شمالی پر نصف کرۂ جنوبی کی نسبت سورج آٹھ دن زیادہ چمکتا ہے. شکل نمبر۲

زمین مدار پر اپنی ایک حرکت $\frac{۱}{۴}$ ۳۶۵ دن میں پورا کرتی ہے. سال تو ہم ۳۶۵ دن کا شمار کرتے ہیں. اور اس کو

۱۲ مہینوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ دن کا ¼ جو مدار کی گردش میں زائد ہے۔ حقیقت میں ٹھیک ¼ دن یعنی ۶ گھنٹے نہیں بلکہ اس سے کچھ کم ہے۔ اس کو ہر لیپ سال کی فروری میں جمع کر کے فروری کو ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا بنا لیتے ہیں۔ لیپ سال وہ ہوتا ہے جو ۴ پر پورا تقسیم ہو جائے۔ مگر اس سے بھی مدار پر گردش کا حساب بالکل پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ سال ذرا سا لمبا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر چار صدیوں میں ۳ لیپ سالوں میں ایک زائد دن جمع نہیں کیا جاتا۔ اور وہ اس طرح ہے۔ پورا سو ہندسوں والا سال لیپ سال نہیں ہوتا یعنی فروری ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔ مگر جب پورا سو ہندسوں والا سال ۴ پر پورا تقسیم ہو جائے تو اسکا فروری ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ مثلاً ۲۱۰۰، ۲۲۰۰، ۲۳۰۰ سن عیسوی تو لیپ سال نہیں ہوں گے۔ مگر ۲۴۰۰ عیسوی لیپ سال شمار ہوگا۔
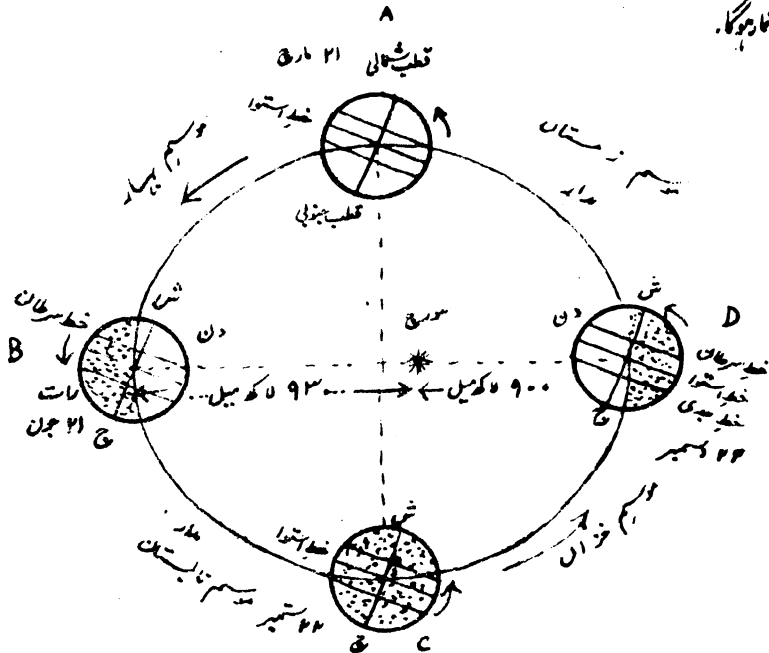
شکل ۲ زمین کی محور اور مدار پر گردش

یہ ہے وہ کرۂ ارض جس پر ہمارے باپ دادا پیدا ہوئے۔ جس پر ہم رہتے ہیں اور جہاں ہمیں زندگی گذارنی ہے۔ زمین اجرام فلکی میں سے ایک جرم ہے۔ مگر جسامت کے لحاظ سے نسبتاً بہت چھوٹا ہے۔ زمین کا تعلق سورج اور دیگر سیاروں سے ہے۔ اس تعلق کا ملاحظہ بھی ایک نظر سے کر لیا جائے۔ تو مفید ثابت ہوگا۔

مقالہ ۱۹

سُورج چاند اور ستارے

نظامِ شمسی ہماری زمین فضا میں اکیلی نہیں ہے۔ کئی سیارے اور ستارے فضا میں گھوم رہے ہیں۔ ان میں سے چند سیارے مل کر ایک نظام بناتے ہیں۔ ہیئت کے جس نظام کا ہماری زمین ایک رکن ہے۔ اسے نظامِ شمسی کہتے ہیں۔

نظامِ شمسی کے مرکز میں سورج ہے اور یہی اس نظام کا سب سے بڑا جرم ہے۔ سُورج کے گرد آٹھ سیارے اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک سیارچین ہے، جو بہت سے چھوٹے چھوٹے سیاروں (یعنی سیارچوں) کا مجموعہ ہے۔ یہ سیارچین مشتری اور مریخ کے درمیان واقع ہے۔ ملاحظہ ہو شکل نمبر ۳۔ شکل نمبر ۴

جدول نمبر ۸ ۔ نظامِ شمسی کے اراکین

گروپ	نمبر شمار	اجرام فلکی: انگریزی نام	فارسی نام	ہندی نام	سورج سے اوسط فاصلہ میلوں میں	اوسط قطر میلوں میں	کل وزن کے لحاظ سے ایک دوسرے کی باہمی نسبت + سورج کا وزن ۱۰۰۰,۰۰۰ گنا فرض کیا گیا ہے۔
مرکز	۰	سن	شمس	سورج		۸۶۰,۰۰۰ میل	۱۰۰۰,۰۰۰
چھوٹے سیاروں کا اندرونی گروپ	۱	مرکری	عطارد	بدھ	۳٫۶۵ کروڑ میل	۲,۹۹۲ میل	۰٫۲
	۲	وینس	زہرہ	شکر	۶٫۷ " "	۷,۶۶۰ میل	۲٫۳۵
	۳	ارتھ	ارض	زمین	۹٫۳ " "	۷,۹۱۸ "	۳٫۰۶
	۴	مارس	مریخ	منگل	۱۴٫۱۶ " "	۴,۲۱۱ "	۰٫۳۴
سیارچین	اندرونی اور بیرونی گروپ کے درمیان بہت سے چھوٹے چھوٹے سیاروں کا گروہ۔						
بڑے سیاروں کا بیرونی گروپ	۵	جوپیٹر	مشتری	برہسپت	۴۸٫۶۰ کروڑ میل	۸۶,۰۰۰ میل	۹۵۴٫۳
	۶	سیٹرن	زحل	سنیچر	۸۸٫۶ " "	۷۰,۵۰۰ "	۲۸۵٫۶
	۷	یورے نس	یورے نس	یورے نس	۱۷۸٫۲ " "	۳۱,۷۰۰ "	۴۴٫۳
	۸	نیچون	نیچون	نیچون	۲۷۹٫۴ " "	۳۴,۵۰۰ "	۵۱٫۶

کل سیاروں کا نسبتی مجموعی وزن ۱۳۴۱٫۷۵

یورے نس اور نیچون عہدِ حاضر کی دریافت ہیں اسلئے ان کو فارسی اور ہندی میں بھی جدید ناموں سے پکارا جاتا ہے۔
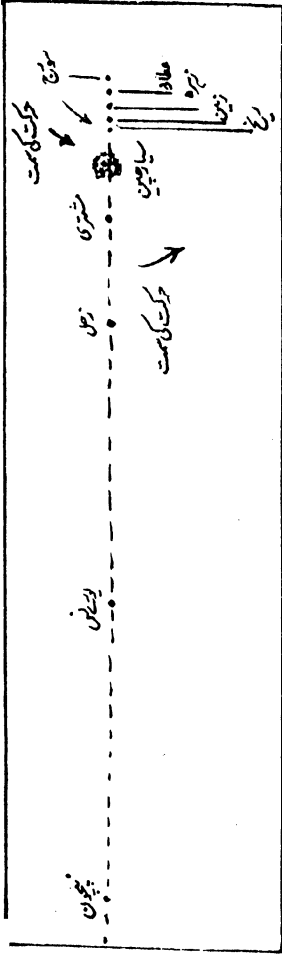
شکل ۳ نظام شمسی کے اراکین کا سورج سے فاصلہ
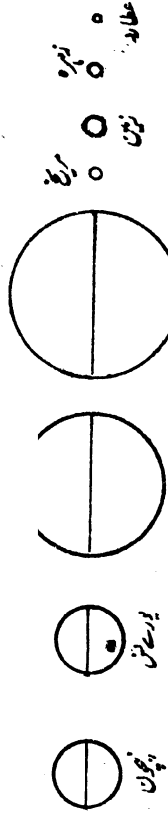
شکل ۴ نظام شمسی کے اراکین کی حجم کے لحاظ سے آپس میں نسبت

ان حقائق سے ظاہر ہے کہ سورج، نظام شمسی میں نسبتاً بہت ہی بڑا جرم ہے۔ یعنی زمین کا قطر تقریباً ۸ ہزار میل ہے تو سورج کا ۸۶۰ ہزار میل۔ سورج کا وزن .... گنا فرض کیا جائے۔ تو زمین کا وزن صرف ۳ گنا ہے۔ تمام آٹھ سیاروں کا مجموعی وزن جو نظام شمسی میں شامل ہیں۔ ۱۳۱ گنا ہوتا ہے۔ گویا زمین سورج سے اس درجہ حقیر ہے کہ اگر زمین کو سورج کے کسی غار یا شگاف میں چھپا دیا جائے۔ تو اس کا کہیں پتہ نہ چلے۔ دس لاکھ اور تین کا کوئی مقابلہ نہیں۔ زمین کو اگر ایک انچ قطر کا گولہ فرض کیا جائے۔ تو اس حساب سے سورج ۹ فٹ قطر کا گولہ ہوگا۔ قدرت کا قاعدہ یہی ہے۔ چھوٹا بڑے کے گرد گھومتا ہے۔

ستارے بیشمار ہیں

گرمی کی تاروں بھری رات میں آپ نے آسمان کی محفل کی بہار دیکھی ہو گی۔ تارے موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ اور تعداد میں اتنے جتنے سر کے بال۔ ان کا شمار محال۔ ان کو ستارے اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ آسمان میں اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ اگرچہ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ستارے بھی حرکت کرتے ہیں۔ اور ثابت اس لئے معلوم دیتے ہیں کہ ان کا فاصلہ ہم سے بہت زیادہ ہے۔ ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے۔ اور اس کے گرد آٹھ سیارے گھومتے رہتے ہیں۔

یہ ستارے جن کو ہم آسمان میں دیکھتے ہیں۔ ہمارے سورج کی نسبت لاکھوں، کروڑوں کیا بلکہ اربوں گنا بڑے ہیں ان کا فاصلہ سورج کے فاصلے کی نسبت اربوں گنا زیادہ ہے۔ ہمارا سورج ان کے مقابلے میں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنی ہماری زمین، سورج کے مقابلے میں حقیر ہے۔ امکان ہے کہ ان ستاروں میں انسان آباد ہوں یا انسانوں سے ملتے جلتے کوئی جانور موجود ہوں۔ یا کسی رنگ کی حیات سے یہ بستیاں معمور ہوں۔

اجرام فلکی کے کئی نظام موجود ہیں

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہماری کائنات ایک بہت ہی وسیع خلا ہے جس کی کوئی حدود نہیں۔ اس فضا میں کہیں کہیں اجرام فلکی موجود ہیں ان اجرام کا فاصلہ مابین جرم کے حجم کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ گویا فضا کا بیشتر حصہ خلا پر مشتمل ہے۔ ہر ستارہ ایک نظام رکھتا ہے۔ اور اس کے ماتحت اپنے اپنے سیارے موجود ہیں۔ ان سیاروں کے گرد اپنے اپنے چاند۔ بعض ستارے

تو ہمیں خالی آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ بعض اتنے دور ہیں کہ دوربین کی مدد سے دکھائی دیتے ہیں۔ ہم دوربین کی قوت بصارت کو جتنا قوی کرتے ہیں ہمیں ایک ستارے کے پیچھے دوسرا ستارہ نظر آتا ہے۔ یعنی ستاروں کی دنیا وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔ بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کو ہم نے آج تک خالی آنکھ یا دوربین کی امداد سے نہیں دیکھا۔ اور غالباً کائنات کی حدود کا پورا علم حاصل کرنا ہمارے لئے کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ جتنا ہمارا علم بڑھتا ہے۔ کائنات کی حدود اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

تو آپ نے محسوس کیا کائنات کس قدر وسیع اور ہمارا کرۂ ارض اس کے مقابلے میں کس درجہ حقیر ہے۔ ستارے اس قدر فاصلے پر ہیں کہ ہمارا حساب کا طریقہ ان کو کاغذ پر آسانی سے لکھنے سے قاصر رہتا ہے۔

تیری کریمی سے ہے میرے جنوں کو گلہ
اپنے لئے لامکاں، میرے لئے چارسو

اقبال

مقالہ ۲۰

کرۂ ارض پر حیات کا وطن

انسان زندہ مادے کا بنا ہوا ہے۔ حیوانات اور نباتات (درخت پودے گھاس وغیرہ) سب زندہ ہیں۔ زندہ غیر ذی حیات پر حکومت کرتا ہے۔ اور جس انسان میں حیات کی قوتیں زیادہ تکمیل یافتہ ہیں۔ وہ کم ترقی یافتہ روح پر حکومت کرتا ہے۔

زندگی اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ انسان بھی اس دولت میں شامل ہیں۔ جو قوم زیادہ سے زیادہ جاندار چیزوں کو اپنے قبضے میں لے آئے اور ان پر حکومت کرے۔ وہ زیادہ دولت مند ہوگی۔ زمین کے جانور حیوان۔ ہوا کے ساکن۔ پرندے پانی میں رہنے والی مچھلیاں۔ جنگل کے باسی۔ درخت + باغوں کی بہار۔ پھول + میدانوں کی رونق کھیتیاں۔ سب اس زندہ دولت کے ارکین ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ زندہ دولت اس کرۂ ارض پر کہاں رہتی ہے۔ یعنی حیات کا وطن کرۂ ارض پر کہاں ہے۔

زندگی کی تعریف کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تاکہ زندہ اور غیر زندہ میں تفریق ہو جائے۔ حیات کی ایک تعریف ہے کہ جاندار چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ بڑھ کر جوان ہوتی ہیں۔ اور پھر عمر طبعی کو پہنچ کر مر جاتی ہیں۔ مگر بے جان مادہ نہ بڑھتا ہے نہ اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ حیات کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی ذات اور زندگی کو قائم رکھے۔ اس لئے دشمن کے حملہ کی مدافعت کرتی ہے۔ اور دیر تک زندہ رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ صرف حیات ہیں سے حیات پیدا ہو سکتی ہے۔ جاندار مادہ اپنے بچے پیدا کرتا ہے۔ اور اپنی نسل کے دوام اور فروغ کی کوشش میں منہمک رہتا ہے۔ بچے اپنے والدین سے پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ خواہ وہ ہاتھی کے ہوں۔ فرنگی کے۔ حبشی کے۔ ٹیر یا مچھر کے یا سمندری گھاس کے۔

یوں تو حیات تین طبقوں میں پائی جاتی ہے۔ (۱) خاک پر انسان حیوان (۲) آب میں مچھلیاں اور (۳) ہوا میں پرندے

مگر یہ معلوم ہوا ہے کہ حیات ٹھوس زمین کے اوپر موجود ہے۔ یا اس کے قریب کے پانی اور ہوا میں موجود ہے۔ حیات کو قائم رکھنے کے لئے خوراک کی ضرورت ہے۔ اور خوراک ٹھوس زمین کے اوپر پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کرۂ زمین پر حیات کا وطن ٹھوس زمین کے اوپر یا اس کے قرب جوار میں واقع ہے۔ خوراک کے علاوہ حیات کو روشنی اور ہوا کی ضرورت ہے۔ گویا جہاں پر تینوں چیزیں۔ خوراک روشنی اور ہوا یکجا میسر نہ آسکیں وہاں حیات کا وجود ممکن نہیں۔ یہ تینوں چیزیں ٹھوس زمین پر پائی جاتی ہیں۔ زمین کی خاک پر۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں انسان اور جانور رہتے ہیں۔ درخت اگتے ہیں۔ فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ سطح خاک کے بالکل اوپر واقع ہے۔ کرۂ ہوائی اس ٹھوس زمین کے اوپر ہے۔ اور اس میں پرندے موجود ہیں۔ مگر خوراک اور آرام کے لئے وہ زمین پر ہی اپنا ٹھکانا تلاش کرتے ہیں۔ سطح زمین کے اوپر کوئی چار میل تک ہوا میں زندہ چیزیں موجود ہیں۔ اس کے بعد حیات کے کوئی آثار نہیں۔ ٹھوس زمین کے اندر بعض جاندار بل بنا کر رہتے ہیں یا زمین کے گہرے حصے ان کا وطن ہے۔ یہ جاندار چیزیں سطح زمین سے کوئی دو سو فٹ کے اندر اندر پائی جاتی ہیں۔ اب سمندر کو دیکھیں تو جہاں تک پانی کے اندر سورج کی روشنی کی شعاعیں کچھ نہ کچھ پہنچتی ہیں وہاں حیات موجود ہے۔ اس کے بعد تاریکی اور موت کا راج ہے۔ بہت گہرے سمندر میں شاید میل بھر کی گہرائی تک مچھلیاں اور سمندری جانور موجود ہیں۔ اور بہت گہرے پانی میں جہاں روشنی نہیں جاتی وہ جانور رہتے ہیں جن کی آنکھیں بالکل نہیں ہیں۔ ان کی بناوٹ ایسی ہے۔ کہ وہ اس ماحول میں رہنے کے لئے موزوں ہیں۔

مقالہ ۲۱

کرۂ ارض کی ملکوں میں تقسیم

دُنیا کے براعظم

ہماری زمین گیند کی طرح گول ہے. اس کی بیرونی سطح کا کچھ حصّہ سخت زمین ہے. اس کو خشکی کہتے ہیں. اور کچھ حصّے پر سمندر ہے. اس کو تری کہتے ہیں. خشکی تمام کرۂ ارض کی سطح کا $\frac{1}{4}$ سے کچھ زیادہ اور $\frac{1}{3}$ سے کم ہے. سمندر $\frac{3}{4}$ حصے سے کچھ کم ہے. اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہماری زمین کا بیشتر حصہ سمندر نے گھیرا ہوا ہے. اور صرف $\frac{1}{4}$ حصّے پر پہاڑ، دریا، کھیتیاں موجود ہیں. اور اسی حصے پر انسان کی رہائش ممکن ہے. مگر حقیقت یہ ہے کہ آب و ہوا کی مشکلات اور جغرافی دقتوں کے سبب سے خشکی کا تمام علاقہ انسانی آبادی کے قابل نہیں.

کرۂ زمین پر ٹھوس زمین کا رقبہ ۵۵,۰۰۰,۰۰۰ مربع میل تقریباً

سمندر کا رقبہ ۱۴۲,۰۰۰,۰۰۰ 〃 〃

(خشکی + سمندر) کل کرۂ ارض کی بیرونی سطح کا رقبہ ۱۹۷,۰۰۰,۰۰۰ مربع میل تقریباً

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ۲۸ فیصدی خشکی ہے. اور ۷۲ فیصدی پانی یعنی ۱ اور ۲۶۵ کی نسبت

خشکی کو سمندر. پہاڑ دریا، قطعوں اور حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں. ان کو براعظم اور ملک کہتے ہیں. ارض چونکہ ایک کرہ ہے. اس لئے دنیا کی ساری خشکی کو بیک وقت دیکھنا ممکن نہیں. اکثر نقشہ دو دائروں کی شکل میں بنایا جاتا ہے. اور ارض کے دو نصف حصّے دونوں دائروں میں دکھائے جاتے ہیں. محور کرۂ ارض میں ایک فرضی خط ہے. جو قطب شمالی سے لیکر قطب جنوبی تک زمین کے اندر مرکز سے گزرتا ہوا چلا گیا ہے.

ہماری دنیا کے پانچ بڑے براعظم ہیں. (۱) ایشیا (۲) یورپ (۳) افریقہ (۴) شمالی امریکہ (۵) جنوبی امریکہ

یورپ اور ایشیا آپس میں ملے ہوئے ہیں. اور ایک براعظم بناتے ہیں. اس کو یوریشیا کہتے ہیں. کوہ یورال بیچ میں حد

فاصل ہے۔ انکے
علاوہ آسٹریلیا کا
جزیرہ ہندوستان
کے مغرب میں واقع
ہے آسٹریلیا اور اسکے
قریب کے جزیروں کو
ملاکر ایک براعظم مانا
گیا ہے جسکا نام آسٹرل
ایشیا رکھا ہے۔ شمالی
قطب کے پاس بہت بڑا
علاقہ ہے۔ جو عموماً
برف سے ڈھکا رہتا
ہے۔ اس کو ملک منجمد
شمالی کہتے ہیں اسکی
آبادی بہت تھوڑی
ہے۔ اور پھر اس
آبادی کا صحیح اندازہ
نہیں۔
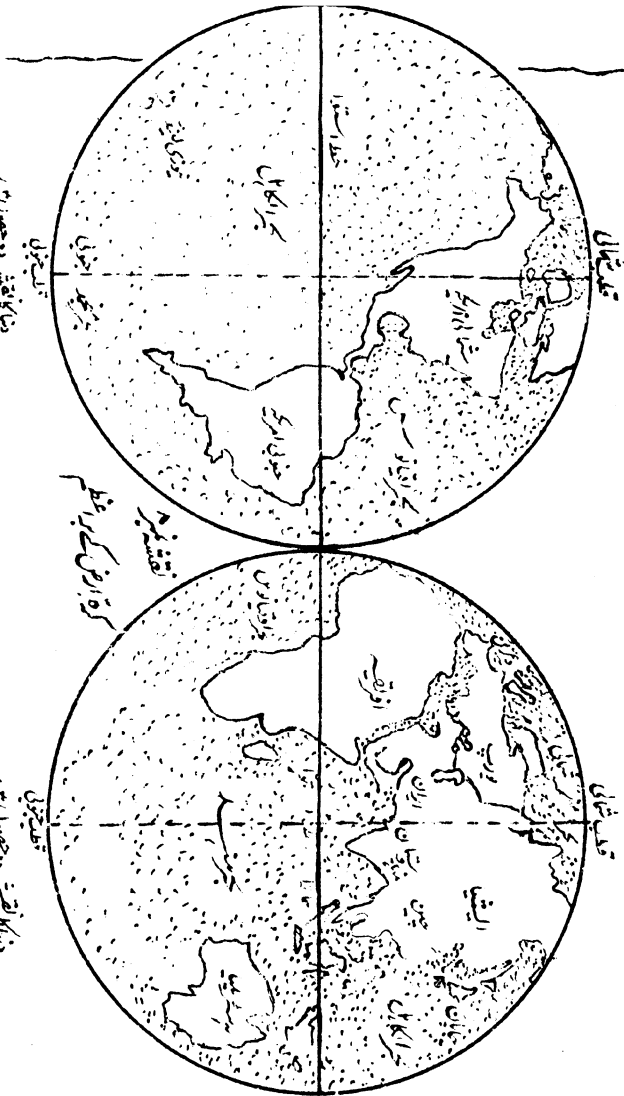
جدول نمبر ۹۔ براعظموں کا رقبہ اور آبادی

یہ اعداد ملیون میں دیئے گئے ہیں۔ یعنی اُنہیں ۱۰۰۰ر۰۰۰ سے ضرب دینی چاہیئے۔

براعظم	رقبہ مربع میلوں میں			آبادی نفوس		
۱۔ ایشیا	۱۷	ملیون	مربع میل	۱ر۱۴۰	ملیون	نفوس
۲۔ یورپ	۳ر۶۸	"	"	۵۲۶	"	"
۳۔ افریقہ	۱۱ر۶۵	"	"	۱۴۵	"	"
۴۔ شمالی امریکہ	۹	"	"	۱۸۴	"	"
۵۔ جنوبی امریکہ	۷	"	"	۸۸	"	"
۶۔ آسٹریلیشیا	۳ر۶۱	"	"	۱۰	"	"
۷۔ ملک منجمد شمالی	۸	"	"	—		
میزان	۵۹	"	"	۲ر۱۰۰	"	"

ہندوستان ۱۸ لاکھ مربع میل ۳۸۹ ملیون نفوس (رپورٹ مردم شماری ۱۹۴۱)

ایک ملیون = دس لاکھ

یورپ کی سیاسی حدود جو ۱۹۳۹ میں تھیں
نقشہ نمبر ۱۰ یورپ کی سیاسی تقسیم

جدول نمبر ۹۔ براعظموں کا رقبہ اور آبادی

یہ اعداد ملیون میں دیئے گئے ہیں۔ یعنی اُنہیں ۱٬۰۰۰٬۰۰۰ سے ضرب دینی چاہیئے۔

براعظم	رقبہ مربع میلوں میں			آبادی نفوس		
۱۔ ایشیا	۱۷	ملیون	مربع میل	۱ر۱۴۰	ملیون	نفوس
۲۔ یورپ	۳۶۸	"	"	۵۲۶	"	"
۳۔ افریقہ	۱۱۶۵	"	"	۱۴۵	"	"
۴۔ شمالی امریکہ	۹	"	"	۱۸۴	"	"
۵۔ جنوبی امریکہ	۷	"	"	۸۸	"	"
۶۔ آسٹریلیشیا	۳۶۱	"	"	۱۰	"	"
۷۔ ملک منجمد شمالی	۸	"	"	—		
میزان	۵۹	"	"	۲ر۱۰۰	"	"

ہندوستان ۱۸ لاکھ مربع میل ۳۸۹ ملیون نفوس (رپورٹ مردم شماری ۱۹۳۱ء)

ایک ملیون = دس لاکھ

دُنیا کی سیاسی تقسیم

یہ تو تھے خدا کے بنائے ہوئے ملک۔ انسان نے اس خدا کی دی ہوئی زمین کو اپنے زور بازو سے اپنی منشا کے مطابق تقسیم کر لیا ہے۔ اس کے حصے بخرے کر لئے ہیں۔ اور بعض زبردست ملکوں نے کمزور ملکوں کو زیردست بنا لیا ہے۔ ان کا نام مقبوضات Colonies رکھا ہوا ہے اقبال کے الفاظ میں خدا کہتا ہے۔

جہاں را زیک آب و گل آفریدم　　　تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

اس کو دنیا کی سیاسی تقسیم کہنا چاہیئے۔ موجودہ جنگ (۱۹۳۹ - ۱۹۴۵) کے بعد ملکوں کی حدود کون سی صورت اختیار کریں، یہ ہمیں ابھی تک معلوم نہیں۔ اس لئے جو حدود ۱۹۳۹ سے پہلے تھیں۔ ہم ان پر ہی بحث کرتے ہیں۔ اور اُن حقائق سے اپنے نتائج استخراج کریں گے۔ دنیا میں سات بڑی طاقتیں شمار کی جاتی ہیں۔ (۱) برطانیہ (۲) فرانس (۳) اٹلی (۴) جرمنی (۵) سوویٹ روس (۶) ریاستہائے متحدہ امریکہ (۷) جاپان۔ جنگ عظیم (۱۹۱۴ - ۱۹۱۸) کے بعد جرمنی کے تمام مقبوضات چھین لئے گئے۔ اب ممکن ہے کہ جاپان کو بھی اسی طرح سے نادار بنا دیا جائے تاہم ۱۹۳۹ میں حاکم قوموں کے ماتحت مندرجہ ذیل ماتحت علاقے موجود تھے۔

دُنیا کی بڑی بڑی ایمپائر

(۱) برطانیہ سب سے بڑی ایمپائر ہے۔ ۱۹۲۶ اور ۱۹۳۰ میں جو امپیریل کانفرنسیں ہوئیں۔ ان کے مطابق ایمپائر کا نام کامن ویلتھ آف نیشنز (دولت مشترکۂ اقوام) رکھا گیا ہے۔ جس کے ممبر یہ ہیں (۱) برطانیہ (۲) کنیڈا (۳) آسٹریلیا (۴) نیوزی لینڈ (۵) یونین جنوبی افریقہ اور (۶) آئرلینڈ (جو پہلے آزاد آئرلینڈ کہلاتا تھا) ان کا نام ڈومینین Dominion رکھا ہوا ہے۔ (۷) ہندوستان اگرچہ اس کو دولت مشترکۂ اقوام کا ایک رکن کاغذ پر مان لیا گیا۔ مگر عملی طور پر یہ ماتحت ملک چلا آتا ہے۔ (ان کے ماتحت رقبے بھی ان ممالک کے حساب میں شمار کئے گئے ہیں)

ان کے علاوہ بھی برطانیہ کے مقبوضات ہیں جو براہِ راست برطانیہ کے دارالخلافہ لنڈن کے ماتحت ہیں۔ ان کا نام کالونی Colonies رکھا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کو بھی برطانیہ کی ایک کالونی شمار کرنا چاہیئے۔ اگر برطانیہ

ہندوستان اور کالونیز کا رقبہ جمع کیا جائے تو تمام ایمپائر کے رقبے کا ۱/۳ سے کچھ زیادہ بنتا ہے۔ (یعنی ۲/۳ رقبے میں ڈومی نین ہیں) لیکن اس ۲/۳ رقبے کی آبادی تمام ایمپائر کی آبادی کا نوّے فی صدی بنتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی تمام ایمپائر کی آبادی کا ۳/۴ ہے۔ اب ہندوستان کو حساب سے نکال دو۔ تو (برطانیہ + کالونیز) کی آبادی ۶ ڈومی نین ممالک کی آبادی کا چارگنا ہوتی ہے۔

برطانیہ کی کالونیز میں مندرجہ ذیل ممالک ہیں۔ (۱) افریقہ میں برطانوی مغربی افریقہ برطانوی مشرقی افریقہ جنوبی افریقہ کے محکوم علاقے۔ برطانوی سمالی لینڈ اور جزائر (۲) ایشیا میں۔ فلسطین۔ سیلون۔ عدن۔ برما۔ ملایا اور ملحقہ جزیرے، بورنیو ہانگ کانگ۔ سائپرس (۳) آسٹریل ایشیا فی جی اور دیگر جزائر۔ (۴) امریکہ میں۔ برطانوی مغربی انڈیز (برموڈاس بہاما جمیکا۔ دیگر جزائر۔ برطانوی گنی) فاک لینڈ کے جزائر (۵) یورپ میں۔ جبرالٹر اور مالٹا۔ اس کے علاوہ سوڈان اور تابخیر تنگھائی۔ نارو پر بھی برطانیہ کا دوسری حکومتوں کے ساتھ مشترکہ قبضہ ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کا اقتصادی اور صنعتی قبضہ یا رسوخ یا تعلق دنیا کے بڑے بڑے علاقوں مثلاً مصر۔ عراق۔ چین وغیرہ کے ساتھ ہے۔

فرانس:۔ فرانس کا بیشتر مقبوضہ علاقہ افریقہ میں ہے۔ الجیریا۔ ٹیونس۔ مراکو۔ صحرا کا سارا علاقہ میڈے گاسکر کا جزیرہ فرانسیسی سمالی لینڈ اور جزائر (۲) ایشیا میں فرانسیسی انڈوچائنا سب سے اہم علاقہ ہے۔ فرنچ گنی۔ اور بہت سے جزائر، ہندوستان میں بھی کچھ علاقہ ہے۔ اس کے علاوہ کئی جزائر مختلف سمندروں میں ہیں۔

اٹلی:۔ اٹلی کا ماتحت علاقہ۔ افریقہ میں ہے۔ لیبیا۔ اطالوی سمالی لینڈ۔ یوٹوپیا۔ اور جزائر۔

جرمنی:۔ اس کے سب مقبوضات ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کی لڑائی میں چھین لئے گئے۔

سوویٹ روس۔ سوویٹ شہریت کسی ملک کو ماتحت نہیں رکھتی۔ بلکہ اپنی شہریت میں شامل کرنے کے بعد ملک کو آزاد کر دیتی ہے۔ اور وہ ملک سوویٹ قوانین کے مطابق اپنی جمہوری حکومت بنا لیتا ہے۔ اب وہ سوویٹ جمہوری حکومتوں کی یونین کا ایک رکن بن جاتا ہے۔ اس لئے یہاں حاکم محکوم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سوویٹ یونین میں مندرجہ ذیل جمہوری حکومتیں (ریپبلک) شامل ہیں (۱) یوکرین (۲) سفید روس (۳) ارمینیا

(۴) آذربائیجان (۵) جارجیا۔ (۶) ترکمانستان (۷) ازبکستان (۸) تاجکستان (۹) تاجکستان (۱۰) کرغیزیا

یونائیٹڈ سٹیٹس ۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ماتحت الاسکا ہے۔ جو شمالی امریکہ میں واقع ہے۔ اور بہت سے جزیرے جو بحرالکاہل میں واقع ہیں۔

جاپان :- جاپان نے اپنے گھر کے ارد گرد اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا ہے۔ اس کے ماتحت ہے۔ کوریا منچوریا جو خاک روس پر منگولیا کے ساتھ واقع ہے۔ شمالی چین کا کچھ حصّہ۔ اذ بحرِ چین میں کئی جزیرے

ھالینڈ ۔ اس ایمپائر کا بڑا حصّہ وہ جزیرے ہیں جو آسٹریلیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے سمندروں میں واقع ہیں۔ ان کا رقبہ تمام ایمپائر کا ۹۱ فیصدی اور آبادی ۷۸ فیصدی ہے۔ باقی ممالک جنوبی امریکہ میں ہیں۔ ولندیزی (ڈچ) گنی اور کیوریے کاؤ۔

بلجیم :- اس حاکم ملک کی ایمپائر مرکزی افریقہ میں واقعہ ہے۔ جو حاکم ملک کے رقبہ سے ۸۰ گنا بڑی ہے۔ افریقہ کے ماتحت علاقے کا نام بلجین کانگو اور رونڈا ارنڈی ہے۔

پرتگال ۔ پرتگال کا بڑا مقبوضہ علاقہ افریقہ میں ہے۔ پرتگالی مشرقی افریقہ۔ پرتگالی مغربی افریقہ۔ گنی کا علاقہ اور جزائر ہندوستان میں کچھ رقبہ ہے۔ دو جزیرے ازور اور مڈیرا سمندر میں پرتگال سے مغرب کی طرف قریب ہی واقع ہیں۔ کبھی برازیل اس کے ماتحت تھا۔

سپین :- افریقہ میں مقبوضات ہیں مغربی صحرا ہسپانوی گنی۔ ہسپانوی مراکو اور کینیری جزائر۔ مرکزی اور جنوبی امریکہ کے بہت بڑے علاقے پر کبھی سپین کی حکومت تھی۔ وہاں کی زبان اور تہذیب اب بھی اس بات کی شاہد ہے

ڈنمارک ۔ گرین لینڈ بہت بڑا جزیرہ جو برطانیہ کے شمال میں واقع ہے۔ ڈنمارک اور گرین لینڈ کے بیچ میں فائڈ جزیرہ اور دوسرے جزائر

ناروے :- ناروے نے اپنی حکومت کا سکہ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے قرب میں جمایا ہوا ہے۔ شمال میں سپٹس برگن اور جان میئن کے جزیرے ہیں جنوب میں بووٹ اور پیٹر دو جزیرے ہیں۔ اور ملک منجمد جنوبی کا کچھ حصّہ۔

جدول نمبر ۱

دنیا کی چند اہم سلطنتوں کا رقبہ اور آبادی

بڑی قومیں

	اصل ملک		ماتحت ممالک	
	رقبہ مربعہ میلوں میں ہزار یعنی ... سے ضرب دینی چاہیئے	آبادی ملیون میں یعنی ...، ... سے ضرب دینی چاہیئے	رقبہ مربعہ میلوں میں یعنی ضرب ...	آبادی ملیون میں یعنی ضرب ...، ...
برطانیہ	۹۴	۴۶	۱۰،۷۱۰	۴۲۳
فرانس	۲۱۳	۴۲	۴،۵۸۲	۶۷
اٹلی	۱۲۰	۴۳	۱،۳۴۶	۸
جرمنی	۲۱۴	۷۴	——	——
سویٹ روس	۸،۲۱۱	۱۶۶	——	——
یونائیٹڈ سٹیٹس	۳۰۲۷	۱۲۳	۷۱۲	۱۵
جاپان	۱۹۴	۶۹	۱۱۵	۳
ہالینڈ	۱۳	۸	۷۸۹	۶۵
بلجیم	۱۲	۸	۹۴۱	۱۳
پرتگال	۳۵	۶	۹۳۶	۹
سپین	۱۹۵	۲۵	۱۳۹	۱
ڈنمارک	۱۷	۴	۸۲۸	۱ سے کم
ناروے	۱۲۵	۳	۲۵	۱ سے کم

چھوٹی قومیں

ملک	رقبہ ہزار مربع میل	آبادی ملین نفوس	ملک	رقبہ ہزار مربع میل	آبادی ملین نفوس
سویڈن	۱۷۳	۶	آئرلینڈ فری سٹیٹ	۲۷	۳
سوٹزرلینڈ	۱۶	۴	نیوزی لینڈ	۱۰۳	۲
ٹرکی	۲۹۴	۱۶	سعودی عربستان	۲۸۲	۵
افغانستان	۲۴۵	۱۰	جنوبی افریقہ یونین	۴۷۲	۱۰
آسٹریلیا	۲۹۷۵	۷	یمن	۷۵	۱
برازیل	۳۲۸۵	۴۸	چین	۲۸۶۹	۴۰۰
کنیڈا	۳۶۹۵	۱۰	مصر	۳۴۸	۱۵
چلی	۲۸۶	۵	عراق	۱۱۶	۳
یونان	۵۰	۶	منگولیا	۵۸۹	۱
ایران	۶۲۸	۱۵	نیپال	۵۴	۶
			تبت	۴۶۳	۲
			ہندوستان	۱۸۰۰	۳۸۹

مندرجہ بالا حقائق سے ہم نے یہ سمجھا کہ بعض ایسی قومیں ہیں جو آزاد ہیں۔ بلکہ دوسری قوموں پر حکومت کرتی ہیں۔ بعض ایسی قومیں ہیں جو اپنی آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکیں۔ اور دوسروں کی غلام ہوگئی ہیں۔ ان پر کم رقبے اور کم نفوس والے ممالک حکمرانی کرتے ہیں۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ ٭ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

غالب

آخر اس تفاوت کا سبب کیا ہے۔ اس حکومت اور غلامی کے اسباب و علل کیا ہیں۔ وہ کون سی چیز ہے جسکی امداد سے بعض قوموں نے دنیا کے بڑے بڑے علاقے اپنے مقبوضات بنا رکھے ہیں۔ اور بعض ملک کھلی ہوا میں سانس لینے کو ترستے ہیں۔ ان اوراق میں ہم نے ان اسباب و دلائل پر بحث کی ہے۔ اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس عہد میں جس میں کہ ہم زندہ ہیں قوموں کے حاکم رہنے کا راز بیان کر دیا گیا۔ مقالہ ۳-۵-۱۶ اس کے ثبوت میں حقائق آپ کے سامنے ہیں۔ حاکم قومیں تمام کی تمام اروپائی اقوام ہیں۔

مقالہ ۲۲

آب و ہوا کے لحاظ سے دُنیا کی تقسیم

آب و ہوا کے عناصر مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حرارت (۲) بارش (۳) رطوبت (۴) ہوا کا دباؤ (۵) ہوا کی رویں اور سمندر کی رویں (۶) خشکی کے بڑے رقبے (۷) پہاڑوں اور وادیوں کا مقام۔ اس کے علاوہ تین خاص قسموں کی آب و ہوا جو محدود رقبوں میں پائی جاتی ہے یہ ہے

(۱) بحری آب و ہوا (۲) پہاڑی آب و ہوا (۳) قطب کے قریب کی آب و ہوا

ان سب میں حرارت اور بارش کسی مقام کی آب و ہوا کو معین کرنے کے لئے سب سے اہم عنصر ہیں۔ رطوبت کا بہت حد تک انحصار بارش پر ہے۔ ہوا کا دباؤ عموماً بے اثر ہے۔ خشکی کے رقبے براعظم ہیں اسی لئے نقشے پر ہمارے سامنے ہیں۔ سمندر کا اثر بعض بعض علاقوں میں مخصوص ہے۔ قطب کے قریب کا ملک نقشے پر ظاہر ہے۔ اس لئے کسی علاقے (یعنی دنیا کے مختلف علاقوں) کی آب و ہوا کی اچھی طرح سے سمجھنے کے لئے حرارت۔ بارش۔ رطوبت۔ ہوا اور سمندر کی رووں۔ پہاڑیوں کی اونچائی اور وادیوں کے مقام کو جاننا ضروری ہے۔ مگر ہم نے یہاں صرف دو نقشے بنائے ہیں۔ ایک میں دنیا کی تقسیم حرارت کے مطابق دکھائی گئی ہے۔ تمام زمین کو خطوں میں بانٹ کر دکھایا گیا ہے۔ جو تفاوت حرارت کی موٹی موٹی حدود ظاہر کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل طریقہ سے دنیا کو ۵ خطوں میں بانٹا گیا ہے۔

(۱) شدید گرم ممالک۔ جہاں تمام سال میں ہر وقت درجۂ حرارت ۷۵° ف سے اوپر رہتا ہے۔

(۲) گرم ممالک۔ جہاں سب سے گرم مہینے کا اوسط ۷۵° سے اوپر/ ۱۲۵° ف سے کم رہتا ہے۔

(۳) معتدل ممالک۔ جہاں سب سے گرم مہینے کا اوسط ۶۵ درجہ سے اوپر مگر ۷۵° ف سے کم رہتا ہے

(۴) سرد ممالک۔ جہاں سب سے گرم مہینہ ۵۰° سے اوپر مگر ۶۵° سے نیچے ہوتا ہے۔

(۵) شدید سرد ممالک۔ جہاں تمام سال میں ہر وقت درجۂ حرارت ۵۰° سے نیچے رہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تقسیم کوئی مفصل تقسیم نہیں۔ مگر ہمارے موجودہ کام کے لئے کافی ہے۔ دوسرے نقشے میں بارش کی مقدار کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں بھی تفاوت کی مقدار کو بہت وسیع رکھنا پڑا۔ بارش کے لحاظ سے بھی دنیا کے پانچ خطے بنائے گئے ہیں۔

(۱) شدید کثیر بارش والے ممالک۔	۸۰ انچ سالانہ سے زیادہ بارش
(۲) کثیر بارش	۴۰ انچ اور ۸۰ سالانہ کے درمیان بارش
(۳) معتدل بارش	۲۰ انچ اور ۴۰ انچ سالانہ کے درمیان بارش
(۴) قلیل بارش	۱۰ انچ اور ۲۰ انچ سالانہ کے درمیان بارش
(۵) شدید قلیل بارش	۱۰ انچ سالانہ سے کم

ظاہر ہے کہ یہ تقسیم کوئی مفصل تقسیم نہیں۔ تاہم ہمارے موجودہ نظریہ کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان دونوں کی آمیزش سے مختلف قسموں کی آب و ہوا پیدا ہوگئی ہے۔ کہیں حرارت زیادہ ہے۔ تو بارش کم۔ کہیں حرارت معتدل ہے تو بارش زیادہ۔ کہیں حرارت زیادہ ہے اور بارش بھی زیادہ۔

کتاب آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان
دائرہ قطب شمالی
۶۶½ درجہ شمالی
برطانیہ
روس
جاپان
۳۰ درجے شمالی عرض بلد کا خط
چین
ایران
عرب
مصر
لبیا
ہندوستان
کانگو
آسٹریلیا
۳۰ درجے جنوبی عرض بلد کا خط
منطقہ باردہ شمالی
منطقہ معتدلہ
منطقہ حارہ
کینیڈا
ریاستہائے متحدہ
خط سرطان
میکسیکو
خط استوا
برازیل
خط جدی
ارجنٹائن
نقشہ ۱۱ مقابل صفحہ ۲۸۵
دنیا ۔ حرارت کا نقشہ
سال کے تمام مہینوں میں حرارت ۷۰ درجہ ف سے اوپر رہتی ہے شدید گرم ممالک
سب سے گرم مہینے کا اوسط ۷۰ ف سے اوپر ہوتا ہے تابستان گرم ہوتا ہے ۔ گرم ممالک
سب سے گرم مہینے کا اوسط ۶۰ سے اوپر لیکن ۷۰ سے کم ہوتا ہے ۔ معتدل ممالک
سب سے گرم مہینے کا اوسط ۵۰ سے اوپر لیکن ۶۰ سے کم ہوتا ہے ۔ سرد ممالک ۔
ہمیشہ ۵۰ ف سے کم حرارت رہتی ہے ۔ شدید سرد ممالک

مقالہ ۲۳

نباتات کے لحاظ سے دُنیا کی تقسیم

آب و ہوا کا گہرا اثر نباتات پر ہوتا ہے۔ اور اسکے بعد حیوانات پر۔ تو کسی ملک کی آب و ہوا کو مطالعہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہاں کی قدرتی پیداوار کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ دیکھا جائے کہ وہاں کیا پیدا ہوتا ہے۔ کس موسم میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کی نشوونما کس حد تک ہوتی ہے۔

نباتات کے لئے (۱) گرمی (۲) نمی و بارش۔ برف۔ نہر۔ کنواں وغیرہ (۳) روشنی۔ (۴) مٹی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ سب چیزیں مناسب مقدار میں ہوں تو نباتات کی افراط ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو نباتات کی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ صحرا میں نمی کم ہے، تو گھاس تک نہیں اُگتا۔ ملک منجمد شمالی میں گرمی کی کمی ہے تو نہ کوئی جنگل ہے۔ نہ کھیتیاں۔ گرمی کے دنوں میں کوئی بوٹی گھاس کی نکل آتی ہے۔

دو نقشے ہم نے اوپر درج کئے ہیں۔ (۱) حرارت کا۔ یہ گرمی ظاہر کرتا ہے۔ (۲) بارش کا یہ نمی ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس میں وہ پانی نہیں دکھایا گیا جو نہروں اور کنوؤں سے کھیتوں کو دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ نہریں دریا کے پانی کو بہت دور لے جاتی ہیں (۳) روشنی کی مقدار نقشوں میں نہیں دکھائی گئی۔ (۴) مٹی ریتلی۔ چکنی۔ زرد۔ کالی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ اور ہر مٹی کسی خاص فصل کے لئے مناسب ہے۔ تاہم انسان کی محنت جنگل میں منگل کر دیتی ہے گویا ان سب باتوں کے ساتھ زراعتی پیداوار کی کامیابی کا پانچواں عنصر ابن آدم کی محنت ہے۔

نباتات کے لحاظ سے دنیا کی تقسیم مندرجہ ذیل ہے شکل ۱ ہم خطِ استوا سے قطب کی طرف جاتے ہیں۔

(۱) استوائی گھنے جنگلات کا خطہ

(۲) منطقہ حارہ کا گھاس کا خطہ

(۳) مزروعہ خطہ۔ یہ دنیا کے مختلف عرض بلدوں میں واقع ہے۔ مگر ایک عنوان کے تحت میں لاکر اس کے مختلف حصے کر دیئے گئے ہیں۔

(۴) منطقہ حارہ کا صحرائی خطہ

(۵) معتدل گھاس کے میدانوں کا خطہ

(۶) وسطی مرتفع صحرا

(۷) سرد جنگلات کا خطہ

(۸) ٹنڈرا کا خطہ

مقالہ ۲۵

آب و ہوا کا انسان کی فطرت پر اثر

آب و ہوا کا نباتات اور حیوانات پر اثر

ہم نے دیکھا ہے۔ کہ مخصوص خطوں میں مخصوص قسم کی نباتات پیدا ہوتی ہے اور وہاں ایک خاص طرح کے جانور پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ اس علاقے میں یہ نباتات اور حیوانات نشوونما پا سکتے ہیں۔ اور دوسرے علاقوں میں جہاں آب و ہوا مختلف ہے۔ یہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ مثلاً نارنگی اور گنا گرم ملکوں میں اگ سکتا ہے۔ انگور اور سیب معتدل آب و ہوا میں اور صنوبر اور چیل سرد آب و ہوا میں۔

نباتات اور حیوانات کی روئے زمین پر تقسیم کے اسباب

روئے زمین پر نباتات اور حیوانات کی تقسیم مندرجہ ذیل اسباب پر منحصر ہے۔ (۱) قطعہ زمین کی آب و ہوا۔ اور جغرافی کیفیت۔ یعنی پہاڑ جھیل یا میدان ہے (۲) جاندار چیزوں کی ذاتی خصوصیات۔ آیا ان میں قوت مدافعت زیادہ ہے یا کم اور یہ کہاں کہاں زندہ رہ سکتی ہیں (۳) ان چیزوں کا اصل وطن کہاں تھا یعنی زمین کے کون سے حصے پر واقع تھا۔ (۴) ان زندہ چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری مقامات میں منتشر ہونے کو کون کون سے طریقے میسر آئے۔ (۵) اس قطعہ زمین کی آب و ہوا میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں اور یہاں پہاڑوں دریاؤں وغیرہ میں کیا تبدیلیاں ہوئیں (۶) کسی خطہ یا علاقہ میں وہی جاندار چیز زندہ رہ سکتی ہے جو باقی جاندار چیزوں کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو برقرار رکھنے میں جیت جائے۔ تو اس باہمی مقابلہ میں کوئی جاندار کہاں تک کامیاب رہا ہے۔ ان چھ اسباب میں سے چند اپنی ذات میں مستقل ہیں۔ چند دوسروں پر منحصر۔ ایک وقت میں، ان میں سے بعض دفعہ چند اور بعض دفعہ سب اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

لیکن نبات اور حیوان، حضرت انسان کے بس میں ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے نشر اور تقسیم میں انسان کا بڑا ہاتھ ہے

آسٹریلیا میں خرگوش نہیں تھے۔ انسان لے گیا۔ امریکہ میں گھریلو چڑیاں لے گیا۔ امریکہ اور آسٹریلیا میں گھوڑے اور مویشی نہیں تھے۔ انسان ان جانوروں کو ان دونوں براعظموں میں لے گیا۔ اب ان دونوں ملکوں کے جنگلوں میں اتنے جنگلی گھوڑے اور مویشی پھرتے ہیں۔ کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ اور یہ سب ان مہاجر جانوروں کی اولاد ہیں۔ اس طرح سے وہاں پر گندم اور جو بھی موجود نہیں تھے۔ انسان یہ غلے اپنے ساتھ وہاں لے گیا۔ امریکہ تو سب ملکی کھاتا تھا۔ امریکہ سے تمباکو۔ آلو کوکا اور مکی لایا۔ جنگلی جانوروں کو مار دیا۔ سانپ بچھو کو نیست و نابود کر دیا۔ اپنے رہنے کے لئے میدان صاف کئے۔ اور کھیتیاں بنانے کے لئے جنگل صاف کر دیئے۔ گویا حضرتِ انسان کی محنت اور فراست کو قدرت کے تمام کاموں میں بڑا دخل ہے۔

افراد جماعت بناتے ہیں۔ اور ہر جماعت اپنی فطرت کی خصوصیات کے مطابق تہذیب پیدا کرتی ہے۔ کسی جماعت کی تہذیب ان نسلی خصوصیات پر منحصر ہے۔ جو اسے وراثت میں ملتی ہیں۔ تہذیب کی تعمیر کا دوسرا عنصر اس جماعت کی صحت ہے صحت کا انحصار رہے۔ خوراک۔ آب و ہوا۔ تربیت وغیرہ پر۔ مگر صحت یا عدم صحت آخر کار جماعت کی نسلی خصوصیات پر گہرا اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو بدلتی رہتی ہے۔

کسی وطن کی آب و ہوا میں تبدیلی کا اثر

کسی ملک کی آب و ہوا کا انحصار ان چیزوں پر ہے۔ حرارت رطوبت۔ حرکتِ باد۔ حالاتِ طوفان۔ ان چیزوں میں تفاوت اور دھوپ۔ ان سب کا اجتماعی اثر ہوتا ہے۔ ہماری زمین ہر روز سرد ہو رہی ہے۔ اور ثابت ہوا ہے کہ ملک ملک کی آب و ہوا عہد بہ عہد بدلتی رہتی ہے۔ آب و ہوا میں تبدیلی تاریخی عہد میں بھی ہوئی ہے۔ یعنی بنی آدم کی کتابوں میں درج ہے۔ مگر یہ تبدیلی تدریجی نہیں ہوئی۔ بلکہ فوری۔ یعنی تھوڑے سے عرصے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔

تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ مرکزی ایشیا (چینی ترکستان کا علاقہ) اور مشرقی بحرِ روم کا علاقہ جو آج خشک آب و ہوا رکھتا ہے۔ سنِ عیسوی کی پہلی صدی کے قریب مرطوب آب و ہوا رکھتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اس کی آب و ہوا میں نمی کم ہو گئی اور آج تک یہ علاقے خشک آب و ہوا رکھتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ میری آنکھوں دیکھا واقع ہے۔ میں ۱۹۲۷ میں بہاولپور آیا تھا۔ اس وقت اس علاقے کی آب و ہوا خشک تھی اور گرم۔ دوپہر بہت تیز۔ تابستان میں ریت کے بہت باریک ذرّے فضا میں معلق

ہو جاتے اور آہستہ آہستہ گرتے رہتے۔ مگر اب چاروں طرف کے علاقے میں نہروں کا پانی آ گیا ہے۔ وہ علاقہ جو ریت کے ٹیلے تھے اب وہاں سب کھیتیاں ہیں۔ اس علاقے کی آب و ہوا میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے فرق آ گیا ہے۔ خشک اور گرم یہ اب بھی ہے۔ دوپہر نسبتاً زیادہ گرم اور نصف شب کے بعد رات ٹھنڈی۔ مگر ان خصوصیات میں اب وہ شدت نہیں ہی نمایاں کمی آ گئی ہے۔

جب ایک وطن میں نئی آب و ہوا کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تو وہاں کے باشندوں میں سے کچھ آدمی اس آب و ہوا میں زیادہ صحت مند ہو جاتے ہیں۔ اور بہتر نشوونما پاتے ہیں۔ اور کچھ کمزور اور نحیف ہو کر نابود ہو جاتے ہیں۔ اسطرح سے قدرتی انتخاب کے زیر اثر جماعت کی نسلی خصوصیات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جب کسی ملک کی آب و ہوا بدلتی ہے تو وہاں کی نباتاتی اور حیواناتی پیداوار میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ یہ قطعہ زمین اس ملک کی آبادی کو آب و دانہ میسر کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ لامحالہ یہ لوگ وہاں سے ہجرت کرتے ہیں۔ یا اس ملک میں شورش اور انقلاب رونما ہوتے ہیں۔ جب رطوبت میں کمی ہو جاتی ہے۔ تو نہ صرف یہ کہ وہاں قحط، مفلوک الحالی اور اقتصادی کمزوری ظہور پذیر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی ان کے ورود کے ساتھ عام بے چینی پھیل جاتی ہے۔ اور قانون شکنی لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔

تمدن کے ساتھ آب و ہوا اور بیماری کا تعلق

جن ممالک میں جب کبھی اعلیٰ تمدن کا ظہور ہوا ہے تو وہاں پر اس زمانے کی آب و ہوا اس طرح سے تھی کہ موسم زمستان تو سرد تھا۔ مگر بہت سرد نہ تھا۔ اور تابستان خفیف گرم تھا۔ یا کس حد تک کافی گرم مگر یہاں باد کے طوفان اکثر آتے رہتے ہیں۔ اگر طوفان نہیں تھے۔ تو کرۂ ہوائی میں شدید حرکات واقع ہوتی تھیں جن سے درجۂ حرارت میں فوری تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ تمدن کے مرکزوں اور فضائی طوفانوں کا گہرا تعلق ہے۔ جہاں طوفان زیادہ ہوتے ہیں۔ وہیں پر اعلیٰ تمدن وجود میں آتا ہے۔

تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے۔ کہ بیماری اور تمدن کا آپس میں تعلق ہے۔ اگر کسی ملک میں عرصہ تک کوئی بیماری اپنا گھر بنائے رکھتی رہے۔ مثلاً بخار، زرد بخار، خوردنی پانی میں جراثیم۔ تو اس ملک کی قوتِ برداشت کم ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کی عمومی

صحت خراب ہو جاتی ہے۔ وہاں کا تمدن اپنے اعلیٰ پایہ سے گر جاتا ہے۔ ان بیماریوں نے مرکزی امریکہ، ہند چینی، جاوا اور مصر کے تمدن کو برباد کیا۔ انہیں بیماریوں کا گہرا اثر یونان اور روم کے تمدن پر بھی پڑا جس سے وہاں کمزوری واقع ہو گئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان علاقوں کی آب و ہوا یا صحت کی حالت اعلیٰ تمدن کے زمانے میں ایسی ہی تھی جیسی کہ آج انگلستان یا فرانس کی ہے۔ بلکہ یہ کہ عہد قدیم میں یہ ممالک ان معیاری حالات کے بہت قریب تھے جو انگلستان اور فرانس میں ہیں۔ تو قوم کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمدن کو بلند ترین رفعتوں تک پہنچانے کے لیئے اپنے ملک کی آب و ہوا اور صحت کو جہاں تک ممکن ہو سکے معیاری حالات کے قریب لے آئے۔ معیاری آب و ہوا قوم کے تمدن کے ساتھ بھی بدلتی رہتی ہے۔ اور نسل پر بھی منحصر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ معیاری آب و ہوا سے حالات جتنے دور ہو جائیں گے۔ عمومی صحت اتنی ہی کمزور ہو جائے گی۔ لوگوں کی قوت کم ہو جائے گی۔ وہ دماغی اور بدنی محنت کی شدت اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اور اس طرح سے ان کے تمدن میں کمزوری واقع ہو جائے گی۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ تمدن میں کمزوری ان وجوہات سے بھی واقع ہو جاتی ہے۔ تمدن بوڑھا ہو جاتا ہے جس طرح سے کہ انسان بوڑھے ہوتے ہیں۔ یا وہ قوم نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو نہیں ڈھال سکتی۔ اس قوم میں عیاشی بڑھ جاتی ہے۔ کمزور اور کمتر تمدنوں سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ نسلی وراثت میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور ان نئے حالات کے ماتحت نئی نسل کمزور ہوتی ہے

مقالہ ۲۵

معیاری آب و ہوا

اچھی آب و ہوا کا معیار

سب سے پہلے تو اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ آب و ہوا کے بُرا یا اچھا ہونے کا ہمارا معیار کیا ہے اور ہم کن وجوہات پر کسی آب و ہوا کو معیاری کہیں گے۔ اس غرض کیلئے ہم نے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ جس آب و ہوا میں ہم سب سے زیادہ کام کر سکیں، جسمانی محنت اور دماغی محنت (ان دونوں کے لئے قدرے مختلف آب و ہوا بہترین ہے) مگر ایسی آب و ہوا صحت کیلئے بھی سب سے اچھی ہے۔ اس میں جسمانی محنت اور دماغی محنت سب سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے معمولاً انسان اسی آب و ہوا میں رہنا پسند کریں گے۔ جہاں صحت سب سے اچھی رہے اور کام سب سے زیادہ ہو۔

صحت اور کام کے لحاظ سے بہترین آب و ہوا وہ ہے جہاں کہ درجہ حرارت ۳۸ ف سے نیچے کبھی نہ جائے اور ۶۴ سے بلند نہ ہو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اوسط درجہ ۵۱° رہے۔ ایسی آب و ہوا لنڈن۔ پیرس اور پیکنگ کی ہے۔ دنیا کے بعض اور خطے بھی ایسے ہیں یا اس کے بہت قریب ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کا بحر الکاہل کا ساحلی حصّہ جنوبی برٹش کولمبیا اور کیلیفورنیا کا ساحل۔

انسانی صحت اور عمل حیات کیلئے بہترین درجہ حرارت

دیکھیئے ہنٹنگٹن نے کس درجہ دلچسپ گراف بنایا ہے یہ کثیر التعداد وسیع پیمانے پر کئے ہوئے تجربات کا نتیجہ ظاہر کرتا ہے۔ اوپر کے تین گراف انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان گرافوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دماغی کام کے عمل حیات کی سب سے بلند رفتار ۴۰ درجہ ف کے قریب ہوتی ہے یعنی انسانی دماغ ۴۰ درجہ حرارت پر بہترین کام کرتا ہے۔ مگر جسمانی کام کے لئے ۶۰° ف سب سے بہتر رہے جسمانی کام اور دماغی کام دونوں کو ملا لیا جائے تو انسان کیلئے بہترین حرارت ۴۰ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ۶۵ پر ختم ہوتی ہے گراف کو دونوں طرف وسیع کیا جائے یعنی قلیل اور اعلیٰ درجات حرارت کے درمیان فاصلہ زیادہ دیا جائے چونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کرۂ زمین پر ہم ہر جگہ ایسی آب و ہوا پیدا کر سکیں جو ۴۰ اور [illegible] ف کے درمیان ہو۔ تو اقل کی طرف گراف ۲۰ کو جا سکتا ہے۔ اور اعلیٰ
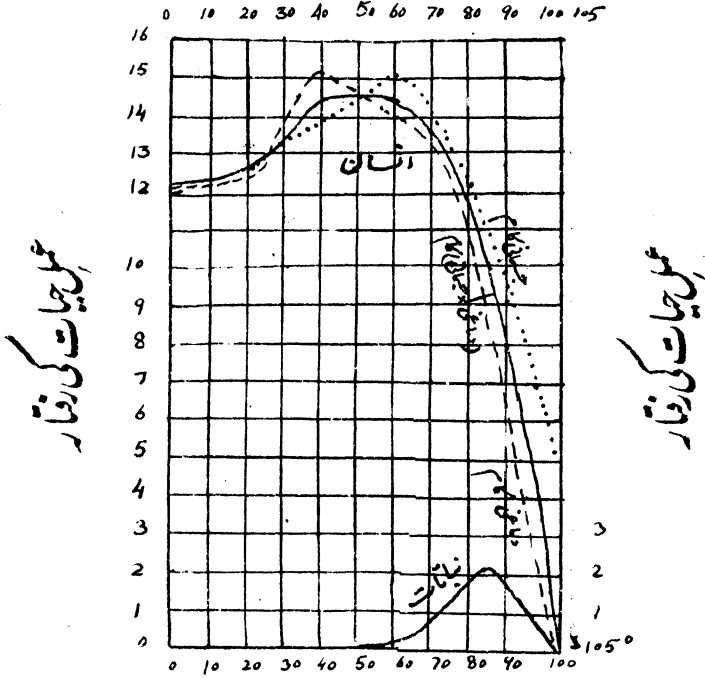
شکل ۶ اوسط حرارت اور عملِ حیات کا تعلق ۔ اوپر کے تین گراف انسان سے تعلق رکھتے ہیں ۔
- - - - دماغی کام + ــــــ (دماغی + جسمانی) کام + ... جسمانی کام ۔ نیچے کا گراف نباتات سے متعلق ہے ۔

کی طرف ۸۰ کے قریب - ۷۰ سے نیچے اگرچہ عمل حیات میں نمایاں کمی نہ ہو مگر، زندگی تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔ گرم ممالک میں لوگوں کو گرمی سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اعلیٰ درجۂ حرارت ۸۰ سے ۸۵ تک بھی چلا جائے تو قابل برداشت ہوتا ہے۔ یہ فطرت کا قاعدہ ہے کہ پہلی آب و ہوا کا اثر کچھ دیر تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے اگر دو تین ہفتہ کے لئے سال بھر میں حرارت ۸۵ ہو جاتے تو ۸۰ درجہ کا اثر اس دوران میں قائم رہتا ہے۔

بدن انسانی کا درجۂ حرارت ۹۸.۴ ہے۔ اور انسانی بدن حرارتی انجن ہے۔ یعنی اپنے فعل حیات کی بنا پر گرمی تخلیق کرتا رہتا ہے۔ اس لئے بیرونی ہوا ۹۸.۴ سے سرد ہونی چاہیئے۔ تاکہ یہ گرمی نشر ہو جائے اور انسان آسائش سے وقت گزارے۔ جب ہوا کی حرارت ۹۸.۴ کے قریب جوار میں آتی ہے۔ تو پھر پسینہ آتا ہے۔ ہم پنکھا ہلاتے ہیں اور پسینے کے بخارات بننے سے بدن ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ انسان کے لئے کام کے تینوں گراف ۸۰° ف کے بعد کس سرعت سے نیچے کو جاتے ہیں یہ گراف قوتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ یعنی جب درجہ ۸۰ سے آگے بڑھتا ہے تو دماغی قوت اور جسمانی قوت دونوں میں شدید انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ جب حرارت ۹۰ ف کے قریب ہوتی ہے۔ تو انسانی قوتوں کا زور اعلیٰ ترین قوت کا نصف رہ جاتا ہے۔ یعنی ایک انسان ۴۰ اور ۶۰ ف کے درمیان جتنا کام کرتا ہے۔ اگر اسے ۹۰ ف میں رکھا جائے تو اسکا نصف دماغی اور جسمانی کام کریگا۔ ۱۰۵ ف پر جاکر انسان کی تمام قوتیں صفر ہو جاتی ہیں۔

یہ سب گراف عملی تجربات سے تیار کئے گئے ہیں۔ امریکہ ریاستہائے متحدہ کے مختلف حصّوں میں ان کا تجربہ کیا گیا۔ ایک مخصوص دستی یا عملی کام کرنیوالے لوگوں کی جماعت کو لیا گیا۔ اور یہ دیکھا گیا کہ سال کے مختلف موسموں میں یہ لوگ کتنا کام کرتے ہیں۔ اس طرح سے آب و ہوا کے تمام عناصر، مثلاً خوراک۔ گھر۔ ماحول۔ لباس وغیرہ یکساں رہے۔ پانچ سو نیکٹری کے مزدور تین مختلف شہروں میں۔ ۹ ہزار مزدور ایک اور مقام پر۔ اور تین سے چار ہزار مزدور جنوبی شہروں میں۔ سات سو طالب جو ریاستہائے متحدہ کے بحری کالج میں زیر تعلیم تھے، پورا سال ان کو زیر تجربہ رکھا گیا۔

ہوا کے دباؤ (یعنی بار پیما) میں فرق آنے سے صحت پر کوئی نمایاں اثر نہیں ہوتا۔ نسبتی رطوبت بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن سب سے ضروری عنصر درجۂ حرارت ہے۔ دستی کام کرنے والوں کا عمل حیات اس حالت میں سب سے بہتر ہوتا تھا۔ جب ۶۰ ف

رات کا اوسط درجۂ حرارت ۶۰ اور ۶۵ درجہ ف کے درمیان ہو۔ یعنی جب دوپہر کی حرارت ۷۰ یا اس سے بلند ہو اور رات کی حرارت ۵۵ یا اس کے قریب ہو۔ دماغی کام کرنے والوں کے لئے اس سے کم تر حرارت کی ضرورت ہے۔ ان کیلئے اوسط حرارت ۴۰۳۸ ہونی چاہیئے۔ یعنی جب رات کو خفیف سا کورا جم جائے۔ اگر حرارت اسی درجہ پر پیوستہ قائم رہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ لوگ کاہل اور اپنے کام سے بے رُخ ہو جاتے ہیں۔ حرارت اور رطوبت میں فوری تبدیلیوں کا واقع ہونا ضروری ہے جس طرح سے کہ آندھی اور بارش کے آنے سے ہوتا ہے۔ لیکن شدید تفاوت اور تبدیلی بھی مضرت رساں ہے۔ تو سارا سال یکے بعد دیگرے نرم طوفان آنے چاہیں اور موسم میں روز بروز درمیانہ درجہ کی تبدیلیاں ہونی چاہیں۔ وہ مقام صحت کے لئے بہترین ہے جہاں سردی میں خفیف سا کورا جمے اور تابستان کی حرارت ۷۵ ف سے بہت کم بلند ہو۔ یہ حقائق امریکہ کے لئے ہیں۔ اور سفید رنگ کی اقوام کے لئے۔ امکان ہے کہ ہندوستان جیسے گرم ملک کے رہنے والی رنگین قوموں کے لئے حالات کسی حد تک مختلف ہوں، جو فقط تجربہ سے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

نباتات کا گراف شکل ۶ میں نیچے بنایا گیا ہے۔ یہ نباتات کا عمومی گراف ہے۔ منطقہ باردہ کے پودے اس سے نیچے بھی نشو و نما پاتے ہیں۔ اور بعض منطقہ حارہ کے خاص پودے اس سے اوپر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر عام پودوں اور درختوں کا حال اس گراف سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۵۰ سے نیچے روئیدگی منقطع ہو جاتی ہے۔ ۵۰ اور ۶۰ کے درمیان روئیدگی بہت کم ہے۔ نہ ہونیکے برابر۔ البتہ کھیت زندہ رہتے ہیں۔ ۶۰ اور ۸۰ کے درمیان گراف تدریجاً اوپر کو بڑھتا ہے۔ نباتات کی بہترین نشو و نما ۸۰ اور ۹۰ درجہ ف کے درمیان ہوتی ہے۔ ۹۰ سے اوپر حرارت ہو تو روئیدگی میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور کمی کی رفتار ایک انداز پہ رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ۱۰۵ درجہ پہ روئیدگی بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ ۱۰۵° درجہ ف سے اوپر نباتات نشو و نما نہیں پاتی۔

ان گرافوں سے یہ ظاہر ہے کہ انسان کی قوت کیلئے بہترین حرارت ۴۰ اور ۶۰ کے درمیان ہے۔ حالانکہ نباتاتی قوت کے لئے بہترین حرارت ۸۰ اور ۹۰ کے درمیان ہے۔ اس لئے جن ممالک میں کاشت شدت کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ وہ دماغی اور بدنی کام کے لئے بہترین نہیں۔

سب سے مفید فیصدی نسبتی رطوبت۔ مگر صرف حرارت پر ہی ساری آب و ہوا کا دار و مدار نہیں اور عناصر کیساتھ

نسبتی رطوبت خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ رطوبت میں کمی ہو یا زیادتی دونوں نقصان دہ ہیں۔ نسبتی رطوبت ۵۰ اور ۷۰ فیصدی کے درمیان ہونی چاہیئے۔ سردیوں میں زیادہ، گرمیوں میں کم۔

رطوبت کا گہرا تعلق بارش سے ہے۔ اگر بارش زیادہ ہوگی تو ہوا مرطوب رہے گی۔ زمین میں نمی ہوگی تو نباتات کی نشو و نما بہتر ہوگی۔ لیکن جب بارش انداز سے زیادہ ہو جائے تو پھر نسبتی رطوبت حد سے بڑھ جائے گی۔ اور صحت کے لئے غیر مفید ہوگی۔ اسکے علاوہ بہت زیادہ پانی درختوں کی نشو و نما کے لئے بھی غیر مفید ہوگا۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ۲۰ اور ۴۰ انچ کے درمیان سالانہ بارش سب سے بہتر ہے۔

آب و ہوائی طوفان صحت کے لئے بہت مفید ہیں

آب و ہوا کے ان دونوں عناصر حرارت اور رطوبت کے ساتھ ہمیں ایک اور عنصر کو بھی گہری توجہ دینی پڑتی ہے۔ انسانی کام کاج، عملِ حیات۔ اور قوتِ فکر کی رفتار کا تعلق روز بروز آب و ہوائی عناصر کے تفاوت سے ہے۔ روزانہ تبدیلیوں کی شدت اور ان کی تعداد دو باتوں پر منحصر ہے۔ (۱) سال بھر میں سب سے سرد اور سب سے گرم موسم کی حرارت میں کتنا فرق ہے۔ (۲) سال بھر میں کتنے ہوائی طوفان آتے ہیں۔ جہاں زمستاں بہت سرد اور تابستان بہت گرم ہو وہاں تو یہ حرارت کا تفاوت نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن سردی گرمی کا موسم اپنی شدت کے سبب یوں صحت کیلئے مفر نہیں ہونا چاہیئے) طوفانوں سے فضا میں فوری تبدیلی ہو جاتی ہے بارش ہوتی ہے۔ رطوبت بدل جاتی ہے۔ اور ہوائیں تیز چلتی ہیں۔ ان باتوں سے اعصاب میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اور صحت کو تقویت ہوتی ہے۔ سالانہ حرارتی تفاوت کی نسبت فضائی طوفان اس لحاظ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کسی مقام کی آب و ہوا تمام سال میں ہموارہ ایک ہی خط پہ رہے تو اس سے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ ان میں ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ اور انسانی عملِ حیات کمزور ہو جاتا ہے۔ مثلاً بمبئی اور کلکتے میں جہاں ساحلِ سمندر پر واقع ہونے کے سبب تمام سال حرارت یکساں رہتی ہے۔ انسانی طبیعت میں اعصابی ہیجان واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے توانائی اور اعصابی قوت قلیل ہے۔ بلکہ اعصاب میں موسم کی ہمواری کے سبب ذکاوت حس پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف یا غستان۔ پنجاب اور راجپوتانے میں جہاں سردی اور گرمی کے موسم میں درجۂ حرارت کا کافی تفاوت ہے قوتِ بازو، جاں بازی اور اولوالعزمی میں نمایاں زیادتی معلوم ہوتی ہے۔

کیا آب و ہوا میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن ہے

آپ کے دل میں یہ خیال ہوگا کہ کسی وطن یا ملک کی آب و ہوا مستقل چیز ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی۔ لیکن تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ ایک حد تک آب و ہوا میں مناسب طریقوں سے تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ ہم نے معیاری آب و ہوا کا ذکر کیا ہے اگر کسی قطعہ زمین کی آب و ہوا معیاری آب و ہوا نہ ہو تو یہ کوشش کی جائے کہ آب و ہوا کو تبدیل کر کے جہاں تک ممکن ہو اسے معیاری آب و ہوا کے قریب کر دیا جائے۔ بڑے بڑے شہر ان علاقوں میں آباد کئے جائیں۔ جہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو۔ اور اگر آپ نے کسی ملک کو تقسیم کرنا ہو تو ایسے علاقے اپنے لئے انتخاب کریں۔ جہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو۔

مقالہ ۲۶

نسل کا انسان کی فطرت پر اثر

انسان کا اصل وطن

ہمیں تحقیق سے معلوم نہیں کہ انسان کا اس روئے زمین پر اصل وطن کہاں تھا۔ لیکن جہاں تک معلومات رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کا اصل وطن وہ مرتفع قطعۂ زمین تھا جو آج عراق اور بحیرہ خضر سے لیکر منگولیا اور مغربی چین تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ہمالیہ سے شمال کی طرف تبت سے اوپر جو بلند زمین کا خطہ ہے۔ وہاں کہیں سب سے پہلے انسان ظہور میں آیا۔ آج یہ علاقہ خشک ہے۔ جہیں بارش اور درختوں کی کمی ہے۔ مگر اس وقت اس میں بارش بھی مناسب ہوتی تھی۔ یہاں گھاس کے میدان تھے۔ اور اس علاقہ کی آب و ہوا معتدل تھی۔ ایک اور نظریہ کے مطابق انسان کا اصل وطن خشکی کا وہ قطعہ تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے نیچے وسیع علاقہ تھا۔ اور اب سمندر کے نیچے چلا گیا ہے بعض کے خیال کے مطابق یہ علاقہ ہندوستان کے نیچے تھا۔ اسی لئے لنکا کو آدم کا وطن کہتے ہیں۔

تو گویا مرکزی ایشیا انسان کا اصل وطن ہے یہاں سے انسان نے کئی مرتبہ مختلف زمانوں میں ہجرت کی اور گروہ در گروہ انسان دنیا کے دوسرے حصوں میں چلے گئے۔ افریقہ میں مصر کے راستے سے داخل ہوئے۔ یورپ میں بحر اسود کے اوپر اور نیچے سے۔ ہندوستان میں شمال مغربی دروں سے اور بہت کم شمال مشرقی راستے سے۔ اس سے نیچے ملایا میں چلے گئے وہاں سے آسٹریلیا میں۔ چین میں شمال مغربی چین سے داخل ہوئے۔ اور کبھی شمال مشرقی حصے سے۔ امریکہ میں الاسکہ کے راستہ سے شمالی امریکہ میں داخل ہوئے۔ اور بڑھتے بڑھتے نیچے کو چلے گئے۔ شمالی امریکہ سے انسان جنوبی امریکہ میں داخل ہوا۔ پالتو جانوروں اور زراعتی نباتات نے بھی انسان کے ساتھ ساتھ سفر کیا۔

تمام انسان ایک خاندان سے ہیں

جدید علوم اس بات پر متفق ہیں۔ کہ تمام دنیا کے انسان (بنی آدم) ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر وہ سب ایک ماں باپ کی اولاد

نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ ان سب کے اجداد ایک خاندان کے افراد تھے۔ یعنی دنیا بھر میں اسوقت جتنے انسان موجود ہیں ان سب کے اجداد کا علم الحیوانات کی رو سے ایک ہی خاندان ((Order)) اور جنس (Genus) اور نوع (Species) بھی ایک ہی تھی۔

انسان جب وجود میں آیا تو دنیا کا نقشہ مختلف تھا جب انسان نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کرنی شروع کی، اُس کو لاکھوں سال کا زمانہ ہو چکا ہے۔ اس وقت کا روئے زمین تشکل میں آج کے روئے زمین سے مختلف تھا۔ مثلاً یہ کہ ہندوستان کے جنوبی علاقہ دکن اور افریقہ کے درمیان سمندر نہ تھا۔ بلکہ یہ خشکی کا ایک ٹکڑہ تھا۔ بورنیو جاوا سماٹرا اب جزیرے ہیں۔ مگر اس وقت یہ خشکی کا ایک قطعہ تھے۔ یعنی ان میں سمندر نہ تھا۔ اور یہ ایشیا کے براعظم کے ساتھ خشکی کے راستہ سے وابستہ تھے۔ آسٹریلیا اپنے موجودہ حدود کی نسبت بہت بڑا تھا۔ افریقہ یورپ کے ساتھ لگا ہوا تھا جبرالٹر بھی اور دوسرے مقاموں پر بھی خشکی کا راستہ جاتا تھا۔ غرض یہ کہ اس وقت کی دنیا کا نقشہ آج کی دنیا سے بہت مختلف تھا۔ اس لئے نسل انسانی کی تقسیم کے متعلق ہم موجودہ جغرافیہ اور موجودہ حالات سے صحیح نتائج اخذ نہیں کر سکتے۔

مختلف نسلوں کا وجود میں آنا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں انسان اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے چلے گئے۔ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ انسان کا اصل وطن کہاں تھا۔ جب یہ لوگ اپنے آبائی وطن سے چلے ہیں تو شکل و صورت رنگ و بو میں سب یکساں تھے۔ مگر موجودہ انسان کی نسبت دل و دماغ اور جسم کے لحاظ سے بہت کم ترقی یافتہ تھے۔ یعنی ارتقاء کی ابتدائی منزل میں تھے۔ اپنے نئے وطن میں پہنچ کر اس آبائی انسان میں تبدیلیاں واقع ہوئیں یہ تبدیلیاں آب و ہوا۔ ماحول اور ضروریات کے مطابق یا ان کی مجبوریوں سے ہوئیں۔ اس لئے موجودہ نسلیں پیدا ہو گئیں۔ جو کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں اسوقت آباد ہیں۔ اس لئے نسلیں پیدا کرنے والا ماحول ہے۔ اس میں آب و ہوا کے علاوہ۔ خوراک مٹی اور پیشے کو بھی دخل ہے۔ گویا یہ کہنا درست ہے۔ کہ تمام جاندار چیزیں اپنے ماحول کی پیداوار ہیں۔

دور جدید میں آبادکاری کے لئے شرائط:۔ اس لئے جہاں کہیں نئے علاقوں میں آبادی کی جائے

اور ایک وطن کے لوگوں کو کسی دوسرے وطن میں آباد کیا جائے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ آیا یہ نیا وطن ان لوگوں کے لئے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ اگر نیا وطن اس مہاجر جماعت کے لئے مناسب ہے۔ اور وہاں کی آب وہوا سے اُنہوں نے مناسبت پیدا کر لی تو یہ مستقل جماعت کی حیثیت میں زندہ رہ سکیں گے۔ نہیں تو یہ نئے وطن کے اصل باشندوں میں گھل مل کر نابود ہو جائیں گے۔ یا تباہ و برباد ہو کر نیست ہو جائیں گے۔ اس فطری حقیقت کی سچائی کا ثبوت عہد جدید میں کئی دفعہ تجربہ نے پیش کیا ہے شمالی امریکہ۔ منطقہ حارہ کا افریقہ۔ خفیف حارہ افریقہ۔ ہندوستان۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ وغیرہ میں یورپ کی مختلف اقوام نے بستیاں بنانے کی کوشش کی۔ اور وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ مگر وہ انہیں ممالک میں کامیاب ہوئے جہاں کی آب وہوا اور ماحول ان کے لئے مناسب تھا۔

روئے زمین پر انسان کی نسلیں-

ایک جماعت کے انسان دوسری جماعت کے انسانوں سے مختلف ہیں۔ ان کا قد و قامت۔ خد و خال۔ چہرے کی بناوٹ بالوں کی رنگت اور ساخت۔ اعضاء کی بناوٹ اور رنگ وغیرہ میں فرق ہے۔ ان باتوں سے ہم ایک انسان کو دوسرے سے پہچانتے ہیں۔ جن انسانوں کی یہ باتیں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مثلاً رنگ اور خد و خال ایک جیسے ہوں۔ ان کو ایک جماعت میں رکھ دیا جاتا ہے۔ چند جماعتیں مل کر ایک نسل بناتی ہیں۔ ہر جماعت میں کئی قبیلے ہوتے ہیں۔ اور ہر قبیلے میں کئی فرقے۔ علم الحیوانات کی رو سے۔ سب سے چھوٹی جماعت 'نوع' اس سے بڑی جنس۔ اس سے بڑی 'خاندان'

اس دنیا پر بسنے والے انسانوں کو نسلوں میں تقسیم کرنے کے لئے تین معیار مقرر کئے گئے ہیں۔

(۱) وراثت۔ وہ بدنی خصوصیات جو فرد کو وراثت میں ملتی ہیں۔ مثلاً سر کی بناوٹ۔ قد۔ رنگ۔ بالوں کی بناوٹی خصوصیات

(۲) دنیاوی ماحول:- جغرافی حالات۔ روئے زمین پر اس علاقے کا مقام جہاں وہ نسل آباد ہے۔ اس نسل کا پیشہ

(۳) سماجی ماحول:- تمدنی حالت۔ زبان۔ مذہب۔ خیالات۔ رسم و رواج

انسان کی ظاہری خاصیتوں میں رنگ بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا میں انسانوں کی کئی جماعتیں آباد ہیں۔ مگر نسل کے ماہرین نے ان کو اس طرح سے تقسیم کیا ہے۔ کہ وہ چار نسلوں میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ یہ تقسیم رنگ پر منحصر ہے۔ ان میں

سے ہر ایک نسل نے روئے زمین کے ایک خاص حصے پر سکونت اختیار کی ہوئی ہے۔ البتہ دورِ جدید میں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک نسل نے تلوار کے زور سے دنیا کے کچھ علاقوں سے دوسری نسل کو نکال کر خود وہاں سکونت اختیار کر لی ہے۔

۱۔ سفید نسل:۔ (آریا عرب وغیرہ) اس کا اصل وطن ہے۔ سارا یورپ کا علاقہ۔ افریقہ کا وہ حصہ جو خطِ سرطان سے اوپر ہے۔ اور جنوب مشرقی ایشیا (ہندوستان۔ ہند چینی وغیرہ)

۲۔ زرد نسل۔ منگول لوگ۔ (چینی۔ تورانی وغیرہ) ان کا اصل وطن ایشیا کا بیشتر حصہ ہے۔

۳۔ سیاہ نسل:۔ حبشی لوگ۔ ان کا اصل وطن بحرِ ہند کے دائیں اور بائیں طرف واقع ہے۔ افریقہ میں منطقہ حارہ کا علاقہ۔ اور آسٹریلیا۔

۴۔ سرخ نسل:۔ امریکہ کے اصل باشندے۔ یہ امریکہ میں الاسکہ سے لے کر جنوبی امریکہ کے جنوب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بعض محققین ان چار نسلوں میں پانچویں نسل کا اضافہ کرتے ہیں۔

۵۔ سانولی نسل۔ یہ لوگ ملایا۔ فلپائن۔ جنوبی ہندوستان اور نواح میں آباد ہیں۔

انسان نے تلوار کے زور سے چند نسلی جماعتیں مٹا دیں

انسان نے اپنی سیاست کے زور سے۔ فراست کے بل پر۔ اور بل کے استعمال سے۔ روئے زمین کی اس نسلی تقسیم کو کسی حد تک تبدیل کر دیا ہے۔ چند تبدیلیوں کا ملاحظہ فرمایئے۔ فن لینڈ۔ لیپ لینڈ۔ اور بلغاریا (یہ تینوں یورپ کے ممالک ہیں) کے رہنے والے منگول ہیں۔ انہوں نے تاریخ کے دورِ متوسط میں اپنے وطن یعنی وسطی ایشیا سے یورش کی اور ان ممالک میں آکر آباد ہو گئے۔ اسی طرح سے ترک منگولیا اور سمرقند کی حدود سے چلے۔ ترکستان ہوتے ہوئے انہوں نے موجودہ ترکی کو آکر آباد کر لیا۔ سولھویں صدی عیسوی سے یورپ کی قوموں نے دنیا کے مختلف علاقوں پر اپنا قبضہ جمانا شروع کیا۔ شمالی امریکہ جنوبی امریکہ۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ وغیرہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ وہاں کے اصل باشندے تعداد میں کم ہو گئے۔ کمزور ہو کر رہ گئے۔ ان میں سے اکثر تو اب بے چارہ اور نادار جماعتیں شمار ہوتی ہیں۔ مگر یقین جانو بعض ایسے قبیلے نہیں بلکہ نسلی جماعتیں ایسی ہیں جو اروپائی نوآبادکاروں کی ریشہ دوانیوں کی تاب نہ لا کر صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں۔ یا چند روز میں ہو جائیں گی۔ ان

قبیلوں یا جماعتوں کی عورتوں نے بچے پیدا کرنے بند کر دیئے کہ ہماری دنیا میں ضرورت نہیں رہی۔ ان کو حرف غلط کی طرح سے درست نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف مکرر کی طرح سے مٹا دیا گیا۔ ایک فرد کا قتل جرم ہے۔ لیکن ایک نسلی جماعت کو نیست کر دینا گناہ عظیم ہے۔ مگر واہ رے تہذیب مغرب۔ اپنے ان مظالم کو کیسے کیسے میٹھے نام دے کر کس طرح کی پہلو دار دلیلوں کے لفافے میں چھپا کر تاریخ میں داخل کر دیتی ہے۔ اور اپنے آپ کو سچا قرار دیتی ہے۔ کہ انسانی ترقی کے لئے یہی ضروری تھا۔ ہندوستان اب تک حرف مکرر نہیں حرف غلط رہا ہے۔ اس کا سبب آب و ہوا سمجھو۔ یہاں کے باشندوں کی تعداد۔ یہاں کا تمدن یا ان کی زندہ رہنے کی اٹل کوشش۔ اب یورپ اس حرف غلط کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یعنی ہوم رول۔ یا سیلف گورنمنٹ۔ یا کوئی ایسی چیز جس سے ہندوستان آزاد یا نیم آزاد یا ایک ٹیا چار آزاد اقوام میں شمار ہو سکے۔

بنی نوع انسان کی نسلی تقسیم

بنی نوع انسان کی نسلی تقسیم اور تقسیم در تقسیم اس طرح سے ہوئی۔

سفید نسل:۔ اس کو کاکیشی نسل بھی کہتے ہیں۔ یہ محض نام ہے۔ فرض کیا جاتا ہے کہ اس نسل کا اصل وطن کہیں شمالی افریقہ کے علاقے میں تھا۔ یہاں سے ان کی ایک جماعت نے ہجرت کی اور کوہ قاف میں جا کر آباد ہو گئے۔ جو بحیرہ خضر کے قریب ہے۔ کوہ قاف سے کئی جماعتیں یکے بعد دیگرے نکلیں اور ایران ہندوستان۔ ہند چینی کوریا۔ اور سارے یورپ میں آباد ہو گئیں۔

سفید نسل کی بڑی بڑی جماعتیں یہ ہیں۔

(۱) حامی (حام کی اولاد) (Hamites) نیل کے طاس سے لیکر مغرب کی طرف جتنے لوگ بحر کاہل تک آباد ہیں۔ ان کی مشہور تعداد مصری۔ بربری۔ سمالی۔ وغیرہ

(۲) سامی (سام کی اولاد) (Semites) عرب۔ ایشیا۔ سوریا۔ عراق۔ میں جتنے لوگ آباد ہیں

(۳) جنوبی یورپ کی نسلی جماعت۔ نسلی جماعت جو شمالی بحر روم کے علاقوں میں آباد ہے۔ یونان۔ البانیہ۔ اٹلی۔ جنوبی فرانس سپین گویا سارا جنوبی یورپ اور اس کے ساتھ آئرلینڈ اور ویلز کا بیشتر حصہ اور انگلستان اور سکاٹ لینڈ کا کچھ حصہ

(۴) شمالی یورپ کی نسلی جماعت۔ ناروے۔ سویڈن۔ جرمنی آسٹریا۔ شمالی فرانس۔ سفید روس۔ پولینڈ۔ اور یورپ کے

با   باقی حصّے جو شمالی بحر روم کی نسلی جماعت میں شامل نہیں۔

(۵)   ایرانی جماعت۔ ارمنی۔ کرد۔ ایرانی۔ افغان۔ بلوچی

(۶)   ہندوستانی جماعت (۱) آریا لوگ۔ کشمیری۔ پنجابی۔ سندھی۔ اور دوسری نسلوں کی ملاوٹ کے ساتھ بنگالی۔ اودھی مرہٹی۔ آسامی

(۲) دراوڑی بولنے والی ہندوستانی قومیں۔ تامل۔ تلگو۔ کناری۔ ملایم۔ سنگھالی۔

(۷)   ہند چینی کی جماعت۔ کمبودیا۔ کوچین چائنا۔ ملایا۔ اور اس علاقے کے جزائر

(۸)   کاکیشیا کی جماعت۔ کوہ کاف کی دونوں طرف کی گھاٹیوں کا علاقہ

اس نسل کو دو بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلا گروہ (مثلاً اروپائی) اس کی بدنی خصوصیات یہ ہیں۔ رنگ سفید۔ روشن۔ اس میں سرخی نمایاں۔ سر لمبا۔ آنکھیں نیلی یا سنہری (Brown) کافی بڑی اور سیدھی۔ بال لمبے۔ لہریا دار چمکدار۔ ہلکے سنہری یا سرخ یا سیاہی مائل سنہری جبڑا ناک سے پیچھے سیدھا کھڑا ہوا۔ ناک نمایاں سیدھی یا طوطے کی طرح۔ گالوں کی ہڈیاں چھوٹی۔ خدو خال متناسب قد میانہ ۵ فٹ ۶ انچ سے ۶ فٹ تک

دماغی خصوصیات یہ ہیں۔ پختہ خیال۔ دھن کا پکا۔ مگر نرم مزاج اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے۔ کام کاج میں ہر وقت مصروف۔ ہر نئے کام میں ہاتھ ڈالنے کو تیار۔ نظری اور خیالی سوچ بچار میں اسکا دماغ خوب کام کرتا ہے۔ سائنس۔ آرٹ اور علوم وفنون میں اس نے بہت ترقی کرلی ہے۔

(۲) دوسرا گروہ۔ (مثلاً دراوڑی) اس کی بدنی خصوصیات یہ ہیں۔ رنگ گہرا۔ مائل بہ سیاہی۔ اس میں کچھ زردی۔ سر شمالی علاقوں میں گول جنوبی علاقوں میں لمبا۔ بڑی۔ بڑی سیاہ آنکھیں۔ بال۔ لہریا دار۔ کچھ ان میں گھونگران کا رنگ بھورا اور سیاہ جبڑا سیدھا۔ جو ناک سے بڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ ناک بڑی سی کچھ چوڑی۔ گالوں کی ہڈیاں چھوٹی۔ خدوخال مناسب قد میانہ یا ۵ فٹ سے ۶ فٹ سے کچھ کم۔

دماغی خصوصیات یہ ہیں۔ گرم مزاج۔ کم ظرف۔ مگر ہر کام کرنے کو مستعد۔ اور ہر نئی بات کا بیڑا اٹھانے کو تیار۔ نظری باتوں کو خوب سمجھتا اور سوچتا ہے۔ علوم و فنون اور سائنس میں اس نے بہت ترقی کر لی ہے

نسل کے بعض محققین نے اس انسانی گروپ کو دو الگ نسلیں شمار کیا ہے۔ ایک کا نام کاکیشی نسل رکھا ہے۔ اور یہ پہلا گروہ ہے۔ اس کے نفوس کی تعداد ساری دنیا میں ۲۷ کروڑ کے قریب ہے۔ دوسری نسل کا نام ملایائی نسل رکھا ہے۔ جس کو ہم نے اوپر (۵) بنایا ہے۔ یہ دوسرا گروہ ہے۔ اس میں ملایا۔ ہند چینی۔ کمبوڈیا۔ کوچین چائنا۔ اس علاقے کے جزائر اور جنوبی ہندوستان کی دراوڑی قوم کے لوگ شامل ہیں۔ اس نسل کے نفوس کی تعداد ساری دنیا میں ۵ کروڑ کے قریب ہے۔

۲۔ زرد نسل۔ منگول لوگ۔

غالباً ان کا اصل وطن تبت کی سطح مرتفع تھا۔ اب یہ نسل چین ہند چینی۔ شمالی ایشیا۔ ملایا کا کچھ حصہ۔ کوریا جاپان۔ فارموسا۔ ترکستان۔ منگولیا۔ ایشیائے کوچک۔ کوہ کاف۔ روس۔ بالٹک۔ بلقان۔ ہنگری۔ آسٹریلیا اور امریکہ میں آباد ہے۔

بدنی خصوصیات یہ ہیں۔ سر چھوٹا۔ اور گول سا جس کی لمبائی اور چوڑائی کی نسبت پانچ اور چار کے قریب۔ جبڑا کسی حد تک ناک سے آگے بڑھا ہوا۔ ناک بہت چھوٹی سی۔ اوپر کے پہلو سے نصف میں نیچے کو خمیدہ۔ ہونٹ پتلے۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں۔ چھوٹی چھوٹی پتلی لمبی سیاہ آنکھیں جو چہرے میں ترچھی لگی ہوتی ہیں۔ رنگ۔ مانچوریا۔ منگولیا۔ کوریا۔ جاپان۔ ترکی اور روس میں زرد۔ یا پھیکا زرد اور سفید۔ ملایا میں زردی مائل بھورا۔ بال۔ لمبے سیاہ اور خشک۔ تراش میں دائرے کی طرح گول۔ ڈاڑھی ندارد یا بہت کم۔ کوتاہ قامت قد ۵ فٹ سے ۵ فٹ ۷ انچ۔

دماغی خصوصیات۔ تند مزاج اور ضدی۔ روزانہ کے کاروبار میں سست رفتار۔ منطقہ معتدلہ میں محنت کش گرم علاقوں میں محنت سے گریزاں۔ قمار بازی میں تیز۔ مضبوط سپاہی اور سخت جان۔ سائنس آرٹ علوم و فنون میں ایک حد تک ترقی کی ہے۔

۳۔ سیاہ نسل۔ حبشی لوگ۔ اس نسل کے دو بڑے گروہ ہیں۔

(۱) ۲۔ پہلا گروہ۔ مغربی یا افریقی گروہ۔ ان کا وطن کہیں افریقہ کی صحرا کے قریب تھا۔ اب اس نسل کے لوگ شمالی افریقہ جنوبی ریاستہائے متحدہ۔ مرکزی امریکہ۔ جنوبی امریکہ میں برازیل اور گنی میں آباد ہیں۔

بدنی خصوصیات:۔ سر لمبوترا۔ جبڑے آگے کو بڑھے ہوئے۔ ناک چوڑی اور چپٹی۔ ہونٹ بڑے بڑے پیچھے کو مڑے ہوئے رخساروں کی ہڈیاں کافی ابھری ہوئیں۔ بھول کمان کی طرح سے۔ بڑی بڑی گول سیاہ اور نمایاں آنکھیں۔ آنکھ کی پتلی کا رنگ زرد پاؤں کا تلوا چپٹا۔ بڑی سی گیند نما ایڑی۔ جلد کا رنگ نہایت گہرا بھورا جو سیاہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاذونادر ہی کامل سیاہ ہوتا ہے۔ بال چھوٹے گہرے سیاہ۔ جن میں بہت سے گھونگر۔ بال کی تراش چپٹی۔ ڈاڑھی بہت کم۔ قد میانہ سے بلند تک۔ ۵ فٹ ۸ انچ سے لیکر چھ فٹ ۱ انچ تک۔

دماغی خصوصیات۔ دماغی کاموں سے کوئی رغبت نہیں۔ جنسی رغبت بہت زیادہ۔ بلوغت کو پہنچ کر دماغ کی نشوونما رک جاتی ہے۔ علوم اور سائنس سے کوئی تعلق نہیں۔ ابتدائی فنون مثلاً زراعت۔ کپڑا بننا۔ مٹی کے برتن بنانا اور دھاتیں نکالنے میں (لوہا اور تانبا) کچھ ترقی کی ہے

۲۔ دوسرا گروہ۔ مشرقی یا آسٹریلیا کا گروہ۔ ان کا اصل وطن آسٹریلیا کے ساتھ جزیرے تھے۔ اب یہ دوسری نسل کے لوگوں میں مل جل کر ملایا۔ انڈمن۔ فلپائن۔ نیوگنی اور آسٹریلیا کے کچھ حصوں میں رہتے ہیں۔

بدنی خصوصیات:۔ مغربی گروہ سے اس کا فرق خاص طور پر قد میں ہے۔ ان کا قد نسبتاً چھوٹا ہے۔ بال میں گھونگر نہیں بلکہ لہریا ہے ناک بڑی سیدھی اور اکثر طوطے کی طرح۔ ہونٹ نسبتاً کم موٹے مگر پیچھے کو مڑے ہوئے کبھی نہیں ہوتے۔

دماغی خصوصیات:۔ تیز مزاج۔ شور و شر کی طرف راغب۔ ظالم۔ فریبی۔ کام کرنے سے گریزاں۔ افریقی سے بھی زیادہ وحشی آدم خور۔ سائنس۔ آرٹ یا علوم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں برتن بنانے۔ کھیتی کرنے۔ کپڑا بننے اور لکڑی کا کام کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

۴۔ سُرخ نسل۔ امریکہ کے اصل باشندے

ساری نئی دنیا یعنی شمالی اور جنوبی امریکہ ان کا اصلی وطن تھا۔ اب یورپ کے سفید لوگوں نے امریکہ میں نو آبادیاں قائم

کرلی ہیں۔ اوران غریبوں کو کہیں کہیں رہنے کو جگہ دے دی ہے۔ الاسکہ۔ کینیڈا کے کچھ حصے۔ ریاستہائے متحدہ کے چند علاقے میکسیکو کا بیشتر حصہ مرکزی اور جنوبی امریکہ میں یہ سفید نسل اور حبشی نسل کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔

بدنی خصوصیات :۔ سر گول اور لمبوترا دونوں قسم کا۔ کچھ تھوڑا سا آگے کو بڑھا ہوا۔ بھاری جبڑا۔ بڑی سی سیدھی ناک کسی حد تک ابھری ہوئیں گالوں کی ہڈیاں چھوٹی سیاہی کالی آنکھیں۔ تانبے کا سا سرخ رنگ جس کا میلان زردی یا بھورے رنگ کی طرف ہوتا ہے۔ بال۔ لمبے سیاہ اور خشک۔ ڈاڑھی بہت کم۔ قد پہاڑی علاقے میں درمیانے سے چھوٹا۔ میدانوں میں درمیانے سے اونچا

دماغی خصوصیات۔ مزاج کبھی تولہ کبھی ماشہ۔ درشت اور شدید جنگجو۔ سائنس کم درجہ۔ علوم وفنون ایک حد تک ترقی پاچکے ہیں۔

تمام دنیا کی آبادی ۱۹۰۱ کی مردم شماری کے مطابق مندرجہ ذیل تھی۔

سفید نسل	۔ ۷۷ کروڑ نفوس	زرد نسل	۵۴ کروڑ نفوس
سیاہ نسل	۔ ½۱۷ کروڑ "	سرخ نسل	⅕۲ کروڑ "

سفید نسل سب نسلوں پر بالادست ہے

ہم نے دیکھا ہے۔ کہ دونسلیں سفید نسل اور زرد نسل اپنی عقل۔ ہمت اور علم میں دوسری دونسلوں یعنی سیاہ نسل اور سرخ نسل سے بہتر ہیں۔ جہاں تک تاریخ کے اوراق ہماری راہبری کرتے ہیں۔ ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ یہ دونوں اعلیٰ نسلیں دنیا کے ہر گوشے میں ترقی کرتی رہی ہیں۔ اور دونوں کمزور نسلیں ہار مان کر میدان چھوڑ جاتی رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ سیاہ نسل اور سرخ نسل پر عرصۂ حیات اور عرصۂ ارض تنگ ہوتا گیا ہے۔ وہ رقبہ جہاں اُن کا آبائی وطن تھا۔ ان سے چھین لیا گیا۔ اور اعلےٰ نسلیں وہاں آباد ہوگئیں۔ اُن کی وراثت حقوق۔ اور آسائشوں پر چھاپہ مارا گیا۔ ان کی تعداد کم ہوتی گئی۔ اور کم ہوتی جارہی ہے۔ گویا اس وقت دنیا میں ان کمزور نسلوں کی حیثیت غلام سے زیادہ نہیں۔ بلکہ انسان شکل کا جانور سمجھو جن کے گلے میں رسی ہے۔ اور سفید نسل کا خواجہ جسطرح سے چاہتا ہے۔ ان کو رکھتا ہے۔ اور ان سے کام لیتا ہے۔

اعلیٰ نسلوں میں زرد نسل بھی نسبتاً گھٹیا ہے ۔ سفید نسل کا دل و دماغ زرد نسل سے بہت بلند ہے سفید نسل کی بھی کئی جماعتیں ہیں (۱) حامی (۲) سامی (۳) جنوبی یورپ کی نسلی جماعت (شمالی یورپ کی نسلی جماعت (۵) ایرانی جماعت (۶) ہندوستانی جماعت ۔ اس کے دو قبیلے ہیں ۔(۸) آریا لوگ (۵) دراوڑی لوگ (۷) ہند چینی کی جماعت ۔ اور (۸) کاکیشیا کی جماعت ۔

آریائی نسل

ان جماعتوں میں سے (۱) جو شمالی یورپ میں آباد ہے ۔ اور (۳) یعنی جنوبی یورپ کی بڑی جماعت کا حصہ اس کے ساتھ (۵) ایرانی جماعت اور ہندوستانی جماعت کا قبیلہ (۱) یعنی شمالی ہندوستان کے باشندے ۔ یہ سب مل کر ایک گروپ بناتے ہیں جس کا نام آریا لوگ ہے یا بعض دفعہ اس کو آریا نسل بھی کہہ دیا جاتا ہے ۔ چونکہ ان سب لوگوں کے اجداد کا اصل وطن بحیرہ خضر کے قریب کہیں تھا ۔ غالباً شمال یا مشرق میں انہوں نے وہاں سے ہجرت کی ۔ کچھ قافلے مغرب کو چلے گئے اور یورپ میں جاکر آباد ہوگئے ۔ کچھ قافلے مشرق کو گئے اور ایران بلوچستان ۔ ہندوستان میں آکر آباد ہوگئے ۔ یہ قدیم لوگ اپنے آپکو آریا کہتے تھے ۔ اس لئے یہ تمام جماعتیں آریا قوم سے تعلق رکھتی ہیں ۔ یہ لوگ ، سفید ، سرخ رنگ ۔ بالا قامت بدن متناسب آنکھیں بادامی اور روشن مگر جسامت میں میانہ ۔ چہرہ موزوں ، گالوں کی ہڈیاں اندر کو یعنی گالیں گول ۔ جبڑا ناک کی نوک سے پیچھے ۔

دنیا کی تاریخ یہ کہتی ہے کہ دنیا کی ساری عقلی ترقی آریا قوم کی کاوش کا نتیجہ ہے ۔ علوم و فنون ۔ سائنس اور آرٹ میں یہی لوگ سب سے آگے ہیں ۔ ان کا فکر اور ذہنی تصور باقی جماعتوں سے بہت بلند ہے ۔ اس لئے آریائی دماغ دنیا کی ذہنی ترقی میں مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے ۔

اعلیٰ نسل کی اہمیت

یہ تو ظاہر ہے کہ حبشی کا فرزند حبشی ہوتا ہے ۔ اور انگریز کا انگریز ۔ بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ والدین کی بیماریاں بچوں کو منتقل ہوتی رہتی ہیں ۔ اگر باپ یا ماں میں جنون یا مالیخولیا کا عارضہ ہے ۔ تو سارے خاندان میں نسل بعد نسل چلا جاتا ہے ۔ اگر نقرس یا بواسیر ہے تو بچوں میں بھی وہی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اگر جگر میں حدت ہے یا دل کمزور ہے تو بیٹوں پوتوں میں بھی وہی عوارض فطرت سے موجود ہوتے ہیں ۔ یعنی ان بیماریوں کے پیدا ہونے کے قوی احتمالات ہیں ۔ اسی طرح سے ماں باپ ۔ دادے پڑدادے کی خوبیاں بھی اولاد میں منتقل ہو جاتی ہیں ۔ جدید یورپ کے ماہرین فن فذرش کا مقولہ ہے اگر تم تندرست رہنا چاہتے ہو ۔ تو اپنے ماں باپ کا انتخاب کرو ۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا

انتخاب تو کر نہیں سکتا۔ مگر ماں باپ اگر تندرست توانا۔ صاحب فہم ہیں تو بچے بھی اسی طرح سے ہوں گے۔ کسی قوم کا تمدن اس قوم کی نسلی خصوصیات پر منحصر ہے۔ ان نسلی خصوصیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ فطرت کی قوتوں کے زیر اثر اور ماحول کی ضروریات کے مطابق جو نسلی خصوصیات کسی جماعت کو وراثت میں ملتی ہیں۔ وہ اس جماعت کی تہذیب کو تعمیر کرنے میں بڑا حصہ لیتی ہیں۔ مگر اس تہذیب پر اس جماعت کے مذہب۔ بسلسلہ تعلیم نظام حکومت۔ پیشہ و تجارت۔ عادات۔ تہواروں کا بھی اس سے کم اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب قوتیں خصوصیات کی تربیت کرتی رہتی ہیں۔

کسی قوم کی سب سے بڑی دولت، اس قوم کے مرد ہیں۔ مگر یہ مرد تندرست توانا۔ صاحب فہم ہونے چاہئیں۔ تاکہ آزاد رہ سکیں۔ اور دوسری قوموں کو فتح کر سکیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دل و دماغ کی خوبیوں کا تعلق نسل سے ہے۔ اس لئے جو قوم آزاد اور فاتح بننا چاہتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی نسل کو بہتر کرے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو گائیں کم دودھ دینے والی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو کتنی عمدہ خوراک کھلاؤ۔ ان کا دودھ اس وزن کو نہیں پہنچتا۔ جتنا کہ اعلیٰ نسل کی گاؤں کا ہوتا ہے۔ انسان بھی حیوانوں کی طرح قدرتی قوانین کے ماتحت ہے۔ اگر ماں باپ اچھے ہونگے تو اولاد میں بھی عمدہ خصائل کی حامل ہوگی۔ اس لئے جاہل اور غیر مہذب مردوں اور عورتوں کی اولاد بھی اپنے والدین کیطرح ہوگی۔

بلند ذہنی قابلیت، اٹل ارادہ، اور لامتناہی محنت، انسان کی سب سے قیمتی خوبیاں ہیں۔ کسی گائے یا کتے کی تلاش ہو تو اسکی نسل کو پرکھا جاتا ہے۔ اس کے ماں باپ کی خاصیتوں کو دریافت کیا جاتا ہے۔ مگر انسانوں کو دوستانہ تعلقات یا ازدواجی تعلقات کے لئے تلاش کرتے وقت ان خوبیوں کی طرف توجہ نہیں دیجاتی۔ گویا بشریہ سمجھتا ہے۔ کہ یہ خوبیاں انسان کو وراثت میں نہیں پہنچیں۔ وطن کے بعض بہترین دماغ اپنی قوم پر بڑا ظلم کرتے ہیں۔ مہذب۔ متمدن اور اعلیٰ تعلیمیافتہ طبقہ کے مرد اور عورتیں یا تو شادی سے گریزاں رہتے ہیں۔ یا ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ بچے تعداد میں کم ہوں۔ حالانکہ قوم کو سب سے زیادہ انہیں کے بچوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ ملت کا ذہنی اور صحت کا معیار بلند ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ملت میں بہترین دماغوں کی تدریجاً کمی ہو جاتی ہے۔ اور قوم بلند معیار سے گر جاتی ہے۔ علم الحیوانات کے اصول ہمیں یہی سبق سکھاتے ہیں۔ عقل اسپر اصرار کرتی ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کے مطالعہ سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

نسل کو ترقی دینے کی چند تجویزیں

بعض محققین کی صائب رائے یہی ہے۔ کہ اگر کوئی کمزور قوم مضبوط ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ اعلیٰ قوم کے افراد سے سلسلۂ ازدواج شروع کرے۔ قوم میں تازہ روح پھونکنے کا ایک طریقہ یہ ہے۔

خط معاف! مجھے علامہ اقبال اور ان کی صحبتیں پھر تازہ ہوگئیں۔ ان کا خیال بالکل یہی تھا اور ان کا اصرار تھا کہ ایران کو از سر نو تازہ کرنے کے لیئے وہاں پر چند عرب قبائل آبادی میں منتشر کردیئے جائیں۔ اس کی کئی مثالیں دنیا میں ہیں۔ ایرانی مسلمان ہندوستان آیا .... دور جدید میں افریقہ کے حبشی غلام بنا کر امریکہ لے جائے گئے۔ وہاں کے سفید نسل کے لوگوں کے امتزاج سے کچھ گنگا جمنی بچے پیدا ہوئے۔ جو انگریزی بولتے ہیں۔ ان کی حالت امریکہ میں بہت بہتر ہے۔ ان میں سے ایک جماعت افریقہ واپس آئی جو ان کے اجداد کا قدیم وطن تھا۔ اور یہاں آکر انہوں نے ایک آزاد حکومت قائم کرلی۔ عثمانی ترکوں میں نئی روح اور نئے خیالات کے پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ ترکوں نے وسیع پیمانے پر یورپ کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ خاص طور پر فرانس اور یونان کی عورتیں نئی نسل کا دماغ مختلف تھا۔ اور ان میں یورپ کے خیالات موجود تھے۔ تاہم ملت کے ارباب حکومت کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ قوم کے بہترین دماغوں کو افزائش نسل کی ترغیب دیں۔ دوسری بات یہ کہ قوم کے مناسب مردوں کے لئے۔ اعلیٰ تہذیب اور ذہنی قابلیت کی عورتوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ قوم کا دل و دماغ ترقی کرے گا۔ تو افراد اپنی ترقی کے راستے خود نکال لیں گے اس طرح سے ملت ہمیشہ تابندہ اور زندہ رہے گی۔

مقالہ۔ ۲۷

دُنیا کا تمدّنی خطّہ

کرۂ ارض اور حیات میں بدریجاً تبدیلی ہوئی ہے

یہ کرۂ ارض جسپر ہم رہتے ہیں۔ ہمیشہ سے ایسی حالت میں نہیں تھا۔ اور نہ رہے گا۔ پہلے بہت گرم تھا۔ پھر ٹھنڈا ہوا اسپر بخارات کے گھرے بادل نمودار ہوئے۔ پانی بنا۔ سمندر بن گیا۔ پھر خشک اور سخت زمین بنی۔ اسپر نباتات پیدا ہوئے۔ پھر دلدل میں رہنے والے جاندار۔ ان میں سے کچھ پانی میں چلے گئے۔ اور آبی جانور بنے۔ کچھ خشکی پر آگئے۔ اور خشکی کے جانور بنے۔ مگر حضرت مینڈک اور جناب مگرمچھ صاحب ہیں کہ اب تک اپنے بزرگوں کی یادگار کو قائم رکھتے ہوئے زندگی کا کچھ حصّہ خشکی پر گذارتے ہیں۔ اور کچھ پانی میں۔ غرض یہ کہ جس طرح سے دنیا کی مادی حالت بدلتی گئی اسی طرح سے اسپر بسنے والی حیات (نباتات۔ حیوانات وغیرہ) نے بھی اپنی ہیئت بناوٹ اور شکلیں بدلیں تاکہ اس نئے ماحول میں اپنی زندگی کو قائم رکھ سکے۔

ان سب کے بعد میں پرندے وجود میں آئے۔ جنہوں نے خشکی پر رہنا پسند نہ کیا۔ بلکہ درختوں پر پھدکتے پھرتے اور کئی ہزار نسلوں کی تربیت کے بعد اپنے بازوؤں میں پرواز کی قوت پیدا کرلی۔ اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو انسانی تہذیب نے بھی اسیطرح کی تینوں منزلیں طے کی ہیں۔ آب۔ خاک۔ باد۔ پہلے شہر دریاؤں کے کنارے آباد ہوئے۔ اور آمدورفت اور تجارت دریاؤں کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی۔ یعنی کشتیاں استعمال ہوتی تھیں۔ اس کو آبی تہذیب کہہ لو۔ اس کے بعد خاکی تہذیب وجود میں آئی۔ انسان نے خشکی پر بستیاں بنائیں۔ بڑی بڑی سڑکوں سے تجارتی شاہراہوں کا کام لیا۔ بیل گاڑیاں ریلیں۔ موٹریں۔ وجود میں آگئیں اب دورِ جدید نے انسان نے ہوائی جہازوں کے ذریعہ اڑنا سیکھا ہے۔ اور اُسے ہوائی تہذیب کہہ لیں تو کوئی عیب نہیں۔ یہ تہذیب ابھی ابھی پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کے کرشموں سے دنیا کی کیفیتوں اور ترکیبوں میں یکسر تبدیلی آگئی ہے۔ مثلاً نقشہ کشی ہوائی جہاز سے ہوتی ہے۔ یہ علمی ترکیب میں تبدیلی ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے مکڑی مارتے ہیں۔ بیج بکھیرتے ہیں (زراعت میں تبدیلی)۔ اور

فنِ عسکری تو قطعاً بدل گیا۔ ان پرانے قلعوں۔ اور برجوں کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ چونکہ ہوائی جہاز اڑ کر قلعوں کے سر پر آ پہنچتا ہے۔ اور دیواریں بیکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ملّت کے مستقبل کے لئے ہمیں جو کچھ تجویز کرنا ہوگا وہ مستقبل کے آلات اور مستقبل کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر کرنا ہوگا۔ مستقبل کے تمدن کے عناصر، ہوائی جہاز۔ بجلی۔ اور ریڈیو ہوں گے۔ اس لئے قومی ترقی کے لئے ان کو ترقی دینا پڑے گا۔

عہدِ قدیم کے بہت بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے ملے ہیں جو ہاتھی سے بھی کئی گنا بڑے ہیں۔ شمالی روس کے برفستانی ملک میں برف کے نیچے دبے ہوئے پورے کے پورے جانور ملے ہیں۔ گوشت پوست ہڈیاں سب اسی طرح سے قائم۔ یہ جانور دنیا کے کسی خطے میں آجکل موجود نہیں۔ برف کے انباروں کے نیچے لاکھوں سال پڑے رہے مگر شدید سردی اور برف کے سبب نہ گلے نہ سڑے۔ ہمیں ثابت کے ثابت دستیاب ہوئے ہیں۔ دنیا کے مختلف مقاموں میں ان کے علاوہ۔ ہڈیاں ڈھانچے۔ دانت کھوپڑیاں پنجرے اور سل پتھر شدہ جانور تو بے شمار ملے ہیں۔ ان سب سے قدیم دنیا کی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔

ان تبدیلیوں میں زندہ کون رہتا ہے

دنیا پر سب سے پہلے نباتات نے کب جنم لیا۔ اس کا ہمیں کوئی صحیح علم نہیں۔ قیاس آرائیاں ہیں۔ جو بعض دفعہ تو کروڑ۔ کروڑ تک ختم ہو جاتی ہیں۔ اور بعض دفعہ کئی کروڑ کی ضربوں کی خبر لاتی ہیں۔ تاہم یہ قرینِ قیاس بلکہ حقائق سے بالکل بیّن ہے۔ کہ اس کرۂ نباتات اور حیوانات کی شکلوں میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ جو قسمیں یا قبیلے نئے ماحول میں زندہ نہ رہ سکے وہ مٹ گئے۔ بعض دفعہ تو دنیا سے بالکل نابود ہو گئے۔ اب بھی جانور۔ انسان اور نباتات، ایسے قبیلوں سے تعلق رکھنے والے اس دنیا میں موجود ہیں۔ جو دن بدن دنیا سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے ناپید ہو گئے۔ نہ ان کی اولاد میں سے اب کوئی باقی ہے۔ نہ کوئی نام لیوا۔ جانور اور نباتات بھی اسی طرح سے مادی تبدیلیوں سے متاثر ہو رہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کا فتویٰ یہ ہے جانور اور انسان نوع در نوع مٹ گئے اور مٹ رہے ہیں۔ زندہ وہی رہے گا۔ جو زندہ رہنے کی اہلیت پیدا کرے گا۔

نسلی تبدیلیاں ماحول نے پیدا کیں

جب یہ کرۂ خاک ارتقاء کی کئی منزلیں طے کر چکا۔ جب حیوانات کروڑہا سال

تک یہاں زندگی گزار چکے تو انسان وجود میں آیا۔ اور تھوڑے سے عرصے میں تمام دنیا کے علاقوں میں اس نے اپنی بستیاں بنالیں اس زمانے کو پلیسٹوسین زمانہ کہتے ہیں۔ (Pleistocene time)

جیساکہ ذکر ہوچکا ہے (رسالہ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۹۸) اسوقت کے انسان ایک دوسرے سے سب مشابہت رکھتے تھے۔ یعنی وہ سب ایک ہی خاندان کے مختلف افراد تھے۔ ان میں۔ نسلی۔ بدنی۔ دماغی تبدیلیاں بعد میں ماحول کے ماتحت واقع ہوئیں۔ اس طرح سے تمام روئے زمین کے تمام انسانوں پر ماحول نے ایک سے تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ ابتدا میں سب ایک جیسے تھے۔ اور ماحول کے ماتحت ترقی کرتے ہوئے انہیں ایک جتنا عرصہ گزرا ہے۔ مگر تبدیلی پیدا کرنے والے عناصر کے زیر اثر مختلف ملکوں میں بہ شدت مختلف نتائج پیدا ہوئے۔ نسلی بدنی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ دماغی ہر طرح کا نمایاں تفاوت بلکہ بُعد پیدا ہو گیا۔

منطقۂ معتدلہ دُنیا کا تمدنی خطّہ ہے

دنیا کے منطقۂ معتدلہ میں کرۂ ارض کا بلند ترین تمدن وجود میں آیا ہے اتفاق سے نصف کرہ جنوبی میں منطقۂ معتدلہ کا علاقہ بہت ہی کم واقع ہوا ہے۔ نقشہ ۱۱۔ یہ دنیا کی حرارت کا نقشہ ہے جس سے معتدل حرارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خط سرطان اور خط جدی کے درمیان تو منطقہ حارہ واقع ہے۔ جو بہت گرم ہے۔ (۲۳½ درجے شمال اور ۲۳½ درجے عرض بلد جنوب کے درمیان) یہاں سے شمال اور جنوب میں منطقہ خفیف حارہ شروع ہوتا ہے۔ نقشہ نمبر ۱۱ دیکھو تو خطِ جدی کے نیچے نصف کرہ جنوبی میں صرف آسٹریلیا کا نصف اور جنوبی امریکہ کا نصف سے کم حصہ واقع ہے۔ ان کا بیشتر حصّہ تو منطقہ خفیف حارہ میں شامل ہے۔ آسٹریلیا کا جنوبی ساحل اور ارجنٹائن کا جنوبی حصّہ منطقہ معتدلہ میں ہے۔ اس لئے روئے زمین کے اس چھوٹے سے حصّے کو ہم معرض بحث میں نہیں لائیں گے۔ اس بحث کے لحاظ سے ہم نصف کرہ شمالی کو پیش نظر رکھیں گے۔ اور وہی زیادہ اہم بھی ہے۔

دنیا کا تمدنی خطّہ نصف کرۂ شمالی کے منطقہ معتدلہ میں واقع ہے۔ اس خطّے میں انسان نے سب سے زیادہ بدنی اور دماغی ترقی کی ہے۔ اگر ہم روئے زمین کے شمالی نصف کرہ پر دو خط کھینچیں ایک ۲۵ درجہ عرض بلد پر۔ اور دوسرا ۵۰ درجہ عرض بلد پر

تو دنیا میں جتنی تہذیبوں نے جنم لیا وہ اس قطعہ زمین پر واقع تھیں یا ہیں۔ جو ان دو خطوں کے بیچ میں واقع ہے۔ البتہ بحری اور بری آب و ہوا کے زیر اثر حرارت کی متجانس لکیروں میں عرض بلد کے لحاظ سے کچھ اوپر نیچے فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے مشرق کی جانب مشرقی روس میں یہ خطہ ۵۰ درجے عرض بلد تک نیچے آجاتا ہے۔ اور مغربی علاقوں میں جہاں برطانیہ اور ناروے واقع ہے۔ (چونکہ بحری رووں اور ہواؤں سے یہ علاقے سردی میں گرم رہتے ہیں) یہ خط ۵۰ درجے سے اوپر ہو کر ۶۵ عرض بلد تک پہنچتا ہے۔ شمالی امریکہ میں بھی اس خطے کو ۲۵ اور ۵۵ کے درمیان سمجھنا چاہیئے۔ (دیکھو نقشہ نمبر ۱۱)

جتنی تہذیبیں ابتدائے تاریخ سے اس عالم میں وجود میں آئیں وہ سب دنیا کے اس تمدنی خطے کے اندر واقع تھیں۔ مصری۔ بابلی۔ اشوری۔ ایرانی۔ ہندوستانی۔ چینی۔ یونانی۔ فنیشائی (ملک شام میں سمندر کے کنارے کنارے) صابی۔ رومی اور اروپائی۔ وغیرہ۔ آجکل دنیا کی تہذیبیں متعدد بہت زوروں پر ہے۔ اور دنیا کی بڑی قوموں میں اس کا شمار ہے۔ یہ بھی اسی خطے میں واقع ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب اسی خطے میں پیدا ہوئے۔ یہودیت۔ بدھ۔ عیسائیت اسلام۔ اسی خطے میں دنیا کی زبانوں کے تین سب سے مقتدر خاندانوں نے جنم لیا۔ اور عروج حاصل کیا۔ یعنی زبانوں کا حامی خاندان ساحی خاندان اور آریائی خاندان۔ یہ تمام امور آخر اتفاقی نہیں ہیں۔ ایک آدھ چیز تو شاید کہا جا سکے کہ اتفاق کی پیداوار ہے۔ مگر ان سب امور کا یکجا ہونا اور صدیوں سے انسانی دماغ کی بہترین کیفیتوں کا اسی خطے میں وجود میں آنا علت سے خالی نہیں اور یہ علت ہے اس جغرافی خطے کی خصوصیات۔ یہاں کا ماحول آب و ہوا وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام جاندار چیزیں اپنے ماحول کی پیداوار ہیں۔ کارخانۂ قدرت میں ارتقاء کا یہ سب سے بڑا اصول ہے۔ اگر تم آئندہ نسلوں کو بہتر کرنا چاہتے ہو تو اپنے وطن کا ماحول بہتر کرو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے دل میں آزادی کی تمنا ہو۔ تو ان کو ایسی تربیت دو کہ وہ غلامی کے ماحول میں رہنا موت سے بدتر سمجھیں۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ آئندہ نسلیں آزاد ہو جائیں تو ایسا ماحول پیدا کرو جس میں وہ عناصر موجود ہوں۔ جن کی امداد سے قومیں اپنے آپ کو آزاد رکھ سکتی ہیں۔

کرۂ ارض کے باقی ممالک میں انسان نے اس قدر ترقی نہیں کی جتنی کہ منطقۂ معتدلہ میں کی ہے۔ خط استوا پر جو ممالک واقع ہیں وہ بہت گرم ہیں۔ وہاں تو انسان ابھی تک بالکل وحشی کا وحشی ہے۔ جو ممالک منطقہ حارہ میں واقع ہیں۔ اور بارش کم ہے

یا مٹی خراب ہے۔ یعنی آب و ہوا مناسب نہیں وہاں بھی جاہلیت کا دور دورہ ہے۔ مرکزی اور جنوبی افریقہ۔ ملایا کے جزیرے نیوگنی۔ آسٹریلیا۔ امریکہ کے اصل باشندے۔ ایشیا میں جو ممالک خفیف حارہ منطقہ میں واقع ہیں۔ وہ بلند تمدن اور وحشیت کے درمیان ہیں۔ مثلاً ہند چینی۔ ہندوستان میں دکن۔ مرکزی عرب۔ تبت۔ منگولیا۔ سائبیریا۔ اور امریکہ کے علاقے جو اس منطقے میں واقع ہیں۔

انسان اپنی ہمت اور فراست سے فطرت کو تسخیر کرتا ہے

یہ قدرت کا انتظام ہے اور فطرت کی قوتوں نے انسان کو ان حالات میں زندگی گذارنے پر مجبور کیا ہے۔ اگر دنیا کا ایک نقشہ سولھویں صدی عیسوی کا بناؤ جس میں تمدنی خطے دکھائے گئے ہوں۔ تو یہ نقشہ اس کیفیت کے بالکل مطابق ہوگا جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ پلیسٹوسین زمانے سے لے کر سولھویں صدی تک انسان نے یہ ترقی کی تھی۔ مگر انسان بھی بڑا آفت کا پرکالہ ہے۔ انسان اپنی ذاتی قوتوں سے فطرت کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ اور فتح پاتا ہے۔ صحرا کو گلزار بنا دیتا ہے۔ دریاؤں سے نہریں نکالتا ہے پانی کے زور سے بجلی پیدا کرتا ہے۔ جہازمیں سمندر کا سینہ چیرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ کہیں سے جنگل کاٹتا ہے۔ کہیں باغ لگا دیتا ہے۔ غرض قدرت کے انتظام میں دخل دیتا ہے۔ اور اسے بدل ڈالتا ہے۔ اسے بدل کر اپنی منشا کے مطابق بنا لیتا ہے۔ سولھویں صدی کے بعد سے یورپ نے یہ کام شروع کیا۔ یورپ کی اقوام اپنے گھر سے نکلیں۔ دنیا کے ممالک کو زیرنگیں کیا۔ ان ممالک کی آب و ہوا اور ماحول کو اپنے لئے مناسب بنایا۔ اور جہاں ممکن ہو سکا وہاں آباد ہو گئے۔ گذشتہ چار سو سال تک یہی ہوتا رہا۔ اس لئے آج کی دنیا کا تمدنی نقشہ بدل گیا ہے۔ اگر ہندوستان دنیا کی زبردست قوموں کے مقابلے میں آزاد رہنا چاہتا ہے۔ تو اسے اپنے ملک کی آب و ہوا کو بہتر کرنا پڑے گا۔ اس کے وسائل کو ترقی دینی ہوگی۔ اور یہاں جو نسلیں آباد ہیں۔ ان میں تجدید کرنی ہوگی۔

مقالہ ۲۸

جدید اروپائی تمدن کا انحصار کون سے قدرتی عناصر پر ہے

اروپائی تمدن کی تعریف سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ جدید یورپ تمدن کی تعریف کسی طرح سے کرتا ہے۔ اسی کو وہ انسانی ترقی کا نام دیتا ہے۔ (۱) تعلیم (۲) مصنوعات (۳) اور عام سیاسی بیداری یہ تمدن کے اساسی عناصر ہیں۔ جس ملک میں تعلیم، مصنوعات اور سیاسی بیداری سے باشندوں کی زیادہ تعداد بہرہ ور ہو وہ زیادہ متمدن ہے۔ ان چیزوں پر تجارت اور ملکی فتوحات کا انحصار ہے۔

اروپائی تمدن کا انحصار آب و ہوائی قوت اور بدنی صحت پر ہے اب ہم یورپ کے تین نقشے بناتے ہیں (۱) آب و ہوائی قوت کی یورپ میں تقسیم (۲) صحت کی یورپ میں تقسیم (۳) تمدن کی یورپ میں تقسیم۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ تینوں نقشے ایک دوسرے سے غایت درجہ مشابہت رکھتے ہیں۔ اس حد تک کہ اگر ایک نقشے کو دوسرا عنوان دے دیا جائے تو کوئی اہم فرق نہیں پڑتا۔

(Huntington—Civilization and Climate. P. 292—295)

یعنی جہاں پر یہ فطری عناصر۔ آب و ہوا اور صحت بہتر ہے۔ وہیں تمدن اعلےٰ ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جدید اروپائی تمدن کا انحصار آب و ہوائی قوت اور بدنی صحت پر ہے۔ آب و ہوائی قوت کا اندازہ اس کام سے کیا جاتا ہے۔ جتنا کہ ایک فیکٹری کا مزدور دن بھر میں اس آب و ہوا میں کر سکتا ہے۔ یعنی کام کا مقابلہ مختلف مقاموں پر کیا جاتا ہے۔ جو مزدور نے دن بھر میں کیا۔ صحت کا حساب تعدادِ اموات کے اعداد و شمار سے کیا جاتا ہے۔ یہ اعداد و شمار سرکاری طور پر یورپ کا ہر ملک چھاپتا ہے ایک سال سے کم اور ۷۵ سال سے زیادہ عمر کے لوگ اس شمار میں شامل نہیں کئے گئے۔ تمدن اور ترقی سے باشندوں کی عمومی

صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ اور جو اباً صحت کا اچھا اثر ترقی پر ہوتا ہے۔ مگر تمدن یا صحت دونوں ہیں سے کسی کا اثر آب وہوا پر براہِ راست نہیں ہوتا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ آب وہوا صحت پر براہ راست شدید اثر رکھتی ہے۔ اور اس کا بے الواسطہ اور شاید کم شدید اثر دوسرے اسباب کی معرفت سے تمدن پر ہوتا ہے۔ مثلاً آب وہوا کا اثر زراعت پر ۔ اور زراعت کا اثر تمدن پر۔

اب اس روشنی میں ساری دنیا کا ملاحظہ کرو۔ یعنی دنیا کے اس طرح کے تین نقشے بنائے جائیں جیسے ہم نے یورپ کے بناتے ہیں۔ (۱) آب وہوائی قوت۔ (۲) تمدن (۳) صحت۔ تو ان تینوں نقشوں کی آپس میں قوی مشابہت ہے۔ ان میں اگر کہیں اختلاف ہے۔ تو اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔ سائبیریا۔ آب وہوا اس تمدن کے مقابلے میں بہتر ہے۔ جو وہاں اس وقت مروج ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سائبیریا بہت بڑا خاک کا خطہ ہے۔ جو باقی متمدن ملکوں سے بہت دور ہے۔ ہند چینی اور ہندوستان آب وہوا کے لحاظ سے پست ہیں۔ مگر تمدن کے لحاظ سے بلند ہیں۔ دیگر اسباب بھی ہوں گے۔ مگر ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اروپائی ممالک کے صحتمند لوگ وہاں بڑی تعداد میں ہر سال آتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کے باشندے اتنا عرصہ گرم آب وہوا میں رہنے کے سبب اس گرم آب وہوا سے مناسبت پیدا کر چکے ہیں۔ یہ حالات جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ اروپائی محققین نے اپنے نقطۂ نگاہ سے اپنے وطن کے لئے مرتب کئے ہیں۔ اگرچہ وہ صوفیصدی ہندوستان کے باشندوں کے لئے صحیح نہ ہوں مگر ان کا اثر انسانی جماعت پر صاف ظاہر ہے۔

آب ہوا کے علاوہ تمدن کی ترقی کے عناصر

آب وہوا کے علاوہ تمدن پر ان امور کا گہرا اثر پڑتا ہے اور یہ دنیا کے مختلف ممالک میں آب وہوا اور تمدن میں اختلاف ہونے کا اسباب ہیں۔ کسی ملک کا تمدن۔ دوسرے اعلیٰ تمدنوں سے وابستہ ہونے کے سبب بہتر ہو جاتا ہے بہتر نسل کے لوگ اس ملک میں آباد ہو جائیں۔ بہتر اور زیادہ مناسب طرز حکومت وہاں پر مروج ہو۔ مذہب کے طریق۔ سماج کی رسمیں یا چند بہت ہی ذہین افراد کی ذہنی قوت۔ وہ جوش اور ذہنی گرمی جو یہ فوق العادہ ہستیاں عوام میں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر ان امور میں سے ایک یا زیادہ اس وطن میں موجود ہوں تو اگرچہ آب وہوا اجازت نہ دے۔ وہاں کا تمدن اعلیٰ ترقی کر لیتا ہے۔ اعلیٰ حکومت اور اعلیٰ قانون اگرچہ

وہ کسی غیر ملکی حکمران قوم کا ہو، ملک کی تمدنی حالت کو بہتر کر دیتا ہے۔ لیکن پھر غور سے دیکھا جائے تو ان امور سے اس قوم کے افراد ہی متمتع ہوتے ہیں۔ اور جس حد تک ان میں جسمانی اور دماغی قوت ہوتی ہے۔ وہ صرف اسی حد تک ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

فوق العادہ ذہین انسان کا وجود تین باتوں پر منحصر ہے۔

(۱) دل ودماغ کی خوبیاں جو اسے وراثت میں ملیں۔

(۲) تربیت اور نشوونما کے مواقع جو اُسے میسر آئیں۔ ان میں تعلیم جماعت کا تمدن۔ اتنے ہی اہم ہیں جتنا یہ ضروری ہے کہ اس شخص کو اپنی مخصوص ذہانت کے اظہار کرنے کے لئے جماعت کتنی آسائش بہم پہنچاتی ہے۔

(۳) قوت جو یہ فرد بر سر کار لا سکتا ہے۔ وہ قوت جس کا تعلق وراثت یا تربیت یا مواقع سے نہ ہو بلکہ اس فرد کی ذات سے ہو۔ وہ کس درجہ محنتی ہے۔ سخت جان اور سخت کوش ہے۔ اس میں آب وہوا کو بڑا دخل ہے۔

تو ہم آخر کار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صرف آب وہوا ہی ایک عنصر نہیں ہے جس پر تمدن اور تہذیب کا سارا انحصار ہے۔ آب وہوا سب سے اہم عنصر بھی نہیں ہے۔ دور جدید میں تمدن کے مرکز وہ علاقے ہیں جہاں کی آب وہوا اعصاب میں ہیجان اور جوش پیدا کرتی ہے۔ ایسے مرکزوں سے اعلیٰ تمدن دوسرے علاقوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہاں جا کر یہ پھلتا پھولتا اور نئے خیالات اور ایجادات کے اضافے سے بلند ترین مراتب کو پہنچتا ہے۔ یا نہیں! یہ بات نئے مقام کی آب وہوا پر منحصر ہے۔ آیا یہ آب وہوا اعصاب میں جوش پیدا کرتی ہے یا نہیں۔ ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ انسان اس آب وہوا میں کیا محسوس کرتا ہے۔ خوش یا رنجیدہ۔ طبیعت میں سرور رہتا ہے یا پژمردگی۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دو علاقوں کا عرض بلد ایک ہے۔ اور حرارت تقریباً ایک جیسی رہتی ہے۔ مگر ان دونوں علاقوں کا تمدن بہت مختلف ہے۔ روز بروز کا حرارت میں تفاوت بہت اثر رکھتا ہے۔ اور یہ دونوں مقاموں کا مختلف ہوتا ہے۔

مقالہ ۲۹

قومی دولت کہاں سے آتی ہے

قومی دولت کی تعریف

انسان کو اس دنیا میں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کی ضرورت حیات کو قائم رکھنے کے لیئے۔ خوراک۔ لباس۔ مکان، بعض انسانی زندگی کے ضروری شعبوں کے لئے۔ تعلیم (کتابیں، کرسیاں، قلم وغیرہ)۔ طب (دوائیاں، سرجری کے ہتھیار) موٹریں۔ انجن۔ ہوائی جہاز مشینیں وغیرہ۔ بعض عسکری ضروریات کیلیئے۔ توپ بندوق۔ گولے۔ ان میں سے بہت ضروری چیزیں کارخانوں میں بنتی ہیں ان کو "مصنوعات" کہتے ہیں۔ مصنوعات کو ماہری کاریگر مزدور بناتے ہیں۔ اور یہ دھاتوں سے بنتی ہیں۔ وہ مشینیں جو مصنوعات بناتی ہیں، قوت سے چلتی ہیں۔ اور یہ قوت۔ کوئلہ۔ پٹرول یا آبی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ دھاتیں زمین سے نکلتی ہیں جن ملکوں میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں وہ دوسرے ملکوں سے ان کو خرید لیتے ہیں۔ اور ان کے عوض میں انہیں طلا ادا کرنا پڑتا ہے بعض امیر ملکوں نے اپنا روپیہ دوسرے ملکوں میں لگایا ہوا ہے۔ یعنی ان کا ساہوکارہ چلتا ہے۔ یا تو اس روپے پر سود ملتا ہے۔ یا دست نگر ممالک میں ان کے کارخانے چلتے ہیں۔ ریلیں چلتی ہیں۔ اور ان کی آمدنی امیر ملک وصول کرتے رہتے ہیں۔ بعض ایسے ممالک ہیں جن کے پاس سمندری جہاز ہیں۔ اور وہ تجارت کا مال ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتے ہیں۔ خود نہیں خریدتے۔ بلکہ تجارت کرتے ہیں۔ یعنی ایک ملک سے مال خرید کر دوسرے میں لے جاکر بیچتے ہیں اس میں فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ غرض یہ سب آمدنی کے ذرائع ہیں جن سے انسان دولت حاصل کرتا ہے۔ ان تمام کو یکجا شمار کرکے ملک کی قومی دولت کہتے ہیں۔ کسی ملک کی قدرتی پیداوار (نباتاتی اور معدنی)۔ قوت پیدا کرنے کے عناصر (کوئلہ۔ پٹرول۔ آبی طاقت) ساہوکارے میں لگایا ہوا روپیہ تجارت سے حاصل کردہ آمدنی، مصنوعات سے مالی فائدہ۔ اعلیٰ کاریگروں کی تعداد۔ اور آدمیوں کی آبادی میں اضافہ غرض وہ تمام ذرائع جو انسانی حاجات کو پورا کرتے ہیں، قومی دولت کہلاتے ہیں۔ اگر کسی ملک کی قومی دولت زیادہ ہے۔ تو وہ ملک امیر ہوتا ہے۔

اوراس کے رہنے والے آسائش سے زندگی گزارتے ہیں۔ اگر کوئی ملک غریب ہوتا ہے۔ تو اس کے باشندے۔ ننگے بھوکے نہ کھانے کو روٹی۔ نہ تمدن کی اشیاء میسر۔

اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ کل دنیا کی قومی دولت ۱۹۰,۰۰۰ ملیون پونڈ کے برابر ہے۔ اس میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا حصہ ۳۳ فیصدی۔ برٹش ایمپائر ۱۶ فیصدی۔ (جس میں سے برطانیہ ۸۔ ہندوستان ۳۔ کینیڈا ۲ فیصدی ہے) سوویٹ روس ۸ فیصدی۔ جرمنی ۷ فیصدی۔ فرانس ۶ فیصدی چین ۴ فیصدی۔ جاپان ۲ فیصدی۔ بلجیم۔ سپین۔ اٹلی۔ ہر ایک کا حصہ ۲ فیصدی اس طرح سے ان دس ممالک میں ساری دنیا کی قومی دولت کا چارٹیا پانچ (۴/۵) ذخیرہ کی صورت میں موجود ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قومی دولت میں امریکہ کی ریاستہائے متحدہ کا حصہ دنیا کا ایک ٹیا تین ہے۔ شمار کے لحاظ سے یہ فیصدی حصہ سارے ملک کا ہے۔ اگر اس ملک کی آبادی بہت ہے۔ یعنی کل نفوس (جیسے ہندوستان) تو فی کس قومی آمدنی یا قومی دولت گھٹ جاتی ہے اگر نفوس کم ہیں۔ اور حصہ زیادہ تو بڑھ جاتی ہے۔

اب ہم قومی دولت کے عناصر کا باری باری ذکر کرتے ہیں۔ خوراک اور پوشش سب سے ضروری ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اسی کو بحث میں لایا جاتا ہے۔

دنیا کی خوراک اور پوشش

۱۹۳۷ء تک دنیا کے حقائق کے متعلق جتنے اعداد و شمار یا تخمینے شائع ہوئے ان کے مطابق تمام دنیا کی آبادی تقریباً ۲۰۹۵ ملیون تھی۔ زمین کی سطح کا رقبہ تقریباً ۵۶۶۵ ملیون مربع میل تھا۔ ان کو مختلف قوموں نے بانٹا ہوا تھا۔ ہم یہاں ۱۹۳۷ کے حقائق درج کرتے ہیں۔

بعض ممالک ایسے بھی ہیں جو فیصدی کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں۔ اور ان کو یہاں درج نہیں کیا گیا۔ اس لئے کل میزان ۱۰۰ نہیں بنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا کا رقبہ یا آبادی یا گندم کی پیداوار ۱۰۰ فرض کر لی جائے تو ہر ملک اس ۱۰۰ میں سے کتنی مقدار رکھتا ہے۔ یا پیدا کرتا ہے۔ جن ممالک کی مقدار ایک سے کم ہے ان کے سامنے لکیر کھینچ دی گئی ہے۔

جدول نمبر ۱۱

سنہ ۱۹۳۷

کل دنیا کی خوراک اور پوشش کی اشیا کا فیصدی موازنہ

سالانہ پیداوار

ملک	دنیا کا فیصدی		دنیا کا فیصدی غلہ			دنیا کی فیصدی حیوانی پیداوار				دنیا کی فیصدی پوشش پیداوار	
	رقبہ	آبادی	گندم	رائی	چاول	مویشی	سور	بھیڑ بکریاں	سمندری مچھلیاں	روئی	کتان
برٹش ایمپائر ۔ کلمیزان	۳۳	۲۵	۱۸	-	۴۴	۳۸	۵	۴۳	۱۸	۳۴	
اس کلمیزان میں بڑے بڑے سٹریک ملکوں کا حصّہ											
جزائر برطانیہ	-	۲	-	-	-	-	۲	۳	۷	-	-
کنیڈا	۶	-	۶	-	-	-	-	-	۳	-	-
آسٹریلیا	۱۱	-	۳	-	-	۲	-	۱۵	-	-	-
نیوزی لینڈ	۲	-	-	-	-	-	-	۴	-	-	-
یونین جنوبی افریقہ	-	-	-	-	-	-	-	۶	-	-	-
ہندوستان	۲	۱۸	۹	- -	۳۴	۳۰	-	.۵	۷	۳۱	-
یوگنڈا	-	-	-	-	-	-	-	-	-	۲	-
فرانسیسی ایمپائر	۸	۵	۶	۲	۹	۴	۲	۳	۲	-	-
ریاستہائے متحدہ ایمپائر	۷	۷	۱۳	۴	۳	۱۱	۱۶	۷	۱۰	۳۴	-
اطالیہ ایمپائر	۳	۲	۳	-	-	-	-	-	-	-	-
جاپانی ایمپائر	۲	۷	-	-	۷	-	-	-	۳۷	-	-
روس متحدہ ریاستیں	۱۴	۸	۲۳	۵۵	-	۷	۸	۷	۹	۶	۸۱
جرمنی	-	۳	-	۱۱	-	۳	۸	-	-	-	-
برازیل	۶	۲	-	-	-	۷	۸	-	-	۶	-
چین	۵	۱۹	۱۳	-	۲۵	۳	۳۱	۳	۴	۱۱	-
مصر	-	-	-	-	-	-	-	-	-	۲	-
پولینڈ	-	۲	-	۱۴	-	۲	-	-	-	-	۵
سپین	-	-	۳	-	-	-	۲	۳	۲	-	-

کسی ملک کے سامنے جس خانے میں چھوٹی لکیر (-) کھینچی ہو۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ مقدار بہت کم ہے۔ ایک فیصدی سے نیچے۔

دنیا کی مصنوعاتی قوت اور خام اجناس

قوت جو جدید کارخانوں کو چلاتی ہے. وہ ہے (۱) کوئلہ (۲) پٹرولیم (۳) پانی کی قوت + دھات کے کارخانوں اور کیمیائی کارخانوں کو چلانے کے لئے سب سے ضروری چیزیں لوہا. تانبا. چوب اور ربڑ ہیں.

جدول نمبر ۱۲ کی تشریح حسب ذیل ہے.

مندرجہ ذیل جدول میں فیصدی نسبت دکھائی گئی ہے. ایک جنس کی جتنی کل مقدار دنیا میں موجود ہے. اس کو ۱۰۰ مانا گیا ہے. اس سو میں سے جتنی جتنی مقدار اس جنس کی (زمین کے اندر کانوں میں) کسی ملک میں موجود ہے. وہ لکھ دی گئی ہے. (یہ سالانہ پیداوار نہیں بلکہ کل مقدار ہے جو اس خطۂ زمین میں کہیں موجود ہے.

کالم ۱ اور ۲ (یعنی دنیا کا فیصدی رقبہ اور آبادی) کی تشریح پہلے جدول میں کر دی گئی ہے کالم A، اور کالم B کی تشریح کر دیجاتی ہے. کالم A - آبادی میں اضافہ کل دنیا کی آبادی کا فیصدی. مردم شماری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سال ۱۹۲۷ سے دس پندرہ سال پہلے کے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں. کہ اوسطاً ہر سال دنیا کی آبادی میں ۲۳۷ لاکھ نفوس کا اضافہ ہوتا ہے. اس سالانہ اضافے کو ۱۰۰ فرض کر لیا جائے تو حساب لگایا گیا ہے. کہ ملک ملک میں کتنا اضافہ ہوا. یعنی ساری دنیا کی آبادی میں فیصدی اضافہ A میں درج کیا گیا ہے. کالم B میں ملک وار حساب کیا گیا ہے. ایک سال میں فی ہزار نفوس کے لئے اموات کی نسبت پیدائش کی تعداد کتنی زیادہ ہوتی ہیں. یعنی کسی ملک کی آبادی میں ایک سال میں ایک ہزار افراد کے گروہ میں کتنے افراد کا اضافہ ہوتا ہے.

یہ ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم کی فتوحات اور حکومت توپوں اور ہوائی جہازوں پر منحصر ہے. مگر ان توپوں کے پیچھے انسان کام کرتا ہے. اسلئے کسی قوم کی ترقی آخر کار اس عنصر پر مبنی ہے. کہ اس قوم کے افراد تعداد. بدنی اور دماغی کیفیت کے لحاظ سے دوسری قوموں سے کس درجہ افضل ہیں. افراد کی تعداد میں اضافہ کا حساب تو ہم اس جدول میں درج کرتے ہیں. ان کی دماغی خوبیوں کا تذکرہ آئندہ مقالوں میں کریں گے.

جدول نمبر ۱۲ دنیا کے ممالک کی آبادی، مصنوعاتی قوت اور ضروری خام اجناس کا آپس میں فیصدی مقابلہ

ملک	دنیا کا فیصدی		آبادی میں اضافہ		مصنوعاتی قوت کل دنیا کا فیصدی ذخیرہ			ضروری خام جنس کل دنیا کا فی صدی ذخیرہ			
	رقبہ	آبادی	A کل دنیا کی آبادی کا فیصدی	B فی ہزار نفوس سالانہ	کوئلہ	پٹرولیم	آبی قوت	لوہا	تانبا	چوب	ربڑ
برٹش ایمپائر۔ کلمیزان	۳۳	۲۵		ان اعداد کے	۲۳	-	۱۶	۱۵	۲۶	۱۱	۵۴
اس کلمیزان میں بعض شریک ملکوں کا حصہ				درمیان							
برطانیہ	-	۲	×	۱ - ۶				۴			
کنیڈا	۶	-	×	۱۱ - ۱۶	۱۹	-	۳	-	۴	۷	-
آسٹریلیا	۱۱	-	×	۶ - ۱۶	-	-	۳	-	-	-	-
ہندوستان	۲	۱۸	۱۴	۶ - ۱۱	-	-	۵	۵	-	۲	۴
نیوزی لینڈ	-	-	×	×	-	-	-	۵	-	-	-
برٹش ملایا	-	-	×	۱۶ سے زائد	-	-	-	-	-	-	۳۴
سیلون	-	-	×	۱۶	-	-	-	-	-	-	۷
نائیجیریا	-	-	×	۱۶	-	-	۲	-	-	-	-
شمالی روڈیشیا	-	-	×	۱۶ سے زائد	-	-	-	-	۲۴	-	-
فرانسیسی ایمپائر	۸	۵	۷	فرانس ۶ سے کم	-	-	۱۴	۷	-	۲	۳
ریاستہائے متحدہ ایمپائر	۷	۷	۶	ریاستہائے متحدہ ۶ - ۱۱	۵۱	۴۳	۱۰	۱۱	۲	۸	-
اطالوی ایمپائر	۳	۲	۷	اٹلی ۶ - ۱۱	-	-	۲	-	-	-	-
جاپانی ایمپائر	۲	۷	۴	جاپان ۱۱ - ۱۶	-	-	۲	-	-	۲	-
روس۔ متحدہ	۱۴	۸	۱۲	روس شاید ۱۶ سے زائد	۱۰	۲۳	۱۱	۳۶	۱۵	۲۷	-
جرمنی	-	۳	۲	۶ - ۱۱	۲	-	-	۲	-	-	-
بلجین ایمپائر	۲	-	۷	بلجیم ۶	-	-	۱۶	-	۵	-	-
ڈچ ایمپائر	-	۴	×	ہالینڈ ۱۱	-	۴	-	-	-	۴	۱۴
برازیل	۶	۲	۳	۱۶ سے زائد	-	-	۹	۱۰	-	۱۲	-
چلی	-	-	×	۶ - ۱۱	-	-	-	-	۲۹	-	-
چین	۵	۱۹	۱۶	۶ - ۱۱	۹	-	۳	-	-	۲	-
ایران	-	-	×	×	-	۸	-	-	-	-	-
عراق	-	-	×	۱ سے کم	-	۹	-	-	-	-	-
سویڈن	-	-	×	۱ - ۶	-	-	۳	۳	-	-	-

خوراک کی چیزوں میں ہم نے صرف گندم۔ روئی اور چاول کا موازنہ پیش کیا ہے۔ چونکہ متمدن یا نیم متمدن ممالک میں یہی اجناس خوراک کیلئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ضروری خوراکی چیزیں۔ مکھن۔ چینی۔ کافی۔ کوکا۔ چائے۔ تمباکو۔ ہیں۔ پوشش کیلئے روئی اور کتان کے علاوہ۔ اون۔ ریشم۔ نقلی ریشم۔ سن۔ سن ککڑ استعمال ہوتے ہیں۔ ہم نے صرف چار ضروری خام اجناس کا ذکر کیا ہے۔ یعنی لوہا۔ تانبا۔ چوب۔ ربڑ۔ ان کے علاوہ ضروری خام اجناس یہ ہیں۔ روغنی پھل اور تخم (السی۔ کھوپرا۔ سویابین۔ مونگ پھلی۔ بنولہ زیتون۔ سرسوں۔ تل) دھاتوں میں بعض ضروری یہ ہیں۔ مینگنیز۔ نکل۔ کردم۔ ٹنگسٹن۔ کوبالٹ۔ سیسہ۔ جست۔ قلعی۔ الومینیم پارہ۔ کیڈمیم۔ سرمہ۔ سونا۔ چاندی۔ پلاٹینم۔ ان کے علاوہ الماس۔ ان میں سے کسی کا حساب بھی ہم نے جدول میں نہیں کیا۔ چوب کے علاوہ کاغذ (جو لکڑی کے برادے سے بنتا ہے) کوک اور گندھک بہت ضروری ہیں۔

قومی دولت کا اندازہ کرتے وقت ان تمام اجناس کو حساب میں لانا ضروری ہے۔ مگر یہاں ایک تو ان کے لئے جگہ نہ تھی اور دوسرے قصہ طویل ہو جاتا۔ پھر یہ بھی کہ دماغ میں الجھن سی پیدا ہو جاتی۔ ہماری غرض تو حقائق کو پیش کرنا ہے اس مدعا سے کہ عام آدمی میں ان تمام حقائق پر توجہ دینے کی عادت پیدا ہو۔ اور وہ خود سوچ سکے کہ اگر میں نے اپنے وطن کی دولت بڑھانی ہو تو مجھے کون سے ذرائع اختیار کرنے چاہیں۔ اور پیش نظر مضمون پر بحث کرنے کے لئے یہ جدول کافی ہیں۔ اگر زیادہ تفصیلات کی ضرورت ہو تو مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا جائے۔

Statistical Year Book of thc League of Nations Geneva.

Statesmen's Year Book, London — Almanack-de-Gotha, Gotha.

The World Almanac, New York. — Whitakers Almanack, London

Political handbook of the world New York.

Hübner's Geographisch—Statistische Tabellon Aller Länder, Wien — Statistisches. Jahrbuch für das Deutsches Reich, Berlin — Annuaire Statistique Paris

Statistical Year Book and official hand books of different countries

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تفصیلات پر بسیط نگاہ رکھ کر گہری فکر کے بعد ہمہ گیر نتائج نکالنا یہ اس فن کے ماہر کا کام ہے۔

اقتصادی طاقت اور فوجی طاقت

یہ تو تھی قدرتی پیداوار۔ خواہ وہ آبادی میں اضافہ ہو۔ نباتاتی پیداوار ہو۔ حیواناتی پیداوار ہو۔ یا معدنی پیداوار ہو۔ مگر ذہین اور دور اندیش ممالک نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اُنہوں نے مصنوعات۔ تجارت اور ساہوکارے سے اپنی آمدنی بڑھالی ہے۔ مثلاً ایک ریڈیو یا موٹر کی تمام خام جنس (لوہا۔ تانبا۔ لکڑی وغیرہ) کی قیمت شمار کی جائے جو اس کی تعمیر کیلئے صرف ہوتی ہے۔ تو موٹر کی قیمت کا شاید پچاسواں حصہ بھی نہ ہو مگر اس خام جنس کو موٹر کی شکل میں تبدیل کر کے اسے ایک کارآمد آلہ بنادیا ہے جس کا گاہک بازار میں موجود ہے۔ اور وہ بہت اچھے داموں پر بک جاتی ہے۔ اس طرح سے خام جنس اور قابل فروخت مصنوعاتی پیداوار کے درمیان عقل استعمال کرنے سے معقول دولت جمع کیجاسکتی ہے۔ ریڈیو کے علاوہ سینکڑوں مصنوعات ہیں۔ زراعت کی نسبت ان مصنوعات کی آمدنی بہت زیادہ ہے۔ مصنوعات کے ساتھ تجارت بڑے فائدے کی چیز ہے۔ ایک ملک کا مال دوسرے کو پہنچا دیا اور من مانی قیمت وصول کر لی۔ اس کے علاوہ ساہوکارہ ہے۔ دوسرے ممالک کو قرض دینا۔ دوسرے ممالک میں جاکر کارخانے کھولے ان سے آمدنی ہوئی۔ دوسرے ممالک کی کمپنیوں میں حصے رکھے۔ مثلاً تیل کے چشموں اور کانوں میں۔ گھر بیٹھے لاکھوں روپے آگئے۔ یہ سب اقتصادی طاقت کے عنصر ہیں۔ اور ان کا اثر قومی آمدنی پر پڑتا ہے۔ موٹر کاریں ایک تو بیچی جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ تجارت کا مال ایک مقام سے دوسرے مقام تک جلد پہنچا دیتی ہیں۔

اب آپ کہتے ہوں گے کہ اقتصادی طاقت کے ساتھ فوجی طاقت کی ضرورت کیا ہے۔ بحری بیڑہ تو مال کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اور سمندری شاہراہوں کی حفاظت کرتا ہے۔ فوجی طاقت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ فوج وہ ہے جو جدید ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ نہیں تو صرف تعداد تو بھیڑوں کے گلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ فوجی طاقت کے زور سے حاکم قومیں ایسے قانون بناکر جاری کرتی ہیں۔ کہ محکوم ملک صرف ان سے مال خریدیں۔ اور ایک خاص شرح پر خریدیں۔ اسی طرح سے کچا مال ان کو دیں۔ اور مقررہ قیمت پر دیں جتنا روپیہ کسی دوسرے ملک میں کارخانوں پر لگا ہوتا ہے۔ اس مالیت کی حفاظت بھی فوج کرتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرا ملک سود۔ یا منافع ادا ہی نہ کرے۔ اس طرح سے اقتصادی ذرائع پر قابو رکھنے کے لئے فوجی قوت کا ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس دنیا کے تنازعات کا آخری فیصلہ تلوار کرتی ہے۔ اور پھر ہارا ہوا سچا بھی ہو تو بھی جھوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ کمزور کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ کمزور ہے۔ اگر کوئی قوم دماغی۔ مذہبی اقتصادی۔ یا علمی ترقی کرنا چاہتی ہے تو ضروری ہے۔ کہ سیاسی طاقت اس کے ہاتھ میں ہو تاکہ جس طرح سے چاہے وہ قانون بنا سکے۔ اور ان

پر عمل پیرا ہو۔ اگر غیر ملکی قوت حکمران ہے تو پہلے یہ غیر ملکی قوت اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے گی۔ یہ اس کے نکتۂ نگاہ سے بہت جائز بات ہے۔ حاکم ملت اپنے لئے مقید قانون بنا کر محکوم ملت پر رائج کرے گی۔

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی فوجی اور اقتصادی طاقت کا مقابلہ

ذیل میں ایک جدول (نمبر ۱۴) درج کیا جاتا ہے۔ جس میں دنیا کے ممالک کی فوجی اور اقتصادی طاقت کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس میں چھ کالم ہیں۔ ہم باری باری ہر کالم کی تشریح کر دیتے ہیں تاکہ ان کا مفہوم سمجھ میں آجائے (جدول صفحہ ۳۲۸)

کالم (۱) فوجی طاقت۔ یہ ۱۹۳۷ کے اعداد ہیں۔ اقتصادی اور سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے مختلف اقوام نے اپنی بحری اور بری فوج میں اضافہ شروع کیا۔ ہوائی فوج کے اعداد کا کچھ صحیح علم نہیں۔ اس جدول میں صرف وہی ممالک درج کئے گئے ہیں جنکی فوج کا شمار ۵۰ ہزار جوان سے زیادہ ہے۔ مگر ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے۔ کہ سپاہیوں کی صرف تعداد فوج نہیں بناتی۔ بلکہ جدید اسلحجات اس میں بڑا ضروری عنصر ہیں۔ چین اور افغانستان کی فوج تعداد میں زیادہ ہو مگر چونکہ جدید ہتھیار نہیں رکھتی اس لئے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دنیا کی سب سے بڑی اور جدید ہتھیاروں سے مسلح فوج یورپ میں رہتی ہے۔ اور ان طاقتوں کے پاس ہے۔ سویٹ روس۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی

(ب) بحری بیڑہ۔ جن ملکوں کا سارے بحری بیڑے کا وزن ۵۰ ہزار ٹن سے کم ہے۔ وہ اس جدول میں شامل نہیں کئے گئے۔ جو جہاز ابھی زیر تعمیر ہیں۔ ان کو حساب میں شمار نہیں کیا گیا۔ دنیا کی سب سے بڑی سمندری طاقتیں یہ ہیں۔ برٹش ایمپائر۔ امریکہ کی ریاستہائے متحدہ اور جاپان۔ برطانیہ کا قبضہ بحر اوقیانوس پر ہے۔ امریکہ اور جاپان بحر الکاہل کے مشترک ٹھیکیدار ہیں۔

کالم (۲) مصنوعات۔ ۱۹۲۹۔ انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب نے ان ملکوں کا سماجی نظام بدل دیا جہاں کارخانے جاری ہوئے۔ مشینوں کی ایجاد سے صنعت و حرفت کے طریقے بدل گئے۔ برطانیہ۔ جرمنی۔ بلجیم اور سوئٹزرلینڈ میں صنعت نے سب سے زیادہ ترقی کی ان ممالک میں آبادی کا ۴۰ فیصدی سے زیادہ کارخانوں میں کام کرتا ہے اور صنعت سے اپنی روزی کماتا ہے۔ صنعتی ممالک کا ایک دوسرا گروپ ہے۔ جہاں ۲۵ اور ۴۰ فیصدی کے درمیان آبادی کے افراد صنعت میں مصروف ہیں۔ مگر ان ممالک میں زراعت بھی کافی ترقی پر ہے۔ اس لئے اگر ان ممالک کو "صنعت۔ زراعتی" ملک کہہ دیا جائے۔ تو صحیح ہوگا۔ اس گروپ میں یہ ممالک شامل ہیں۔ ریاستہائے

متحدہ امریکہ۔ اور کینیڈا۔ فرانس۔ اٹلی۔ ہالینڈ۔ آسٹریا۔ زکوسلوکیا۔ سویڈن۔ ناروے۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ اور سوویٹ روس۔

یہ ثابت ہوا ہے کہ صنعتی ترقی کے بغیر کوئی ملک اقتصادی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور ملک کی اقتصادی حالت پر اس کی سماجی اور تمدنی ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لئے دورِ جدید میں تمام سمجھدار ممالک نے صنعت میں ترقی کرنا ضروری سمجھا۔ اور اب یہ اپنی پوری کوشش سے 'مصنوعات کبیرہ' کے کارخانے بنا کرنے میں مصروف ہیں۔ اس گرُپ میں ڈنمارک، فن لینڈ۔ پولینڈ۔ ہنگری۔ یونان۔ سپین۔ آزاد آئرلینڈ۔ جاپان۔ یونین جنوبی افریقہ اور چلی۔ شامل ہیں۔ باقی دنیا کے تمام ممالک جو دوسروں کے محکوم ہیں۔ یا تمدنی طور پر ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ وہ کاملاً زراعتی ممالک ہیں۔

تمام دنیا میں جتنے نفوس کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۰۰ ملیون ہے۔ ان میں سے ۵۲ ملیون یورپ میں ہیں۔ اس ۵۲ ملیون میں سوویٹ روس کے کارخانداروں کی تعداد شامل نہیں۔ سوویٹ روس میں ۹ ملیون کارخاندار ہیں۔ اور شمالی امریکہ میں ۱۸ ملیون۔

ان اعداد سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ صنعت اور تمدن۔ صنعت اور تجارت۔ صنعت اور فتوحات کا کتنا گہرا تعلق ہے اس کا مفصل تذکرہ ہم ایک الگ مقالے میں کریں گے۔

کالم (۳) موٹر کاریں۔ (۱۹۳۵) موٹر کاریں نقل و حرکت کے لئے مستعمل ہیں۔ اور عوام کی روزمرہ کی زندگی میں ان کو بڑا دخل ہے۔ جنگ کیلئے تو موٹر ایک نہایت ضروری ہتھیار ہے۔ موٹریں۔ توپیں کھینچنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ گھوڑوں خچروں کا رواج جا رہا ہے۔ سامان رسد اور سامانِ جنگ لیجانے کیلئے سپاہیوں کو پہنچانے کے لئے ہوائی جہازوں میں بھی موٹر کا انجن ہی لگتا ہے۔ اسلئے کسی ملک کے لئے موٹریں بنانا اور ان کا رکھنا بہت ضروری ہے۔ جدول کے کالم (۳) سے یہ ظاہر ہے کہ کون کون سا ملک موٹریں بناتا ہے۔ دنیا میں جتنی موٹریں کارخانوں میں بنتی ہیں۔ ان کا ۷۸ فیصدی ریاستہائے متحدہ میں بنتا ہے۔ آپ کو راز کی بات یہ بھی بتادوں کہ برطانیہ فرانس اور جرمنی میں جتنی موٹریں بنتی ہیں۔ یعنی اعداد و شمار کے کاغذوں میں جتنی تعداد درج ہے۔ اس تعداد کا بڑا حصہ ریاستہائے متحدہ کے دو بڑے کارخانوں فورڈ اور جنرل موٹرز میں سے بن کر آتا ہے۔ ان کے پرزے امریکہ سے بن کر آتے ہیں۔ انجن

بن کر آتے ہیں۔ یا ان امریکی کارخانوں نے اپنی شاخیں یورپ میں کھول رکھی ہیں۔ اور وہ پرزے۔ انجن اور موٹروں کے دیگر حصے بنا بنا کر برطانیہ فرانس اور جرمنی کو دیتی رہتی ہیں۔ ان یورپی ممالک کے کارخانے اپنی موٹروں میں ان پرزوں انجنوں کو استعمال کر لیتے ہیں۔ سوویٹ روس اپنے سیاسی نظام کے لحاظ سے سب ممالک سے نرالا ہے۔ روس نے ایک قومی موٹریں بنانے کی صنعت کی بنا رکھی ہے۔ اور اس کو بہت فروغ ہوگا۔

بعض ممالک موٹریں تیار نہیں کرتے مگر اپنے استعمال کے لئے موٹریں دوسرے ملکوں سے خرید لیتے ہیں۔ یہ تعداد بھی قابل غور ہے۔

جدول نمبر ۱۳ ۔ موٹروں کی تعداد جو مختلف ممالک کے قبضے میں تھی (۱۹۳۵) ہزاروں میں

ملک	تعداد	ملک	تعداد	ملک	تعداد
یو ایس امریکہ	۲۶۲۲۱ ہزار	آسٹریلیا	۶۳۲ ہزار	سویڈن	۱۵۹ ہزار
فرانس	۲۰۶۵ ہزار	اٹلی	۳۹۷ ہزار	برازیل	۱۴۰ ہزار
برطانیہ	۲۰۴۳ ہزار	یونین جنوبی افریقہ	۲۴۲ ہزار	جاپان	۱۳۳ ہزار
جرمنی	۱۲۳۲ ہزار	سپین	۱۹۴ ہزار	ہندوستان	۱۰۵ ہزار
کنیڈا	۱۱۶۳ ہزار	سوویٹ روس	۱۸۰ ہزار	سوئٹزرلینڈ	۹۰ ہزار

کالم (۴) تجارت - (۱۹۳۵) ایک قوم مال تجارت کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتی ہے۔ اور اس تجارت سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ یہ مال تجارت وہ مصنوعات بھی ہو سکتی ہیں۔ جو تاجر قوم اپنے وطن میں پیدا کرے۔ وہ مصنوعات بھی جو دوسرے ممالک میں پیدا ہوں۔ اور خام اجناس بھی جو کہیں کرۂ ارض پر پیدا ہوں

یہ بات قابل توجہ ہے کہ دنیا کے جو ممالک مصنوعات میں سب سے آگے ہیں۔

جدول نمبر ۱۴ - دنیا کے ممالک کی فوجی اور اقتصادی طاقت کا مقابلہ

ملک	(۱) فوجی طاقت ۱۹۳۷		(۲) مصنوعات ۱۹۲۹	(۳) موٹر کاریں ۱۹۳۵	(۴) تجارت ۱۹۳۵	(۵) ساہوکارہ ۱۹۱۴ سے	(۶) قومی آمدنی ۱۹۲۹
	فوج تعداد ۱۰۰۰ x	بحری بیڑے کا وزن ٹن x ۱۰۰۰	آبادی کا فیصدی جو کارخانوں میں کام کرتا ہے	سالانہ پیداوار ۱۰۰۰ x	سالانہ غیر ملکی ملیون پونڈ	قرض دہندہ ملک ملیون پونڈ	سالانہ فی کس پونڈ طلائی
برطانیہ	۴۳۵	برٹش ایمپائر ۱۱۱۶	۴۰ فیصدی سے زائد	۴۱۷	۱۱۰۰	۳۷۰۰	۵۶
کنیڈا	x	x	۲۵-۴۰ فیصدی کے درمیان	۱۷۳	۲۴۸	۲۰۰	۹۱
آسٹریلیا	x	x	۲۵-۴۰ ″	—	۱۶۳	—	۷۲
یونین جنوبی افریقہ	x	x	۱۰-۲۵ ″	—	۹۹	—	۱۴
ہندوستان	x	x	۱۰ سے کم	—	۲۱۵	—	—
فرانس	۶۰۰	۵۰۲	۲۵-۴۰ فیصدی	۱۶۶	۴۷۸	۷۳۰	۳۶
ریاستہائے متحدہ	۱۶۹	۱۰۷۲	۲۵-۴۰ ″	۴۰۰۹	۸۴۵	۲۶۰۰	۱۱۳
اٹلی	۱۱۱۲	۴۱۷	۲۵-۴۰ ″	x	۲۱۳	—	۲۱
جاپان	۴۴۷	۸۴۱	۱۰-۲۵ ″	x	۳۶۹	۲۰۰	۱۳
سویٹ روس	۱۳۰۰	۲۴۰	۲۵-۴۰ ″	۹۷	۱۰۵	—	۳۶
جرمنی	۸۰۰	۱۷۸	۴۰ فیصدی سے زائد	۲۴۵	۶۷۴	۲۳۰	۳۹
برازیل	۹۳	۵۴	۱۰ سے کم فیصدی	—	۹۹	—	—
ارجنٹائن	x	۱۰۱	۱۰ ″ ″	—	۱۶۹	—	۶۶
چلی	x	۷۰	۱۰-۲۵ ″	—	x	—	—
چین	۱۷۵۰	—	۱۰ سے کم	—	۱۰۸	—	—
سویڈن	x	۸۵	۲۵-۴۰ فیصدی	—	۱۳۹	۱۰۰	۴۰
سپین	x	۱۳۳	۱۰-۲۵ ″	—	۹۵	۸۰	۱۳

جدول نمبر ۱۵۔ ہندوستان میں فی کس سالانہ آمدنی

سال	اندازہ کرنیوالا محقق	آمدنی روپوں میں	سال	اندازہ کرنے والا محقق	آمدنی
۱۸۷۰	ڈی. نوروجی	۲۵ — ۰ — ۰	۱۹۱۳ - ۱۴	واڈیا اور جوشی	۴۴ - ۵ - ۶
۱۸۸۲	ای. بیرنگ	۲۷ — ۰ — ۰	۱۹۲۱ - ۲۲	شاہ اور کھمبتا	۶۷ — ۰ — ۰
۱۸۹۸	ای ڈگبی	۱۸ — ۰ — ۰	۱۹۲۲	فنڈلے شراز	۱۱۶ — ۰ —
۱۹۰۰	لارڈ کرزن	۳۰ — ۰ — ۰	۱۹۲۵ - ۲۹	وی راؤ	۷۷ — ۱۴ — ۶
۱۹۰۰	ای ڈگبی	۱۷ — ۴ — ۰			

دہی تجارت میں بھی سب سے آگے ہیں۔ دنیا کی پانچ بڑی مصنوعاتی قومیں ہیں۔ برطانیہ ریاستہائے متحدہ امریکہ جرمنی۔ فرانس اور جاپان اور دنیا کی تجارت کا بڑا حصہ انہیں کے ہاتھ میں ہے۔

بین الاقوامی تجارت میں مال تجارت کی حرکت دنیا کے دو بڑے صنعتی مرکزوں کے درمیان ہوتی ہے۔ برطانیہ ایک طرف اور شمالی امریکہ (خاص طور پر یو ایس امریکہ) دوسری طرف۔ یہ دونوں مرکز آپس میں بھی تجارت کرتے ہیں۔ اور دنیا کے مختلف حصوں سے خام اجناس اپنے ملک میں لاتے ہیں۔ اور مصنوعات کو دوسرے ملکوں کو لے جاتے ہیں۔ مشرق بعید (ملایا۔ فلپائن وغیرہ) جنوبی نصف کرنے کے ممالک (جنوبی امریکہ۔ جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا) + اس کے علاوہ براعظم یورپ کے ملکوں میں ایک دوسرے سے تجارت کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے۔ کہ دنیا کے کسی اور حصے میں نہیں۔ البتہ ہندوستان اور جاپان کی آپس میں تجارت۔ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کی آپس میں تجارت کسی حد تک یورپ کی تجارت سے لگا کھاتی ہے۔

جدول میں جو رقوم دی وہ ملیون پونڈ میں سالانہ تجارت ظاہر کرتی ہیں۔ جو ایک قوم کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مصنوعات خام اجناس وغیرہ دینے والا کوئی ملک اور ان کو خریدنے والا کوئی اور ملک مگر اتنی مقدار کی تجارت یہ قوم ہر سال کرتی ہے۔

کالم (۵) ساہوکارہ (۱۹۱۴ سے آگے) وہ ممالک جو کارخانوں اور تجارت سے دولت کماتے ہیں۔ اپنی وافر دولت کو بنکوں میں جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہر متمدن ملک میں بہت سے بنکوں کا ہونا ضروری ہے۔ قومیں اپنی دولت کو غیر ممالک میں جاکر وہاں کے کاروبار میں لگاتی ہیں۔ وہاں کارخانے قائم کئے جاتے ہیں۔ ریلیں چلاتے ہیں۔ نہریں بہتی ہیں۔ کچے اور پکے مال کو جمع کرنے اور باہر بھیجنے کے لئے کوٹھیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور حاکم ممالک کے لئے اپنی کالونیز اور دست نگر سلطنتوں میں اپنے روپے کا لگانا بہت آسان ہے۔ چونکہ حکومت ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے اصل زر کی حفاظت کے لیے ہر طرح کے قانون بنا سکتی ہیں۔ اور منافع بزور وصول کر سکتی ہیں۔ جدول میں صرف وہ ممالک دکھائے گئے ہیں۔ جنہوں نے اپنا سرمایہ دوسرے ممالک میں لگایا ہوا ہے۔ یہ قرض تو نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ راس المال یا اصل زر جن سے سرمایہ دار ملک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سرمایہ کی مقدار ملیون پونڈ میں دکھائی گئی ہے۔

اس جدول میں امیر ممالک کا نام آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ کس ملک نے کتنا سرمایہ کہیں دنیا کے کسی حصے میں لگایا ہوا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نادار ممالک کون سے ہیں۔ جہاں سرمایہ لگا ہوا ہے۔ یعنی جو مقروض اور اقتصادی مجبور ہیں۔ انکے نام بھی سن لیجیئے گا۔

جدول نمبر ۱۶ ملاحظہ فرمایئے

جدول نمبر ۱۶ ۔ مقروض ممالک ۔ وہ ملک جن میں دوسرے ملکوں نے سرمایہ لگایا ہوا ہے۔

۱۹۳۶ ۔ سرمایہ ملیون پونڈ

ملک	سرمایہ	ملک	سرمایہ	ملک	سرمایہ
کینیڈا	۱۲۷۰	برطانیہ	۳۹۰	برٹش ملایا	۱۲۰
ریاستہائے متحدہ	۱۰۳۰	ولندیزی ملایا	۳۳۰	فرانس	۱۲۰
آسٹریلیا	۷۸۰	برٹش جنوبی افریقہ	۲۷۰	پولینڈ	۱۰۰
ارجنٹائن	۷۴۰	چلی	۲۷۰	ٹرکی	۱۰۰
چین	۶۸۰	جاپان	۲۷۰	فرانسیسی شمالی افریقہ	۱۰۰
جرمنی	۶۴۰	بلجیم	۲۵۰	اٹلی	۱۰۰
ہندوستان	۵۷۰	سپین	۲۰۰	یونان	۱۰۰
برازیل	۵۳۰	نیوزی لینڈ	۱۶۰	سویڈن	۸۰
میکسیکو	۴۷۰	ہنگری	۱۵۰	ناروے	۸۰

ظاہر ہے کہ سرمایہ دار ملک اس اقتصادی چال سے مقروض ملکوں کا خون چوستے رہتے ہیں۔ اور دست نگر ملک ایک زندہ لاش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ لینا دینا اس عالم دلیل و اسباب میں حیات اور ممات کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں یعنی دونوں بیک وقت چلتے ہیں۔ مگر وہ ملک جسے کوئی آمدنی نہ ہو اور جسے صرف دینا ہی پڑے ظاہر ہے۔ کہ وہ ہمیشہ نادار رہے گا کالم (۵) میں ہم نے سرمایہ دار ممالک کے نام درج کئے ہیں۔ ان میں سے بعض مقروض بھی ہیں۔ اور یہ مندرجہ بالا جدول میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ایک بات قابل غور ہے۔ تمام مقبوضہ ممالک۔ قابض اقوام کے اقتصادی غلام ہیں۔ سیاسی غلامی کے ساتھ، اقتصادی غلامی کا قائم رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ تاکہ ان ماتحت ملکوں کو ہوش سنبھالنے کا موقع ہی نہ ملے۔ مندرجہ بالا جدول میں دیکھئے کہ ہندوستان مقروض ملک ہے۔ اور اسکا کوئی سرمایہ باہر کسی ملک میں نہیں لگا ہوا۔

قومی آمدنی

کالم (۶) قومی آمدنی (۱۹۲۹) کسی سلطنت کی قومی آمدنی کے بہت سے عناصر ہیں۔ اس کی مصنوعاتی ترقی کس حد تک ہو چکی ہے۔ دنیا کی تجارت میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ سرمایہ داری سے اس کو غیر ممالک سے کتنا روپیہ حاصل ہوتا ہے۔ بحری جہازوں کے کاروبار سے منافع۔ سیاحوں سے آمدنی۔ وغیرہ۔ یہ تو سب آمدنی کے ذرائع ہیں ساری آمدنی کو تمام آبادی کی تعداد پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ تو فی کس سالانہ آمدنی برآمد ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر آبادی کم ہو گی تو فی کس آمدنی زیادہ بیٹھے گی۔

اس حساب سے دنیا کا سب سے امیر ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے۔ اس کے بعد آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ اور کینیڈا آتے ہیں۔ چونکہ ان کی آبادی بہت کم ہے۔ آبادی کم ہونے کے سبب ارجنٹائن بھی امیر ملک ہے۔ ان چاروں ملکوں کا دنیا کی تجارت میں بڑا حصہ ہے۔

ان پانچ ملکوں کے علاوہ دنیا کی سب سلطنتیں جن کی فی کس سالانہ آمدنی ۱۵ پونڈ طلائی سے زیادہ ہے۔ وہ یورپ میں واقع ہیں، سویٹ روس نے ابھی ابھی کارخانے جاری کئے ہیں اور امیر ملک بن گیا ہے۔ یورپ میں چند قلیل مصنوعاتی ممالک ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ۱۵ اور ۱۰ پونڈ کے درمیان ہے یعنی رومانیا۔ لٹویا۔ سپین۔ یونان۔ یوگوسلاویا۔ پولینڈ اور لیتھونیا یورپ کے چند ممالک ایسے بھی ہیں۔ جن میں صنعت و حرفت بہت کم ہے۔ اور اس لئے ان کی سالانہ آمدنی دس پونڈ فی کس سے کم ہے۔ البانیا۔ بلغاریا اور ترکی ایسے ممالک ہیں۔

باقی ساری دنیا میں صرف جاپان۔ مصر۔ اور یونین جنوبی امریکہ ایسے ممالک ہیں جنکی آمدنی دس پونڈ فی کس سالانہ سے زیادہ ہے باقی دنیا کے تمام ممالک میں آمدنی دس پونڈ طلائی فی کس سالانہ سے کم ہے۔ اور ان کم آمدنی کے ممالک میں دنیا کی آمدنی کا دو ثلث بستا ہے۔ اس جدول کے کالم (۶) میں صرف وہ ممالک دکھائے گئے ہیں۔ جن کی فی کس سالانہ آمدنی دس پونڈ طلائی سے زیادہ ہے۔

مقالہ ۳۰

قومی دولت اور ملکی فتوحات کا تعلق

ہم نے مقالہ ۲۰ (صفحہ ۲۷۸) میں دیکھا کہ اس روئے زمین کے تمام ممالک یا تو براہِ راست یورپ اور ریاستہائے متحدہ کے ماتحت ہیں، یا ان کے کسی نہ کسی صورت سے محتاج ہیں۔ گویا ساری دنیا کے ملکوں کو یورپ اور یو ایس اے نے اپنے مفاد کے لئے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے۔ یہ ملکی فتوحات اور شاہنشاہی کا بیان تھا۔ اس مقالے کا ملاحظہ ایک دفعہ پھر کیجئے گا۔

مقالہ ۲۹ "قومی دولت کہاں سے آتی ہے" میں ہم نے یہ دیکھا کہ قومی دولت کن کن عناصر پر مشتمل ہے۔ قومی دولت میں مصنوعات، تجارت اور سرمایہ بازی کی حیثیت بہت نمایاں ہے۔ اس مقالے پر ایک دفعہ پھر نگاہ دوڑایئے۔

آؤ اس واقفیت کو جو ہم نے بہم پہنچائی ہے۔ ایک اور نگاہ سے دیکھیں۔ یورپ کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ نقشہ نمبر ۱۴ صفحہ ۳۴۵ اس میں یورپ کی قوموں کو ۴ جماعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تقسیم میں تجارت اور صنعت دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ ملک کی فیصدی آبادی جو تجارت اور صنعت میں مصروف ہے۔

(۱) ۶۰ فیصدی سے زائد

انگلستان۔ ویلز۔ سکاٹ لینڈ۔ برطانیہ کا آئرلینڈ۔ بلجیم۔ سوئٹزرلینڈ۔

(۲) ۴۰ اور ۶۰ فیصدی کے درمیان

فرانس۔ جرمنی۔ ناروے سویڈن۔ ڈینزگ۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک

(۳) ۲۰ اور ۴۰ فیصدی کے درمیان

اٹلی۔ سپین۔ پرتگال۔ یونان۔ آئرلینڈ۔ ہنگری۔ فن لینڈ

(۴) ۲۰ فیصدی سے کم

روس ۔ پولینڈ ۔ رومانیہ ۔ یوگوسلاویا ۔ بلغاریا ۔ ترکی ۔

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ مرغی پہلے ہے ۔ یا انڈا مگر ان حقائق پر غور کرنے کے بعد کون ایسا صاحب فہم ہوگا ۔ جو اس حقیقت سے انکار کرے ۔ جو ممالک صنعت تجارت اور سرمایہ بازی میں آگے ہیں وہی ملکی فتوحات میں بھی پیش پیش ہیں ۔ جن ممالک کی قومی آمدنی زیادہ ہے ۔ وہی زیادہ متمدن ہیں ۔ اور ملک گیری کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ جن کو فارغ البالی میسر ہے ۔ وہ علوم کو حاصل کرنے اور سلطنت کو قائم رکھنے کی قابلیت پیدا کرتے ہیں ۔ اس لئے جو قوم ترقی کرنا چاہتی ہے ۔ فاتح ہونا چاہتی ہے ۔ معارف پرور علم نواز اور متمدن بننا چاہتی ہے ۔ اس کو چاہیئے کہ صنعت وحرفت تجارت اور سرمایہ بازی میں ترقی کرے ۔

نقشہ ۱۴ ۔ یورپ (سیاسی حدود ۱۹۳۹ کی ہیں)
فیصدی آبادی جو تجارت اور صنعت میں مصروف ہے ۔

مقالہ ۳۱

آزاد ملک اور آزاد ملت ہونے کی حیثیت سے پاکستان کا مطالعہ

پاکستان کا رقبہ اور آبادی۔ پاکستان اور ہمسایہ ممالک کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ نقشہ نمبر ۱۵ (پاکستان اور ہمسایہ ممالک) پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ملک ہونے کی حیثیت سے آیا یہ آزاد ملک بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یا نہیں۔ دنیا کے دیگر آزاد ممالک کے ساتھ ہم اس کا موازنہ کرتے ہیں۔ پہلے رقبہ اور آبادی کو لیجیے ابھی ہمیں پاکستان کا صحیح رقبہ اور آبادی معلوم نہیں چونکہ حدود کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ ہم پاکستان کے صرف ایک حصے کو شمار میں لیتے ہیں۔ یعنی سندھ۔ پنجاب۔ سرحدی صوبہ بنگال اور آسام۔

ان صوبوں کا رقبہ اور آبادی حسب ذیل ہے

نمبر شمار	صوبہ	رقبہ مربع میل ہزار یعنی : ۰۰۰ ×	آبادی ملیون یعنی : ۰۰۰,۰۰۰ ×
۱	سندھ	۴۷	۴
۲	پنجاب	۹۷	۲۸
۳	سرحد	۱۶	۳
۴	بنگال	۱۱۵	۶۰
۵	آسام	۵۳	۱۰
پاکستان کا بڑا حصہ ــ	میزان	۳۲۸	۱۵۸

ان اعداد کا مقابلہ اب دوسرے آزاد ممالک سے کیجیے

نمبر شمار	ملک	رقبہ	آبادی
۱	برطانیہ	۹۴	۴۶
۲	فرانس	۲۱۳	۴۲
۳	اٹلی	۱۲۰	۴۳
۴	ترکی	۲۹۴	۱۶
۵	ایران	۶۲۸	۱۵
۶	مصر	۳۴۸	۱۵

مقالہ ۱۳۱

آزاد ملک اور آزاد ملّت ہونے کی حیثیت سے پاکستان کا مطالعہ

پاکستان کا رقبہ اور آبادی۔

پاکستان اور ہمسایہ ممالک کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ نقشہ نمبر ۱۵ (پاکستان اور ہمسایہ ممالک) پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ملک ہونے کی حیثیت سے آیا یہ آزاد ملک بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یا نہیں۔ دنیا کے دیگر آزاد ممالک کے ساتھ ہم اس کا موازنہ کرتے ہیں۔ پہلے رقبہ اور آبادی کو لیجیے

ابھی ہمیں پاکستان کا صحیح رقبہ اور آبادی معلوم نہیں چونکہ حدود کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ ہم پاکستان کے صرف ایک حصے کو شمار میں لیتے ہیں، یعنی سندھ۔ پنجاب۔ سرحدی صوبہ بنگال اور آسام۔

ان صوبوں کا رقبہ اور آبادی حسب ذیل ہے

نمبر شمار	صوبہ	رقبہ مربع میل ہزار یعنی : ۰۰۰ ×	آبادی ملیون یعنی : ۰۰۰،۰۰۰ ×
۱	سندھ	۴۷	۴
۲	پنجاب	۹۷	۲۸
۳	سرحد	۱۶	۳
۴	بنگال	۱۱۵	۶۰
۵	آسام	۵۲	۱۰
پاکستان کا بڑا حصہ	میزان	۳۲۸	۱۵۸

ان اعداد کا مقابلہ اب دوسرے آزاد ممالک سے کیجیے

نمبر شمار	ملک	رقبہ	آبادی
۱	برطانیہ	۹۴	۴۶
۲	فرانس	۲۱۳	۴۲
۳	اٹلی	۱۲۰	۴۳
۴	ترکی	۲۹۴	۱۶
۵	ایران	۶۲۸	۱۵
۶	مصر	۳۴۸	۱۵

ان اعداد سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رقبے اور آبادی کے لحاظ سے پاکستان ایک آزاد ملک بننے کی اہلیت رکھتا ہے
اب آپ جدول نمبر ۱۰ ملاحظہ فرمایئے صفحہ ۲۲۸۔ اس میں دنیا کی بڑی قوموں اور چھوٹی قوموں کے ملک کا رقبہ
اور نفوس کی تعداد دی ہوئی ہے۔ ہندوستان کا رقبہ ۱۸۰۰ ہزار مربع میل ہے۔ اور آبادی ۳۸۹ ملیون نفوس۔ فرانس۔ اٹلی
مصر وغیرہ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان میں آسانی کے ساتھ پانچ چھ جمہوریتیں قائم کی جاسکتی ہیں۔
بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ہندوستان کو ایک جمہوریت بنایا جائے تو اتنے بڑے ملک کا انتظام ایک مرکز سے ایک قانون کے ماتحت
کرنا مشکل ہو جائے گا۔

پاکستان کی آمدنی

کسی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آمدنی تمام اخراجات سے زائد ہو۔
اب ہم پاکستان کی آمدنی کا اندازہ کرتے ہیں۔ صحیح طور پر آمدنی تو نہیں بتائی جاسکتی۔ صرف
اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس اندازے کا ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ سارے ہندوستان کی آمدنی کا اندازہ جو انگریزی سرکار نے لگایا
ہے۔ اس کا ایک مخصوص حصہ پاکستان کی آمدنی فرض کر لیا ہے۔

پاکستان کی آمدنی کا اندازہ جو گورنمنٹ آف انڈیا کے بجٹ اسٹیٹمینٹ ۱۹۳۹ - ۴۰ پر مبنی ہے۔

آمدنی کی مد	تمام ہندوستان کی آمدنی کا کون سا حصہ پاکستان کی آمدنی فرض کیا گیا ہے	اس حساب سے پاکستان کی آمدنی روپے
کسٹم	۱/۴	۱۰,۱۶,۲۵,۰۰۰
مرکزی آبکاری	۱/۴۰	۱,۴۰,۰۰۰
نمک	۱/۳	۲,۷۸,۳۳,۳۳۳
کارپوریشن ٹیکس	۱/۲۰	۹,۴۰,۰۰۰
انکم ٹیکس	۱/۱۰	۱,۲۸,۸۰,۰۰۰
افیون	۱/۲۰	۲,۴۵,۷۵۰
دیگر عنوان	۱/۱۰	۱۰,۱۳,۶۰۰
نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ساری آمدنی		۵,۵۰,۸۷,۰۰۰
انہار	۱/۱۰	۷,۷۰۰
محکمہ ڈاکخانہ جات و تار	۱/۶	۲,۲۳,۱۶,۶۶۶
ڈیبٹ سروسز	۱/۲۰	۳,۱۶,۱۵۰
سول ایڈمنسٹریشن	۱/۱۰	۱۰,۳۷,۷۰۰
نوٹ اور ٹکسال	۱/۱۰	۹,۷۲,۲۰۰
سول ورکس	۱/۱۰	۳,۰۹,۷۰۰
متفرقات	۱/۲۰	۶,۹۸,۲۵۰
ڈیفنس سروسز	۱/۲۰	۴,۳۷,۶۳۰
غیر معمولی عنوان	۱/۲۰	۱۴,۷۷,۸۵۰
پاکستان کی آمدنی تیئیس کروڑ روپیہ تقریباً	میزان۔	۲۳,۱۰,۳۸,۵۲۹ روپے

یہ اندازہ حقیقتاً بہت کم ہے۔ ایک تو آمدنی کا حصہ کم رکھا ہے۔ تاکہ اعتراض کا کوئی موقع نہ رہے۔ پھر یہ ملک ابھی تک مصنوعات پیدا نہیں کرتا ہے۔ جو آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ اس آمدنی سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان، آزاد حکومت بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

پاکستان اور خود اکتفائی

ہر آزاد حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام ضروریات کی کفایت کرے۔ تاکہ یہ سلطنت سیاسی یا سماجی لحاظ سے کسی دوسرے سلطنت کے ماتحت نہ ہو جائے۔ اگرچہ سیاسی طور پر یہ آزاد کہلائے۔ خود مکتفی ہونا ہر سلطنت کے فرائض میں شامل ہے۔ تاکہ یہ ہر پہلو سے آزاد رہے۔

مقالہ ۲۰۔ (قومی دولت کہاں سے آتی ہے) میں اس بات پر بحث کی گئی ہے۔ کہ قومی دولت کون کون سے عناصر پر مشتمل ہے۔ خوراک اور پوشش سب سے ضروری چیزیں ہیں۔ خوراک کی بڑی بڑی اجناس یہ ہیں۔ گندم۔ رائی۔ چاول + حیواناتی پیداوار میں مویشی۔ سوٴر۔ بھیڑیں اور سمندری مچھلیاں شامل ہیں۔ پوشش میں روئی اور کتان۔ اس کے بعد مصنوعاتی قوت اور خام اجناس کا نمبر آتا ہے۔ مصنوعاتی قوت ان چیزوں پر مشتمل ہے۔ کوئلہ۔ پڑولیم اور آبی قوت + خام اجناس میں سب سے ضروری لوہا۔ تانبا۔ چوب اور ربڑ ہیں۔ قوت تو کارخانوں کو چلاتی ہے۔ اور خام اجناس سے مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ خام اجناس میں دیگر ضروری اشیا۔ السی کھوپرا۔ سویابین۔ مونگ پھلی۔ بنولہ زیتون۔ سرسوں۔ تل ہے۔ دھاتوں میں ضروری نکل۔ کروم۔ مینگنیز۔ ٹنگسٹن۔ کوبالٹ۔ سیسہ۔ جست۔ قلعی۔ الومینیم۔ پارہ۔ کیڈمیم۔ سرمہ۔ سونا۔ چاندی۔ پلاٹینم ہیں۔ مصنوعات کے علاوہ تجارت اور ساہوکارہ قومی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہر آزاد حکومت کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک کافی بڑی فوج رکھے اور اس کے پاس جنگی جہازوں کا بیڑا ہو۔

ان تمام چیزوں سے جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ایک اور جنس زیادہ ضروری ہے۔ اور وہ قوم کے افراد ہیں۔ ان تمام عناصر اور اشیا پر انسان حاوی ہے۔ یہ چیزیں کسی وطن میں موجود بھی ہوں مگر جب عقلِ انسانی ان کا استعمال نہ کرے یہ ویسی کی ویسی ہی پڑی رہتی ہے۔ اس لئے ملت کے افراد کی تعداد اور ان کی دماغی کیفیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ان تمام عناصر پر نگاہ رکھتے ہوئے ہم پاکستان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اپنی ضروریات کی

خود اکتفائی کرسکتا ہے ۔ یہ تو کسی ملک کے لئے قطعاً ناممکن ہے ۔کہ وہ اپنی ضروریات اپنے ملک کے اندر سے مہیا کرے اور اپنے دروازے غیر ملکی تجارت اور افراد پر بند کردے ۔ مگر ہوتا یہ ہے ۔کہ درآمد کی رقم کم ہو ۔ اور برآمد زیادہ تاکہ ملک امیر ہوتا جائے ۔ اور اس ملک کے اندر ایسے ذرائع موجود ہوں جن سے برآمد کی مقدار اور مالیت میں اضافہ کیا جاسکے ۔

قومی دولت کو ترقی دینے کے عناصر اور اسباب

قومی دولت کو ترقی دینا ہر قوم کا فرض ہے ۔ہم نے قوم کے ارتقاء کے عناصر پر مقالہ ۱۵ (پاکستان میں آزاد قومی حکومت کے فرائض) پر بحث کی ہے ۔ اسباب میں سب سے ضروری سبب اس قوم کے افراد ہیں ۔چونکہ جو کچھ کرتا ہے فرد کرتا ہے ۔عقل انسانی بے جان چیزوں کو اپنی منشا کے مطابق ڈھالتی رہتی ہے ۔افراد سے جماعت بنتی ہے ۔جماعت کو ترقی دینے کے لیئے ہمیں مندرجہ ذیل عناصر کو ترقی دینا چاہیے ۔ قوت میں اضافہ یعنی قوم کے افراد کی تعداد بڑھ جائے ۔ یا قدرتی پیداوار میں اضافہ ہو جائے ۔ قابلیت کارکردگی میں اضافہ ہو جائے ۔یعنی قوتوں کا استعمال بہتر طریقے سے کیا جائے ۔ افراد کو ذاتی آزادی اور ضمیر کی آزادی عطا کی جائے تاکہ وہ نئی آرزوؤں اور ایجادوں کی تخلیق کرسکیں ۔اور چوتھی بات یہ کہ جماعت کے افراد میں ہم آہنگی پیدا کی جائے ۔تاکہ سب قوتیں ایک طرف رجوع کریں ۔

قوم کی ترقی کے چار عناصر ہیں ۔ یہ عناصر ماحول میں پرورش پاتے ہیں ۔ ماحول کے عناصر یہ ہیں ۔ وطن کی قدرتی کیفیت زندگی کے قیام کی ضروریات ۔ اقتصادی حالات ۔ دماغی کیفیت ۔مصنوعاتی حالات ۔تہذیب و تمدن کی کیفیت اور ماحول میں ان قوتوں کی ہم آہنگی ۔ ماحول کے عناصر کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے بعد ہم قوم کی ترقی کو بہتر بنا سکتے ہیں ۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قوم کی ترقی کے عناصر کو کون سے اسباب بہتر کرتے ہیں ۔وہ دلیل وہ سبب وہ علت کیا ہے ۔جو ان عناصر کو بہتر بنانے میں ممد ہے ۔ اس کے متعلق مقالہ ۱۶ (ملت کی ترقی کے اسباب اور پاکستان کی تشکیل) میں بحث کی گئی ہے ۔وہ وجوہات ۔ اسباب اور علتیں جن کی بنا پر عناصر بہتر صورت اختیار کرتے ہیں ، دو طرح کے ہیں ۔

(۱) قدرتی ماحول (۲) سماجی ماحول

قدرتی ماحول میں یہ عناصر شامل ہیں ، روئے زمین پر مقام ۔ دریا ۔ پہاڑ ۔ میدان ۔ معدنیات ۔جنگل ۔مچھلی ۔آب و ہوا تو

اس لحاظ سے بہت ضروری ہے۔ عمدہ مٹی نباتی پیدا وار میں بہت امداد دیتی ہے۔ سماجی ماحول میں، نسل، مذہب اور گورنمنٹ اور آبادی کی گنجائش شامل ہیں۔ قوم کو انتہائے عروج پر پہنچنے کے لئے ان ترقی کے اسباب کا عمدہ طریقے پر استعمال کرنا ضروری ہے۔ ان کو ترقی دیجائے۔ اور ان کو بہتر کرنے کے طریقے تخلیق کئے جائیں۔

قومی فضا پیدا کرنیکے آلات

ہر قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ قومی فضا کو قائم رکھے بلکہ قومی خیالات کو ترقی دے۔ اس صورت میں ہی افراد کی یہ جماعت خیالات اور افعال میں یک جہتی پیدا کرنے کے بعد قوم ہونے کی حیثیت سے دوام حاصل کر سکتی ہے۔ ہم نے قومیت کے عناصر کا مقالہ ۲ میں مطالعہ کیا ہے۔ یہ عناصر قومیت کی پیدائش، تعمیر اور سالمیت میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ عناصر دو طرح کے ہیں۔ I مادی عناصر (۱) نسل (۲) وطن (۳) سلطنت (۴) اقتصادی حالات II غیر مادی عناصر (۵) زبان (۶) تہذیب (۷) قومی ادب (۸) روایات (۹) تعلیم (۱۰) تمدن اور تہذیب (۱۱) قانون (۱۲) ظلم (۱۳) قوم بننے کی خواہش۔ پاکستان کی تشکیل کے بعد پاکستان کی آزاد قومی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد میں قومی جوش اور قومی خلوص پیدا کرنیکی ہر طرح سے کوشش کرے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے بھی چند آلات ہیں جن کا ہم نے کہیں اس کتاب میں ذکر نہیں کیا۔ چونکہ ان پر مفصل بحث کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں۔ تاہم یہاں ان کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔ سب سے اہم چیز تو سیاسی آزادی ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے۔ کہ جب کوئی قوم سیاسی طور پر آزاد ہو جاتی ہے۔ تو اسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے سر سے بھاری بوجھ ہٹا دیا گیا۔ اور پھر ان کا فکر صحیح طور پر کام کرنے لگتا ہے قومیت کی فضا اسی وقت آسانی کے ساتھ پیدا کی جا سکتی ہے۔ جب یہ جماعت سیاسی طور پر آزاد ہو۔ قومی جذبہ پیدا کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ تعلیم ہے۔ سکولوں اور کالجوں کی کتابوں میں اسطرح کے اسباق ہوں جن سے قوم اور وطن سے محبت پیدا ہو جائے۔ قانون ایسے بنائے جائیں جو ساری قوم کی تہذیب، تمدن، ادب اور روایات کو یکساں کر دیں۔ تمام جماعت پر ایک قومی رنگ چڑھ جائے۔ مختلف انجمنیں بھی اس کام میں بہت حصہ لیتی ہیں۔ وہ قوم کے افراد میں یک رنگی اور یک جہتی پیدا کر دیتی ہیں۔ روایات قومی فضا کے پیدا کرنے میں ایک ضروری عنصر ہیں۔ ہر تاریخ دان جو تاریخی واقعات کاغذ پر لکھتا ہے اپنی شخصیت کو بھی اس تحریر میں شامل کر دیتا ہے۔ گویا تاریخ میں تاریخ دان کی ذاتی رائے بھی شامل ہوتی ہے۔ اس طرح سے

ایک روایت کو مختلف تاریخ نویسوں کی زبانی سنا جائے. تو بیان میں اختلاف ہوتا ہے. اس کا یہ مطلب ہے کہ روائت کو ایسے رنگ میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے. جس پر قومی رنگ غالب ہو اور اس سے قومی جذبے کو ترقی ہو.

اب معاملہ آپ کے سامنے ہے. اگر سارے ہندوستان میں ایک جمہوریت قائم کی جائے. تو اس میں قومی جذبہ کا پیدا کرنا مشکل ہے. اور قومی ترقی کے وسائل واسباب کو عمل میں لانا محال ہے. اس لئے یہی بہتر ہے. کہ ہندوستان میں ایک کی بجائے کئی جمہوریتیں بنائی جائیں. جو حقیقی معنوں میں قومی جمہوریتیں بن جائیں۔

اختتام

آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ایم اے سلام پرنٹر پبلشر چھپکر شائع ہوئی

پاکستان

اے مسلماں! تجھے یاد ہے شانِ اسلام
قیصرِ روم تھا جب، اس کے غلاموں کا غلام

وہ مسلمان تھا قرآن کی زندہ تفسیر
وہ تھا پیغامِ خدا۔ اور خدا کی شمشیر

اتفاق اُن میں تھا۔ ایثار تھا۔ جوشِ ایماں
ان کی یک جہتی نے تسخیر کیا کون و مکاں

تو مسلماں ہے ایمان میں کامل ہوجا
زندگی چاہے اگر لیگ میں شامل ہوجا

تم ہو کیا، سینکڑوں فرقے ہیں۔ نہ ایماں نہ یقیں
اور سب کچھ ہو۔ مگر دل سے مسلمان نہیں

اے خدا۔ ہیں ترے احکام میں سارے افلاک
یہ ستارے۔ یہ زمیں۔ شمس و قمر، ذرۂ خاک

تو جو چاہے تو کرے کن سے جہاں کو پیدا
کاہِ احقر سے کرے کوہِ گراں کو پیدا

صاحبِ علم و عمل۔ صاحبِ ایماں کردے
یعنی پھر دل سے مسلماں کو مسلماں کردے

اے مسلماں مگر تو بھی تو اُٹھ۔ ہمّت کر
اپنی قسمت کو بنا۔ اپنے لئے محنت کر

تو مسلماں ہے۔ ایمان میں کامل ہوجا
زندگی چاہے اگر لیگ میں شامل ہوجا

ترک جب سے ہے کیا۔ تو نے طریقِ اسلاف
مشورے کرتے ہیں اغیار مسلماں کے خلاف

تیری منزل۔ تیرا مقصودِ نظر پاکستان
تیری اُمید۔ ترا نجمِ سحر پاکستان

بزمِ توحید میں تو، بادہ بنے۔ جام بنے
حفظِ ناموسِ وطن۔ خدمتِ اسلام بنے

تو مسلماں ہے۔ ایمان میں کامل ہوجا
زندگی چاہے اگر۔ لیگ میں شامل ہوجا

ناموس

Seligman, E. R. A.; Encyclopaedia of Social Sciences; Vol. VII, Macmillan, MCMXXXII.

Maciver, R. M.; The Elements of Social Science; London, Methuen & Co., Ltd., 1921.

Hobhouse, L. T.; Social Development; London, George Allen & Unwin Ltd., 1924.

Anderson, J. D.; People of India; Cambridge University Press, 1913.

Risley, Sir H.; People of India; Calcutta, W. Thacker & Co., 1908.

Charles Joppen, S. J.; Historical Atlas of India; Fourth Edition, Longman Green & Co., London, 1938

Das Gupta A.; Economic and Commercial Geography, Calcutta, 6 College Square, A. Mukherjee & Bros., 1941.

Morrison, Cameron. A New Geography of Indian Empire and Ceylon (Eighth Edition); London, Thomas Nelson & Sons Ltd., 1933.

R. Sathianathaier; A political and Cultural History of India; (Second Edition) Madras, Rochouse & Sons, Ltd., 1945.

S. N. A. Qadari; A Moslem's Inner Voice; Lahore, Ashiana-i-Niaz, 1944.

Choudhry Rahmat Ali. The Millat and The Mission, Cambridge, The Pakistan National Movement, 1944.

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال - ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر - مترجمہ - مولانا ظفر علی خان - لاہور - اقبال اکیڈیمی -

Dr. Kazi Said-ud-Din Ahmad; The Communal Pattern of India; Lahore, Shaikh Muhammad Ashraf, 1945.

ایل ایف رشبروک ولیمز - ہندوستان - حالات حاضرہ پر آکسفورڈ کے رسالے' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس - بمبئی - ۱۹۴۰ -

---

The Indian Annual Register, 1942, N. N. Mitra ; The Annual Register Office, 16-1 Komedan Bagan Lane, Calcutta, 1942.

Report of the Scientific Terminology Committee of the Central Advisory Board of Education in India, 1940, together with dicision of the Board thereon : Bureau of Education, India 1941.

A Comparative Grammar of the Modern Aryan Languages of India (Hindi, Panjabi, Sindhi, Gujrati, Marathi, Oriya, Benjali), John Beames, London, Trubner & Co., Vol. I 1872.

Our Language Problem ; Mahatma Gandhi ; Karachi Anand T. Hingorani, 1942.

وضع اصطلاحات - وحید الدین سلیم - علیگڑھ ۱۹۲۱ -

Mookerji Radha Kumud ; The Fundemental Unity of India from Hindu Sources. Longman Green & Co., London, 1914.

Dutt Sukumar, problem of Indian Nationality University of Calcutta, 1926.

Mookerji, Radha Kumud ; Nationalism in Hindu Culture, Theosophical Publishing House, London, 1921.

Joseph, Bernard ; Nationality its Nature and Problems ; London, George Allen & Unwin Ltd., 1929.

Tagore, Sir Rabindranath ; Nationalism ; London Macmillan & Co., Ltd, 1920.

Barker, Ernest, National Character and the factors in its formation ; London, Methuen & Co , Ltd., 1927.

Mac Iver, R. M. ; Society—A Text-book of Socioloy, New York, Farrar & Rinehart, 1937

Holdich, Col. Sir Thomas Hungerford ; India. London, Heney Frowde—no date.

The Imperial Gazetter of India, Vol. I, Oxford, Clarendon Press, 1907.

Hamenerton J. A. Universal History of the World Vol. I, Vol. IV.

Ameer Ali Sayed—Short History of Saracens.

تمدن عرب - سید علی بلگرامی

مسلمانوں کا عروج و زوال - سعید احمد

Khawja Kamal-ul-Din—Muslim Civilization.

فرہنگ اصطلاحات علمیہ - انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن -

Ellsworth Huntington—The Human Habitat ; Chapman & Hall, Ltd., London, 1928.

Ellsworth Huntington—Civilization & Climate ; Yale University Press, New Haven, 1924.

Ellsworth Huntington—The Character of Races ; Charles Scribner's Sons, New York, 1925.

Jawahar Lal Nehru—The Unity of India (Collected writings 1937—1940) Lindsay Drummond, London W. C. 2, 1941.

Ambadkar B. R.—Pakistan.

Macartney, C. A. ; National States and National Minorities—Oxford University Press, London, 1934.

Muir, Ramsay ; National Self-government ; London Constable & Co., Ltd., 1918.

Hindustan Year Book, and Who is Who 1945 by S. C. Sarkar ; M. C. Sarkar & Sons, Ltd., 14 College Square, Calcutta.

مسلم قومیت - سید ابوالاعلیٰ مودودی - دفتر رسالہ ترجمان القرآن - لاہور ملتان روڈ - سنہ ۵۲ ھ -

پاکستان اور ہندوستان - عبدالقدوس ہاشمی - دارالاشاعت سیاسیہ شاہراہ عثمانی - حیدر آباد دکن - ۱۹۴۱ -

The India Character—Jehangir Framjee Kotewal—Karachi, 1944.

کتاب نامچہ

BIBLIOGRAPHY

Books from which matter has actually been incorporated in this monograph: books consulted have not been mentioned.

Encyclopaedia Britannica, 14th Edition New York.

The International Geography, by Seventy Authors, edited by Hugh Robert Mill, Macmillan & Co., Ltd., St. Martin's Street, London, 1909.

Collins—Longmans Study Atlas, by à Joint Advisory Board, Willian Collins, Sons & Co., Ltd., Great Britain, 4th Edition, 1043.

The Altas of Today and Tomorrow, Alexander Rado, Victor Gollancz, London, 1938.

The New Pictorial Atlas of the World, The Times of India, Bombay and Calcutta, Great Britain.

Collins' Graphic Atlas, Willian Collins Sons & Co., Ltd., London, etc.

Indian Atlas of the World; Thacker Spink & Co., Calcutta. The American Mission Press, Lucknow.

The Indian Year Book and Who's Who 1943-44. The Times of India Press, Bombay.

The New Year Book, 1944. S. C. Sarkar & Sons, Ltd., Calcutta.

جغرافیۂ عالم - حصہ اول و دوم - رائے صاحب لالہ سوہن لال - رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز - لاہور - ۱۹۳۱ء۔

Popular Astronomy by Simon Newcomb, London, Macmillan & Co., 1883.

مسلمانان ہند کی سیاست وطنی - محمد امین زبیری مارہروی - عزیزی پریس آگرہ - ۱۹۳۸ -

Renouf, Hearnshaw, Outlines of General History.

Wells H. G.—Outline of History; Vol. I, Vol. II.
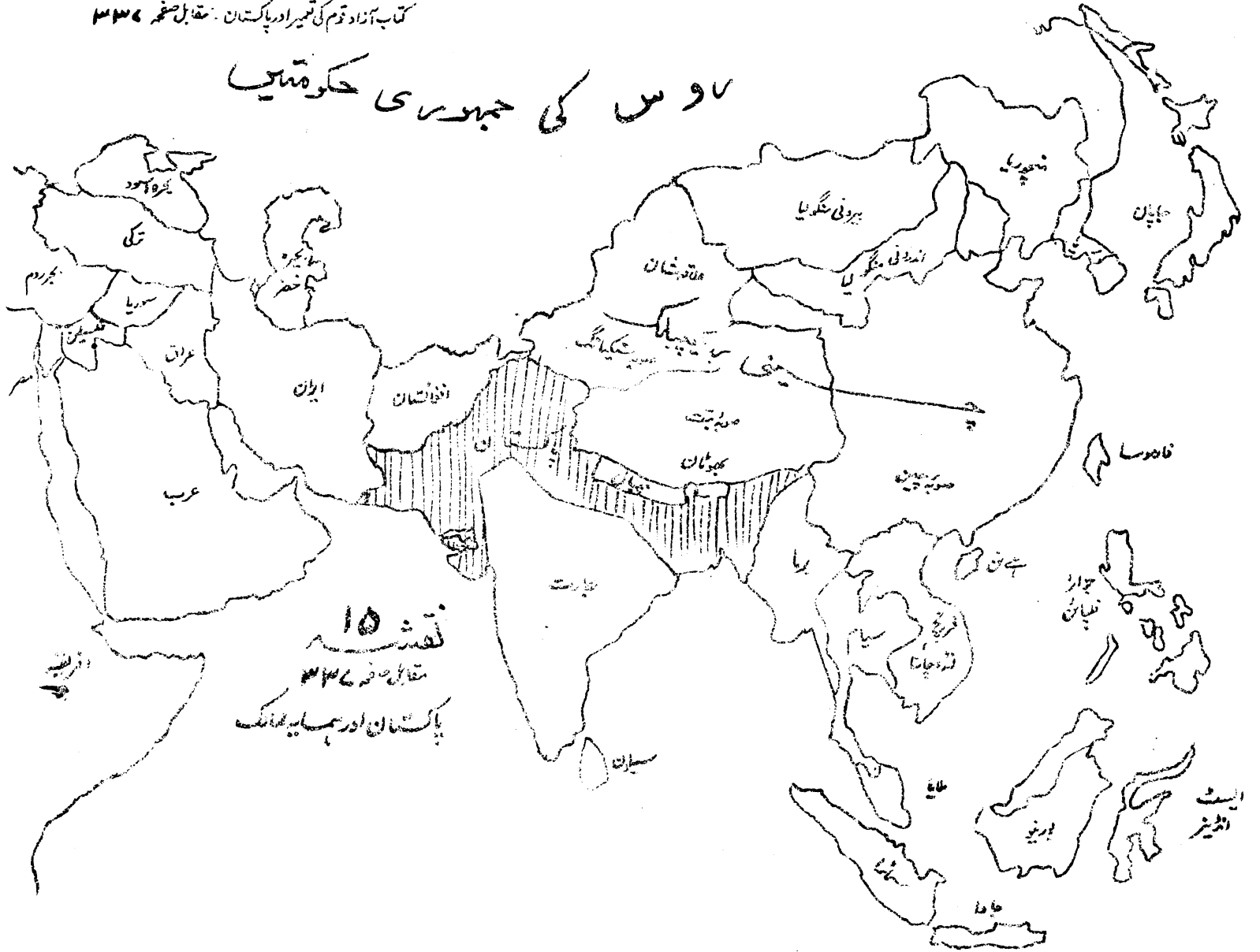
کتاب آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان
نقشہ ۱۳ مقابل صفحہ ۲۴۷
دنیا - نباتات کے لحاظ سے تقسیم
استوائی گھنے جنگلات کا خطہ
منطقہ حارہ کا گھاس کا خطہ
مزروعہ خطہ
(خالی) منطقہ حارہ کا صحرا کا خطہ
اور وسطی مرتفع صحرا
معتدل گھاس کے میدانوں کا خطہ
سرد جنگلات کا خطہ
ٹنڈرا کا خطہ
دائرہ قطب شمالی
۶۶½ درجے کا خط
۴۵ درجے شمال
خط سرطان
خط استوا
خط جدی
۳۰ درجے جنوب
منطقہ باردہ شمالی
منطقہ معتدل
منطقہ حارہ
منطقہ معتدل

کتاب آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان
دائرہ قطب شمالی
۶۶ درجے کا خط
۳۰ درجے شمال
خط سرطان
خط استوا
خط جدی
۳۰ درجے جنوب
منطقہ باردہ شمالی
منطقہ معتدلہ
منطقہ حارہ
نقشہ ۱۲ مقابل صفحہ ۲۸۶
دنیا کی اوسط سالانہ بارش
(اس میں برف، بارش اولے سب شامل ہیں)
۸۰ انچ سالانہ سے زیادہ ۔ شدید زیادہ بارش
۴۰ انچ اور ۸۰ انچ کے درمیان ۔ زیادہ بارش
۲۰ انچ اور ۴۰ انچ کے درمیان ۔ معتدل بارش
۱۰ انچ اور ۲۰ انچ کے درمیان ۔ قلیل بارش
۱۰ انچ سے کم ۔ شدید قلیل بارش